فتاویٰ شیخ الاسلام

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

مولانا مفتی محمد سلمان منصورپوری

تحقیق وتخریج:

حضرت مفتی محمد وہاب منگلوری

ڈائریکٹر الفرید فقہی اکیڈمی منگورہ

فتاویٰ شیخ الاسلام

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

مولانا مفتی محمد سلمان منصورپوری

تحقیق وتخریج:

حضرت مفتی محمد وہاب منگلوری

ڈائریکٹر الفرید فقہی اکیڈمی مینگورہ



رحمان پلازہ مچھلی منڈی اردو بازار، لاہور فون: 042-37361339

E-Mail: jamiatbooks@gmail.com

Fatawa Sheikh ul Islam
By
Maulana Mufti Mohd. Salman Mansoor puri
ISBN : 978-969-9753-03-9

نام کتاب	:	فتاویٰ شیخ الاسلام (تخریج شدہ)
افادات	:	شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
مرتب	:	مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری
اشاعت اوّل	:	ستمبر ۲۰۱۳ء
اشاعت دوم	:	جولائی ۲۰۱۵ء
ناشر	:	محمد ریاض درانی
بہ اہتمام	:	محمد بلال درانی
مطبع	:	اشتیاق اے مشتاق پریس، لاہور
قیمت	:	/- روپے

قانونی مشیر : سیّد طارق ہمدانی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

تحقیق وتخریج

زیر سرپرستی

حضرت مفتی محمد وہاب منگلوری مدظلہٗ العالی

خلیفہ مجاز حضرت مفتی محمد فرید رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک

ڈائریکٹر الفرید فقہی اکیڈمی مینگورہ (سوات)

تصحیح

مولانا محمد عارف

(سابق اُستاد جامعہ مدنیہ، کریم پارک راوی روڈ، لاہور)

فہرست

نکاح و طلاق ۱۶۹

عرضِ ناشر

حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی ﷫علم وعمل کی جامع شخصیت تھے۔آپ تفسیر، حدیث اور فقہ کے اُن اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں جن کے فرامین سند کا درجہ رکھتے ہیں۔آپ مسندِ تدریس پر ایک محدث تھے۔تو رات کو مصلے پر ایک زاہد شب زندہ دار تھے۔آزادی کی جنگ میں مجاہد فی سبیل اللہ تھے تو قومی وملی امور کے طے کرنے میں ایک مدبر اور مفکر تھے۔سیاسی امور میں ایک نظریہ ساز مفکر تھے اور مسترشدین کی تعلیم وتربیت کے معاملے میں ایک شیخ اور مرشد تھے۔آپ اپنے مریدوں کا ہر طرح خیال رکھتے۔اُن کے سوالات کے جوابات رقم کرتے۔ان کو اپنی مجالس اور تقاریر کے ذریعے ہدایات دیتے اور اپنے عمل سے وہ تبلیغ وتلقین کرتے جو بہت سے تقریروں سے زیادہ مؤثر تھے۔

حضرت والا اپنے مسترشدین اور متعلقین کو دیگر تصانیف کے علاوہ خطوط کے ذریعے راہِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرماتے رہے۔انھیں سیاسی، روحانی، فکری، عملی اور شرعی امور میں حسن عمل کا وہ راستہ دکھاتے جو سنت ثابتہ کے جادۂ قوعہ پر چلنے والا شیخ ہی دکھا سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ نے خطوط کا ایک بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ بے شمار خطوط جمع وتدوین کے مراحل سے گزر کر محفوظ ہو گئے۔بہت سے خطوط ابھی کسی مرتب کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔یقیناً غیر مدونہ اور غیر مطبوعہ خطوط جمع ہو جائیں تو آپ کی زندگی اور فکر کے بہت سے گوشے روشنی میں آ جائیں گے۔

آپ کے مکتوبات میں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق خطوط ملتے ہیں۔ان سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے ان کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا لازمی ہے۔اس کے لیے طویل فرصت درکار ہے۔ہمیں احسان مند ہونا چاہیے حضرت کے نواسہ حضرت مولانا سلمان منصور پوری کا کہ انھوں نے حضرت کے فقہی معاملات سے متعلق خطوط کو یکجا کر دیا ہے۔یوں حضرت کا ایک ذخیرۂ فتاویٰ جمع ہو گیا ہے۔یہ فتاویٰ ہمیں زندگی کے بہت سے گوشوں سے متعلق راہنمائی عطا کرتے ہیں۔اس مجموعے کی افادیت کو دیکھتے ہوئے ہم نے سوچا کہ اس کی تخریج کروائی

جائے تا کہ یہ مجموعہ تحقیقی اعتبار سے بھی نافع بن سکے اور ہمارے عہد کے مفتیوں کے لیے بھی آسانی پیدا ہو سکے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ مفتی محمد عبدالوہاب منگلوری مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت مفتی محمد فرید رحمہ اللہ ڈائریکٹر فقہی اکیڈمی مینگورہ نے اپنی نگرانی میں تخریج کا اہم کام مکمل کرایا۔ آج ہم یہ اہم کام اپنے ادارے کی طرف سے پیش کرتے ہوئے رب ذوالجلال کے حضور سربسجود ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ فتاویٰ بزرگانِ دیوبند کے مجموعہ ہائے فتاویٰ کے اُس سلسلے کی اہم کڑی ہے جو فتاویٰ رشیدیہ سے شروع ہوا اور اب تک مسلسل جاری ہے۔ اُمید ہے قارئین کے وسیع حلقہ میں یہ کام علم نافع کا درجہ حاصل کرے گا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

محمد ریاض درانی

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ

فتاویٰ شیخ الاسلام

مسواک کس لکڑی کی ہو

﴿س﴾

* وضو کرتے وقت مسواک کس لکڑی کی استعمال کرنی چاہیے۔

﴿ج﴾

وضو میں مسواک کسی لکڑی کی ہو جائز ہے۔ مگر وہ لکڑیاں جن میں کڑواہٹ اور کھٹا پن ہو وہ مفید تر ہوتی ہیں اس لیے ان کا استعمال انسب ہے۔ پیلو کی مسواک سب سے افضل ہے(۱) مگر دوسری لکڑیاں بھی جائز ہیں۔ (۲)
(مکتوبات ج۱،ص۷۶)

سوتے وقت وضو یا تیمّم

﴿س﴾

کیا سوتے وقت باوضو لیٹنا چاہیے۔

﴿ج﴾

شب کو اور قیلولہ کے وقت میں اگر ممکن ہو تو وضو ورنہ تیمم کر کے سوئیں۔ (۳)

(مکتوبات ج۱ص۷۶)

---

۱) شامی میں ہے کہ پیلو کی مسواک افضل ہے اس کے بعد زیتون کا درجہ ہے۔ وافضله الاراك ثم الزيتون (شامی ج۱ص۱۱۵) ومثله في الطحطاوي على المراقي۔ ص:۳۷

۲) قوله (ويكره بموذ) قال الشامي ويستاك بكل عود الا الرمان والقصب وافضله الأراك ثم الزيتون روى الطبراني نعم السواك الزيتون من شجرة مباركة وهو سواكي وسواك الانبياء من قبلي، ردالمختار ۱/۲۵۲ بيان سنن الوضوء رشيديه۔ ومثله في الطحطاوي على المراقي ص۶۷ في سنن الوضوء قد يمي۔

۳) قال في الشامي: وكذا يقوم التيمم مقام الوضوء لنحو نوم و دخول مسجد (شامی ج۱ص۹۳) وقال في الطحطاوي: قوله وندب الوضوء للنوم على طهارة ظاهره انه لا يأتي بذلك المندوب الا اذا اخذه النوم وهو متطهر (طحطاوي ج۱ص۴۶)

آنحضرت ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بحالت جنابت مسجد سے گزرنے کی ممانعت سے مستثنیٰ کیوں رکھا گیا۔

﴿س﴾

درج ذیل حدیث شریف کے متعلق تشریح فرمادیں۔

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لعلی یا علی : لایحل لاحد ان یجنب فی هٰذا المسجد غیری وغیرك وقال علی بن المنذر : قلت لضرار بن صُرد ما معنیٰ هٰذا الحدیث ؟ قال لا یحل لاحد یستطرقه جنباً غیری وغیرك۔[1]

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اے علی میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لیے اس مسجد میں جنابت کی حالت میں رہنا جائز نہیں ہے۔علی ابن منذر کہتے ہیں کہ میں نے ضرار ابن صرد سے اس حدیث کا مطلب پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ مطلب یہ ہے کہ جنبی ہونے کی حالت میں مسجد سے گزرنا میرے اور تمہارے علاوہ کسی کے لیے روا نہیں ہے۔'' سوال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بحالت جنابت دخول مسجد کی ممانعت سے مستثنیٰ کیوں رکھا گیا حالانکہ آپ بشریت سے خارج نہیں ہیں؟

﴿ج﴾

حالت جنابت میں استطراق مسجد کے امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض دیگر ائمہ سب کے لیے قائل ہیں ان کا استدلال آیت ﴿ یا ایها الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون ولا جنباً الا عابری سبیل حتیٰ تغتسلوا (الآیة) ﴾[2] (اے ایمان والو! نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت تک کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے۔ یہاں تک کہ غسل کرلو) سے ہے، یہ حضرات جمع بین الحقیقة والمجاز کے قائل ہیں۔بطور صنعت استخدام صلوٰۃ سے اول میں حقیقت نماز اور ثانی میں موضع صلوٰۃ یعنی مسجد مراد لیتے ہیں اور عابری سبیل سے استطراق یعنی حقیقی معنی مراد

---

۱) ترمذی مع العرف الشذی ابواب المناقب ج ۲ ص ۲۱۴۔

۲) سورۃ نساء آیت نمبر ۴۳۔

لیتے ہیں۔(۱)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو کہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز کے مانع ہیں صلوٰۃ کو ہر دو امور میں حقیقت پر حمل کرتے ہیں اور عبور سبیل کو سفر پر حمل کرتے ہیں اور حالت سفر میں بغیر غسل تیمّم سے نماز کی اجازت دیتے ہیں۔ اس لیے کہ عدم وجدانِ ماء سفر میں عذر ہے حضر میں نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیز حضر میں عموماً نہیں پائی جاتی۔(۲)

دوسری توجیہ حنفیہ کے یہاں عبور سبیل کی مخصوص اس حالت کے ساتھ ہے کہ کسی کو مسجد میں جنابت بالاحتلام عارض ہوگئی اس کو بالتیمم اور بعض ائمہ (غالباً امام بخاری بھی ان ہی میں سے ہیں) بغیر تیمّم اس آیت سے عبور سبیل اور خروج عن المسجد کی اجازت دیتے ہیں۔(۳)

---

۱) قال ابن رشد فی بدایۃ المجتھد: وقوم منعوا ذالک الالعابر فیہ لا مقیم ومنھم الشافعی (بدایۃ المجتھد ج۱ ص ۴۷ الباب الثالث فی احکام ھذین اعنی الجنابۃ والحیض: رشیدیہ۔ وقال وھبۃ الزحیلی یحرم علی الجنب قراءۃ القران ودخول المسجد: المطلب السادس ما یحرم علی الجنب وتحوہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۱ ص۳۸۳ بیروتہ الاعتکاف فی المسجد اجماعاً ودخول المسجد مطلقا ولو عبوراً او مجتازاً عند الحنیفۃ والمالکیہ: لما اخرجہ ابوداود وغیرہ عن عائشۃ، قالت: جاء رسول اللہ ﷺ وبیوت الصحابۃ شارعۃ فی المسجد فقال: وجھوا ھذہ البیوت عن المسجد، فانی لا أحل المسجد للحائض ولا للجنب ولحدیث أم سلمۃ قالت دخل رسول اللہ ﷺ صرحۃ المسجد، فنادیٰ بأعلی صوتہ! ان المسجد لا یحل لحائض ولا ولجنب والمراد لعابری سبیل فی الایۃ: المسافرون، فالمسافر مستثنیٰ من النھی عن الصلوٰۃ بلا أغتسال، وبینت الایٰۃ ان حکمہ التیمم، الفقہ الاسلامی ج۱ ص۳۸۵ ص بیروت۔

۲) قال فی البدائع: ولا یباح للجنب دخول المسجد وان احتاج الی ذالک یتیم ویدخل سواء کان الدخول لقصد المکث اوللا جتیاز عندنا وقال الشافعیؒ یباح لہ الدخول بدون التیم اذا کان مجتازاً واحتج بقولہ تعالی یا ایھا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری حتی تعلمو ما تقولون ولا جنباً الا عابری سبیل حتی تغتسلوا قیل المراد من الصلوٰۃ مکانھا وھو المسجد کذاروی عن ابن مسعودؓ وعابر سبیل ھوا المار یقال عبر ای مر نھی الجنب عن دخول المسجد بدون الاغتسال واستثنیٰ عابری السبیل وحکم المستثنیٰ یخالف حکم المستثنی منہ فیباح لہ الدخول بدون الاغتسال ولنا ماوری عن رسول اللہ ﷺ انہ قال سدوا الابواب فانی لا احلھا لجنب ولا لحائض والھاء کنایۃ عن المساجد نفی الحل من غیر فصل بین المجتاز وغیرہ، واما الآیہ فقد روی عن علی وابن عباس رضی اللّٰہ عنھما ان المراد ھو حقیقۃ الصلوۃ وان عابر السبیل وھو المسافر الجنب الذی لا یجد الماء فتیمم فکان ھذا اباحۃ الصلوٰۃ بالتیمم للجنب المسافر اذا لم یجد الماء وبہ نقول۔ وھذا التاویل اولی لان فیہ بقاء اسم الصلوٰۃ علی حالھا۔ (بدائع الصنائع، ج:۱، ص:۳۸)

۳) نقل العلامۃ الشامی: ولو اصابتہ جنابۃ فی المسجد قیل لا یباح لہ الخروج من المسجد من غیر تیمم اعتبارا بالدخول وقیل یباح۔ (شامی ۱/۳۴۵)

بہر حال جنب کے لیے استطراق مسجد مطلقاً ممنوع ہی نہیں تا کہ اشکال کیا جائے۔ جو احادیث ممانعت پر دال ہیں وہ صراحتہً یا بعض مراداً دخول کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں اور مسئولہ عنہا روایت استطراق پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے مخالفت اصل مذاہب نہ ہوگی اس صورت میں اوروں کو منع کرنا حقیقت میں فتح ابواب الی المساجد سے کنایہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا حجرہ نہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بلکہ جملہ ازواج کے حجرے سب کے دروازے مسجد ہی کی طرف تھے اور علاوہ نماز کے جملہ امور مسلمین مسجد میں انجام پاتے تھے۔ مجلس قضاء بھی یہیں ہوتی تھی۔ مجالس تعلیم و مشاورت بھی یہیں منعقد ہوتی تھیں اور دیگر امور متعلقہ بالامت یہاں ہی انجام پاتے تھے۔ اس لیے ہر وقت مسجد میں آمد و رفت کی ضرورت پڑتی تھی۔ اس لیے بخاری نے ابواب مسجد میں ان جملہ امور کے لیے ابواب منعقد کئے ہیں۔ بناء علیہ آپ ﷺ کے لیے ضروری تھا کہ مسجد ہی کی طرف دروازہ رکھیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بوقت مواخاۃ آپ ﷺ نے اپنا حلیف اور اخ (بھائی) بنایا، اور پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بعد از بدر نکاح کر دیا اور ان کی آمد و رفت اور دوسری ضروریات مقتضی تھیں کہ ان کا دروازہ بھی مسجد ہی کی طرف رکھا جائے۔ دوسرے لوگوں نے بھی اپنے اپنے دروازے مسجد کی طرف بنائے اس حدیث میں ان کو دروازے بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی علت فرمائی گئی ہے کہ دروازوں کا مسجد کی طرف رہنا مرور فی المسجد فی حالۃ الجنابۃ کو مستلزم ہے اور یہ درست نہیں ہے مگر چونکہ حسب قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات (۱) جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے ایسی ضرورتیں تھیں جس کی بناء پر اس کی اجازت دی جاسکتی ہے اس لیے اور دروازے بند کر دیئے جائیں صرف یہ دروازے کھلے رہیں۔ (۲)

اس کے بعد سب لوگوں نے اپنے اپنے دروازے دوسری طرف کھول لیے۔ مگر چونکہ نمازوں میں اور جماعات کے اوقات میں شرکت جماعت میں مشکلات حائل ہوئیں تو کھڑکیوں کی اجازت چاہی چنانچہ اس کی اجازت دیدی گئی کہ اس میں استطراق فی حالۃ الجنابۃ کی نوبت نہیں ہوسکتی تھی۔ پھر آخر میں ان خوخات (کھڑکیوں) کو بھی بند کرا دیا گیا اور صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خوخے کی اجازت دی گئی۔ جس سے ائمہ نے خلافت کی طرف اشارۃ استنباط کیا ہے۔

مساجد کی تعظیم اور ان کو امتہان سے بچانے کا حکم بھی تدریجاً ہوا ہے۔ چنانچہ یہ روایت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے حالت جنابت میں با تیمم مرور کی اجازت اور خاص خاص احوال میں اجازت۔ ائمہ نے مجموعہ احادیث

---

۱) شرح المجلہ ج۱ ص۵۵ المادہ ۲۱: م رشیدیہ
۲) قال الشامی: وفیہ: وقد علم ان دخولہ ﷺ المسجد جنبا ومکثہ فیہ من خواصہ وکذا ھو من خواص علی رضی اللہ عنہ کما ورد من طرق ثقات تدل علی ان الحدیث صحیح (شامی ۱/۳۴۵)

سے جو کہ آخری استقرار حکم پر دلالت کرتی ہیں استنباط کیا ہے۔ واللہ اعلم (مکتوبات ۱/۲۴۰۔۲۴۲)

شیعہ کے وضو کا بقیہ پانی

﴿س﴾

کسی شیعی مذہب رکھنے والے نے وضو کیا اور لوٹے میں اس کے وضو کرنے کے بعد پانی بچ رہا ہے تو وہ پانی طاہر ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

شیعوں کے متعلق پوری معلومات تو مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ کو ہیں ان سے دریافت کرنا چاہیے مگر میرے خیال میں ان کے وضو کا بقیہ پانی پاک ہے۔ (مکتوبات ۱/۲۷۸)

﴿س﴾

خاکسار کو تقریباً ۱۲ برس سے بواسیر خونی کا عارضہ ہے، چھوٹا استنجاء کر لینے یا پاخانے کے بعد ریاح کی کچھ دیر کے لیے کمی ہو جاتی ہے، اس طرح کسی صورت سے نماز ادا کرتا ہے۔ لیکن بعض وقت اس قدر ریاح کی کثرت رہتی ہے کہ ایک وضو سے ۴ رکعت پڑھنا غیر ممکن ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں تابعدار کیا کرے۔

﴿ج﴾

جب تک نماز کے پورے وقت میں اتنا وقت نہ مل سکے کہ وضو اور فرض کو بلا عذر نہ ادا کر سکیں، جب تک انسان معذور شرعی شمار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بار بار ہی وضو کرنا ہوگا۔ (۱)

البتہ ریاح کو صرف اسی وقت ناقض وضو شمار کیا جائے گا، جبکہ ظن غالب ہو جائے کہ ریح خارج ہوئی۔ (۲)
(مکتوبات ۳/۹۱)

---

۱) یہ حکم اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے، ولا فرق بين الكبير والصغير والمسلم والكافر ذكره صاحب مراقي الفلاح تحت حكم الاسار انه طاهر مطهر۔ مراقي الفلاح مع الطحطاوي ۱/۲۹ في احكام سؤر قديمي۔ سؤر الآدمي طاهر ويدخل في هذا الجنب والحائض والنفساء والكافر عالمگیری ۱/۲۳ م رشيديه۔ بعد الفصل الثاني فيما لا يجوزبه التوضوء وقال قاضيخان؛ سؤر طاهر لا كراهية فيه وهو سؤر الآدمي على اى صفة كان: فتاوى قاضيخان موضوع على هامش الهنديه ۱/۱۸ فصل في الآسار م رشيديه۔ وقال وهبة الزحيلي ۔ سؤر طاهر مطهر بلا كراهة وهو الذى شرب منه الآدمي ولا فرق بين ان يكون الآدمي صغيراً أو كبيراً مسلماً او كافراً۔ يدل طهارة سؤر الآدمي مطلقاً: مارواه أبو هريرة قال! يا رسول الله لقيت وانا جنب، فكرهت ان اجالسك، فقال صلى الله عليه وسلم! سبحان الله ان المؤمن لا ينجس وروى مسلم عن عائشة قالت: كنت أشرب وأنا حائض، فأنا وله النبي صلى الله عليه وسلم فيضع فاه على موضع في الفقه الاسلامي ج۱ ص۱۳۰ المطلب الاول في حكم الأسار:

۲) قال في البحر: فالحاصل ان صاحب العذر ابتداء من استوعب عذره تمام وقت صلوة: البحر الرائق ج۱ ص۳۷۷ باب الحيض: م رشيديه۔ ومثله في المراقي مع الطحطاوي ص۱۵۰ باب الحيض والنفاس والا ستحاضة۔ ومثله في الهندية ص۴۰ ج۱ بعد الفصل الرابع في احكام الحيض والنفاس والاستحاضة

ریاح نکلنے کا وہم ناقض وضو نہیں ہے

﴿س﴾

بعض وقت ایک عجیب قسم کی ریاح چلتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ پیٹ کے اندر سے چلی اور پھر پاخانہ کے مقام تک آکر واپس ہوتی ہے نہ ہوا خارج ہوتی ہے نہ آواز لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاخانہ کے مقام تک ریاح کا دورہ ہوگیا نماز ہوئی یا پھر سے وضو کر کے نماز پڑھے۔

﴿ج﴾

نماز ہوجائے گی وہم نہ کرنا چاہیے۔(۱)(مکتوبات ۳/۹۱)

ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھنا

﴿س﴾

ایک ناواقف آدمی نے حالت جنابت میں نمازیں پڑھ لیں، تو کیا اس کی ناواقفیت کو عذر قرار دے کر اس کی نمازیں صحیح کہی جائیں گی۔

﴿ج﴾

جو نمازیں ناواقفیت کی وجہ سے حالت جنابت (ناپاکی) میں پڑھی گئی ہیں وہ سب واجب الاعادہ ہیں (۲) ناواقفیت مسلمان کے لیے اس ملک اور اس زمانہ میں عذر نہیں ہے۔(۳)(مکتوبات ۴/۱۶)

---

۱) ولو ايقن بالطهارة وشك بالحدث اوبالعكس اخذ باليقين درمختار ۱/۳۰۱ مطلب في نَدْبِ مُرَاعَاةِ الْخِلَافِ اذا لم يُرْتَكَبْ مَكْرُوهُ مَذْهَبِهِ وفي الفقه الاسلامي: وقال الجمهور غير المالكية وهو الأولى لا ينقض الوضوء بالشك، فمن تيقن الطهارة وشك في الحدث، او تيقن الحدث وشك في الطهارة بنى على اليقين، وهو الطهارة في الأولى، والحدث في الثانية، لحديث عبدالله بن زيد قال شكي الي النبي صلى الله عليه وسلم الرجل يخيل اليه أنه يجد الشيء في الصلوٰة فقال لا ينصرف حتى يسمع صوتا او يجد ريحاً ولأنه اذا شك تعارض عنده الأمران، فيجب سقوطهما، كالبينتين اذا تعارضا تساقطتا ويرجع الى اليقين وبناء عليه قرر الفقهاء قاعدة عامة وهي: اليقين لايزول بالشك ج۱ ص۲۸۲ المطلب السابع۔ نواقض الوضوء بيروت

۲) قال النبي صلى الله عليه وسلم لا تقبل صلوٰة بغير طهور الخ

۳) فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔ الآيه۔

ناپاکی میں نماز پڑھانے کا وبال امام پر ہے

﴿س﴾

ناواقفیت کی وجہ سے امام نے ناپاکی کی حالت میں نمازیں پڑھادیں، یہ بھی صحیح معلوم نہیں کہ کن کن لوگوں نے اس کی اقتداء کی ہے تو اب وہ کیا کرے۔

﴿ج﴾

جونمازیں ناواقفیت کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں پڑھائی گئی ہیں وہ سب بھی واجب الاعادہ ہیں۔(۱) مقتدیوں کی نمازوں کا بار بھی امام ہی پر ہے اور اگر وہ معلوم نہیں ہیں تو امام کو اللہ تعالیٰ کے سامنے صدق دل سے دعا کرنی چاہیے ان مقتدیوں کا ذمہ بری ہے امام کو اپنے اور ان سب مقتدیوں کے لیے دعا کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا اور رونا چاہیے بجز توبہ واستغفار اور کوئی صورت نہیں۔(مکتوبات ۴/۱۶)

ناپاکی میں نماز پڑھانا سخت جرم ہے

﴿س﴾

حضرت والا! بندہ سے یہ قصور ہوگیا ہے کہ میں نے بدنامی کے خوف سے ناپاکی کی حالت ہی میں کچھ نمازیں پڑھادیں، مجھے کیا کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

میرے محترم! آپ نے ناپاکی کی حالت میں جونمازیں پڑھائیں اس میں آپ نہایت سخت جرم کے مرتکب ہوئے ہیں (۲)۔ یہ اللہ تعالیٰ پر (جو کہ پوشیدہ اور ظاہر سب پر مطلع ہے اور ہر وقت ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے) انتہائی جرأت ہے۔ آپ کو ہرگز ہرگز ایسا جان بوجھ کر نہیں کرنا چاہیے تھا، اللہ تعالیٰ کے سامنے تنہائی میں روئیے اور پشیمانی ظاہر کر کے معافی طلب کیجئے اور آئندہ کبھی بھی ایسا نہ کیجئے چاہے کتنی بھی بے شرمی محسوس ہوتی

---

۱) وان لم يكن كذلك واحتمل انه قال على وجه التورع والاحتياط اعادوا صلوتهم۔ (عالمگیری ۸۷/۱)

۲) قصداً بے وضو نماز پڑھنا اگرچہ ظاہر الروایۃ میں موجب کفر نہیں ہے لیکن حنفیہ کی ایک نادر الروایۃ یہ ہے کہ ایسا شخص کافر ہو جاتا ہے۔ اس سے اس عمل کی شناعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وان الاكفار رواية النوادر وفي ظاهر الرواية لايكون كفراً (شامی ۱۹۱/۱ فی اول کتاب الطهارة)

ہو، اثنائے نماز میں اگر ناپاکی کا علم ہو جائے یا وضو ٹوٹ جائے تو فوراً نماز توڑ دیجئے، اور مقتدیوں سے کہہ دیجئے کہ میری نماز ٹوٹ گئی تم نماز پڑھ لو، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے سامنے ہیچ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھ کر مایوس نہ ہوئیے مگر اس قہار و جبار عالم الغیب والشہادت کی پکڑ اور اس کے غیظ و غضب سے کبھی مطمئن نہ ہوئیے فلا یأمن مکر الله الا القوم الخسرون (خدا کی خفیہ تدبیروں اور گرفتوں سے سوائے خاسر لوگوں کے کوئی مطمئن نہیں ہوتا)۔ (مکتوبات ۴/۱۹۔۲۰)

نماز کب فرض ہوتی ہے

﴿س﴾

آدمی پر نماز کب فرض ہوتی ہے۔

﴿ج﴾

لڑکی اور لڑکے پر نماز بلوغ سے واجب ہوتی ہے بلوغ کی پہچان احتلام ہونا ہے یا بیوی کو حاملہ کر دینا۔ اور اگر یہ دونوں چیزیں نہ معلوم ہوں تو پندرہ برس کی عمر کا اعتبار ہوگا اور عورت میں بلوغ کی علامت حیض کا آنا یا احتلام کا ہونا یا حاملہ ہو جانا ہے اور اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پندرہ برس پورے ہو جانے کافی ہوں گے، اسی وقت سے تمام احکام شرعیہ لڑکی اور لڑکے پر واجب ہو جاتے ہیں۔ (۱) (مکتوبات ۴/۲۲)

نماز میں ستر عورت

﴿س﴾

نماز میں عورت کو اپنا کتنا حصہ بدن چھپانا ضروری ہے۔

﴿ج﴾

نماز میں عورت کو اپنے تمام جسم کا چھپانا فرض ہے بجز چہرہ، دونوں ہتھیلیوں اور دونوں قدموں کے۔ (۲)

(مکتوبات ۴/۸۶)

---

۱) بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل فان لم يوجد فيهما فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة يفتى (تنوير الابصار مع الدر المختار ۶/۱۵۳)

۲) وبدن الحرة عورة الا وجهها و كفيها وقدميها (كنز الدقائق مع البحر ۱/۲۶۹ عالمگیری ۱/۵۸)

نماز میں اگر کوئی عضو کھلا رہ گیا؟

(س)

نماز کے دوران اگر عورت کا کوئی عضو کھل گیا تو نماز کب فاسد ہوگی۔

(ج)

اگر نماز میں کسی عضو کا چوتھائی حصہ اتنی دیر کھلا رہے گا جتنی دیر میں وہ کوئی فریضہ نماز ادا کرتی تو نماز باطل ہو جائے گی حتیٰ کہ اگر سر کے بالوں کا چوتھائی حصہ یا گردن یا پانہہ کا چوتھائی حصہ کھل جائے گا تو نماز باطل ہو جائے گی، خواہ یہ کھلنا گھر میں ہو یا باہر، اندھیرے میں ہو یا روشنی میں، کوئی دیکھے یا نہ دیکھے۔ (۱)

(مکتوبات ۴/۸۶)

کون سی عورتیں اقتداء کرسکتی ہیں

(س)

اگر عورتیں مرد کی اقتداء میں نماز پڑھنی چاہیں، تو کیا ان میں رشتہ داری کی ضرورت ہے یا ہر عورت اقتداء کرسکتی ہے۔

(ج)

اقتداء ہر عورت، خواہ اجنبی ہو یا رشتہ دار، ذی رحم محرم ہو یا جائز النکاح کرسکتی ہے اور نماز ہر دو کی صحیح ہوگی، ہاں اس کو امام کے پیچھے کھڑا ہونا ہوگا، یعنی اگر ایک ہی مقتدی ہے تو مردوں کی طرح امام کے داہنے نہیں کھڑی ہوسکتی اگرچہ اپنی ماں ہی ہو۔ (۲) (مکتوبات ۴/۸۵)

اول وقت نماز پڑھنا

(س)

نمازیں اول وقت پڑھنی چاہئیں یا اس میں تاخیر بھی ہوسکتی ہے۔ احادیث سے کیا معلوم ہوتا ہے۔

---

۱) ویمنع حتی انعقادها کشف ربع عضو قدر اداء رکن بلا صنعه من عورة غليظة او خفيفة على المعتمد (درمختار ۲/۱۰۰)

۲) اما الواحدة فتتاخر (درمختار ۲/۳۶۸)

﴿ج﴾

اول وقت پر نماز بیشک بہتر ہے مگر جن روایات میں اول وقت کا ارشاد ہے ان میں اول وقت جواز مراد ہے یا اول وقت استحباب۔ برتقدیر شق اول بہت سی روایات صحیحہ کا ترک لازم آتا ہے اور تقدیر شق ثانی پر جمع بین الروایات ہو جاتا ہے۔

وهو الاوفق لظاهر الرواية عن ابی حنيفة[1] (مکتوبات ۱/ ۴۱۱)

توبہ کے بعد بھی قضا ضروری ہے

﴿س﴾

راقم الحروف (مرتب مکتوبات مولانا نجم الدین اصلاحی رحمہ اللہ) نے حضرت امام العصر رحمہ اللہ سے قضاء عمری کے متعلق یہ شبہ پیش کیا تھا کہ جب توبہ کر کے کوئی نماز کا پابند ہو گیا اور اب قضا نہیں ہوئی تو پھر توبہ نے ماقبل کو بھی ذمہ سے ساقط کر دیا اب پھر قضاء عمری کی کیا ضرورت ہے۔

﴿ج﴾

نمازوں کے قضا ہونے کی وجہ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک وہ گناہ جو عدول حکمی کی بناء پر ہوتا ہے دوسری چیز اشتغال ذمہ جو کہ وجوب نماز اور وقت کی بناء پر ہوا تھا، توبہ اور اس کی قبولیت کی بناء پر وہ گناہ جو عدول حکمی اور احترام وقت کے ٹھکرانے سے ہوا ہے زائل ہو جائے گا، مگر امر ثانی یعنی فراغت ذمہ تو جب ہی ہوگی جبکہ مَاوَجَبَ کو اداء کر دیا جائے اس لیے قضاء ضروری ہے[2] دنیاوی دیون ناس پر خیال فرمایئے۔

(مکتوبات ۱/ ۴۱۴)

---

۱) قال ابن عابدين رحمه الله ذكر شراح الهداية وغيرهم فى باب التيمم ان اداء الصلوة فى اول الوقت افضل الا اذا تضمن التاخير فضيلة لا تحصل بدونه كتكثير الجماعة (ردالمحتار هامش الدر المختار ص ۲۶۲ جلد ۱ باب التيمم - مطلب فى الفرق بين الظن وغلبة الظن)۔

۲) قال فى الدر المختار: اذا التاخير بلا عذر كبيرة لا تزول بالقضاء بل بالتوبة او الحج الخ وفى الشامى قوله بل بالتوبة اى بعد القضاء اما بدونه فالتاخير باق فلم تصح التوبة منه (الدر المختار مع شرحه ردالمحتار ص ۶۳۶ جلد ۲ كتاب الصلوة على صدر باب قضاء الفوائت)۔

رفع یدین کا ثبوت ہے یانہیں

﴿س﴾

مشکوٰۃ اور مسلم میں ہے اور یہ مشکوٰۃ کے حاشیہ سے لیا گیا ہے۔

(۱) عن جابر بن سمرۃ رضی اللّٰہ عنه قال خرج علینا رسول اللّٰہ ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذ ناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ[۱]

(۲) قال سمعت عن جابر بن سمرۃ رضی اللّٰہ عنه یقول کنا صلینا خلف النبی ﷺ قلنا السلام علیکم السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته واشار بیدہ الجانبین فقال رسول الله ﷺ علام تومون بایدکم کانم اذ ناب خیل شمس انما یکفی احدکم ان یضع یدہ علی فخذہ ثم یسلم علی اخیه عن یمینه وعن شماله [۲] یہ حدیث (یعنی حدیث نمبر۱) تمیم بن طرف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (فی روایة [۳] المسلم قال صلیت مع رسول الله ﷺ فکنا اذا سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم السلام علیکم فینظر الینا رسول الله ﷺ فقال ما شانکم تشیرون بایدیکم) یہ حدیث نمبر۲ عبداللہ بن قبطیہ سے ہے یہ دونوں حدیثیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں حالانکہ یہ دونوں حدیثیں ایک نہیں ہیں اس حدیث (یعنی حدیث نمبر۱) میں رفع یدین کی ممانعت ہے اور اس حدیث (یعنی حدیث۲) میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے کی ممانعت ہے۔ اس حدیث (یعنی نمبر۱) میں خرج علینا رسول الله ﷺ ہے یعنی نکلے ہم پر رسول اللہ ﷺ حضور ﷺ نماز میں شامل نہیں تھے اور حدیث (نمبر۲) میں کنا صلینا مع رسول الله ﷺ ہے یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے واشار بیدہ الی الجانبین یعنی اشارہ کیا سلام پھیرتے وقت دونوں ہاتھوں سے۔ پس عرض یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہیں یا علیحدہ علیحدہ اور رافعی ایدیکم سے رفع یدین عند الرکوع وغیرہ مراد ہے؟ اور کیا تکبیر تحریمہ میں بھی رفع یدین کرنے کی ممانعت اس سے ثابت ہوتی ہے؟ اور اسکنوا فی الصلوٰۃ علیحدہ چیز ہے یا اشار بیدیه الی الجانبین کا مقصد ایک ہے کیوں کہ پہلی حدیث میں رفع یدین کی ممانعت ہے اور دوسری حدیث میں سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے کی ممانعت ہے پس اس کا جواب مدلل تشفی بخش تحریر فرما کر ارسال فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

---

[۱] مشکوۃ ص۷۵ باب صفة الصلوۃ الفصل الاول حاشیه نمبر ۷ م قدیمی مسلم شریف ج۱،ص۱۸۱ باب الامر بالسکون فی الصلوۃ م قدیمی۔

[۲] مسلم شریف ج۱، ص۱۸۱ باب الامر بالسکون فی الصلوۃ، م قدیمی

[۳] مسلم شریف ج۱، ص۱۸۱ باب الامر بالسکون فی الصلوۃ م۔ قدیمی

﴿ج﴾

(۱)عن تميم بن طرفة عن جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه قال خرج علينا رسول الله ﷺ ونحن رافعو ايدينا في الصلوٰة فقال ما بالهم رافعين ايديهم في الصلوٰة كانها اذناب الخيل الشمس اسكنوا في الصلوٰة (۱)

ترجمہ: تمیم بن طرفہ جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نکل کر ہمارے پاس جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اس حال میں جبکہ ہم نماز میں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے تو فرمایا کہ ان کو کیا ہوا کہ نماز میں ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں جیسے کہ چمکنے والے گھوڑوں کی دمیں ہوتی ہیں نماز میں سکون اختیار کرو۔

(۲)عن تميم الطائي عن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال دخل علينا رسول الله ﷺ والناس رافعو ايديهم قال زهير اراه قال في الصلوٰة فقال مالي اراكم رافعي ايديكم كانها اذ ناب خيل شمس اسكنوا في الصلوٰة الحديث۔ (۲)

ترجمہ: تمیم طائی جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس جناب رسول اللہ ﷺ ایسی حالت میں داخل ہوئے کہ لوگ ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے یعنی نماز میں تو فرمایا کہ مجھ کو کیا ہوا کہ میں تم کو دیکھتا ہوں ہاتھ اٹھائے ہوئے ایسی طرح کہ گویا وہ چمکنے والے گھوڑوں کی دُمیں ہیں نماز میں سکون کرو۔

(۳)عن عبيد الله بن القبطية عن جابر بن سمرة رضي الله تعالىٰ عنه قال كنا نصلي خلف النبي ﷺ فنسلم بايدينا فقال ما بال هولاء يسلمون بايديهم كانها اذ ناب خيل شمس اما يكفي احدهم ان يضع يده على فخذه ثم يقول السلام عليكم السلام عليكم۔(۳)

ترجمہ: عبیداللہ بن قبطیہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے سلام کیا کرتے تھے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو کیا ہوگیا کہ اپنے ہاتھوں سے اسی طرح سلام کرتے ہیں کہ گویا وہ چمکنے والے گھوڑوں کی دُمیں ہیں کیا ان کو یہ کافی نہیں ہے کہ اپنی رانوں پر ہاتھ رکھیں پھر کہیں کہ السلام علیکم السلام علیکم۔

---

۱) نسائی شریف جلد ص۱۷۶: کتاب السهو باب اتلام بالايدى فى الصلوٰة م قديمى

۲) ابوداؤد جلد ص۱۵۰ باب فى السلام : م امداديه ملتان

۳) سنن نسائی جلد ص۱۷۶: کتاب السهو باب السلام بالايدى فى الصلوٰة۔ م قديمى

(۴)عن عبید الله بن قبطیه عن جابر سمرة رضی الله عنه قال کنا اذا صلینا خلف رسول الله ﷺ احدنا اشار بیده من عن یمینه ومن عن یساره فلما صلی قال مابال احد کم یومی بیده کانها اذناب خیل شمس انما یکفی احد کم ان یقول هٰکذا واشار باصبعه یسلم علی اخیه من عن یمینه ومن عن شماله (۱)

ترجمہ: عبید اللہ بن قبطیہ جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم جناب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو جب ہم میں سے کوئی سلام پھیرتا تھا تو اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتا تھا داہنے والوں اور بائیں والوں کی طرف تو جب جناب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کو کیا ہوا کہ وہ اس طرح اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتا ہے جس طرح چمکنے والے گھوڑوں کی دم ہوتی ہے کیا ہر ایک کو کافی نہیں کہ اس طرح کرے اور اپنی انگلی سے اشارہ کیا۔ الخ

(۵) عن عبید الله بن القبطیه عن جابر بن سمرة رضی الله عنه قال کنا اذا صلینا مع رسول الله ﷺ قلنا السلام علیکم ورحمة الله السلام علیکم ورحمة الله واشار بیده الی الجانبین فقال رسول الله ﷺ علام تومون بایدیکم کانها اذ ناب خیل شمس انما یکفی احد کم ان یضع یده علی فخذه ثم یسلم علی اخیه من علی یمینه وشماله (۲)

ترجمہ: عبید اللہ بن قبطیہ جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم جب جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو کہتے تھے السلام علیکم ورحمۃ اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور اشارہ اپنے ہاتھوں سے دونوں جانبوں پر کرتے تھے تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم کیوں اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کرتے ہو کہ گویا وہ دمیں چمکنے والے گھوڑوں کی ہیں کیا تم میں سے کسی کو یہ کافی نہیں ہے کہ وہ اپنی ران پر ہاتھ رکھے پھر اپنے بھائی کے لیے سلام داہنی طرف اور بائیں طرف پھیرے۔

(۶)عن عبید الله عن جابر بن سمرة رضی الله عنه قال صلیت (صلینا) مع رسول الله ﷺ فکنا اذا سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم السلام علیکم فنظر الینا رسول الله ﷺ فقال ما شانکم تشیرون بایدیکم کانها اذ ناب خیل شمس اذا سلم احد فلیلتفت الی صاحبه ولا یومی بیده (۳)

---

۱) ابوداؤد ج۱ ص۱۵۰ عن عبید الله ابن القبطیة عن جابر بن سمرة الخ باب فی السلام :م امدادیه ملتان

۲) مسلم شریف ج۱ ص۱۸۱ باب الامر بالسکن فی الصلوة م قدیمی

۳) مسلم شریف ج۱ ص۱۸۱ باب الامر بالسکون فی الصلوة م قدیمی

ترجمہ: عبید اللہ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے (ہم نے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو ہماری عادت تھی کہ جب ہم سلام پھیرتے تھے تو اپنے ہاتھوں سے کہتے تھے السلام علیکم السلام علیکم تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا کہ تمہاری کیا شان ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کرتے ہو کہ گویا وہ چمکنے والے گھوڑوں کی دُمیں ہیں جب تم میں سے کوئی سلام پھیرا کرے تو اپنے ساتھی کی طرف التفات کیا کرے اور اپنے ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد تمیم بن طرفہ طائی اور عبید اللہ قبطیہ اس حدیث کو اپنے استاد حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ صحاح میں یہ روایت مسلم ابوداؤد، نسائی میں موجود ہے ہم نے تینوں کے الفاظ نقل کر دیئے ہیں تا کہ صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ کیوں کہ روایات کے طرق متعددہ کے الفاظ روایات کی توضیح کرتے ہیں اس لیے مندرجہ ذیل امور غور طلب ہیں (اول) یہ کہ آیا ہر دو روایتیں ایک ہی واقعہ کی حکایت کرتی ہیں یا واقعات مختلفہ پر روشنی ڈالتی ہیں؟ جب ہم دیکھتے ہیں کہ تمیم کی روایت کے تمام طرق کے الفاظ اور کلمات کے مدلولات عبید اللہ کے الفاظ اور کلمات کے مدلولات سے مختلف ہیں تو یقین ہوتا ہے کہ ہر دو کے واقعات علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(الف) تمیم کی روایت کے تمام طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے اور عبید اللہ کی روایت کے طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز میں شریک تھے۔

(ب) تمیم کی روایت کے تمام طرق بتلاتے ہیں کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی اپنی نمازیں پڑھ رہے تھے اور سب منفرد تھے اور عبید اللہ کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ نماز باجماعت تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور صحابہ کرام آپ کے مقتدی تھے۔

(ج) تمیم کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو صحابہ کرام نماز میں رفع یدین کر رہے تھے اور عبید اللہ کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ صحابہ کرام نماز سے فراغت پر سلام کرتے ہوئے ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے کسی میں رفع یدین کا تذکرہ نہیں ہے۔

(د) تمیم کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں رفع یدین کرنے پر انکار فرمایا اور عبید اللہ کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرتے ہوئے ہاتھوں سے اشارہ کرنے اور اس کے اٹھانے (رفع) پر انکار فرمایا۔

(ہ) تمیم کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سکون کا حکم فرمایا اور عبید اللہ کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرتے ہوئے ہاتھوں کو رانوں پر رکھنے اور

انگلیوں سے اشارہ کرنے اور عدم التفات الی الاخوان کا حکم فرمایا۔

(و) تمیم کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا انکار رفع یدین پر اس وقت ہوا جب کہ صحابہ کرام نماز میں تھے اور رفع یدین کر رہے تھے اور عبید اللہ کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا منع فرمانا سلام پھیرنے اور نماز ختم کرنے کے بعد ہوا۔

(ز) تمیم کی روایت کے طرق بتلاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان کو نوافل اور سنن اور منفرد نماز میں ہدایت فرمائی اور عبید اللہ کی روایت کے طرق دلالت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کو فریضہ اور باجماعت نماز کے متعلق ارشاد فرمایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وجوہ مذکورہ بالا سے دونوں روایتوں کا تغایر معلوم ہوتا ہے۔ پھر ان کو ایک ہی واقعہ بتلانا کس قدر ظلم صریح ہے جن حضرات نے اس کا ارتکاب کیا ہے انہوں نے سیاق وسباق سے بے توجہی فرما کر اپنے مذہبی تعصب کی بناء پر ایسے ظلم کو اختیار فرمایا ہے۔ راوی صحابی یعنی حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کا ایک ہونا واقعہ کی وحدت کا مقتضی نہیں ہے ایک ہی راوی مختلف امور کو نقل کرتا ہے اور احوال مختلفہ کو اوقات مختلفہ میں مشاہدہ کر کے ہر حال کو ذکر کرتا ہے۔ سیاق وسباق پر غور کرنا اور ہر ایک کو اپنے اپنے مقام پر رکھنا فقیہ کا فریضہ ہے۔ بہر حال تمیم بن طرفۃ کی روایت نص صریح ہے جو کہ نماز میں مطلقاً رفع یدین سے منع کرتی ہے خواہ بوقت رکوع ہو یا بوقت سجود ہو اور خواہ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے ہو یا سجدہ سے سر اٹھاتے وقت ہو اور خواہ عند القیام الی الثانیہ ہو یا عند القیام الی الثالثہ والرابعہ ہو یہ سب ممنوع ہے۔

(۲) دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اسکنوا فی الصلوٰۃ عام اور مطلق ہے کسی وضع اور حالت سے مقید نہیں کیا گیا ہے اور چوں کہ اصول کا متفق علیہ مسئلہ ہے العبرۃ لعموم اللفظ لا بخصوص المورد اس لیے اگر فرض کر لیا بھی جائے کہ یہ ارشاد رفع یدین عند السلام کے لیے واقع ہوا ہے تب بھی لازم ہے کہ الفاظ کو اپنے عموم پر ہی محمول کیا جائے اور نماز کے ہر حصہ میں رفع یدین کو ممنوع اور سکون کو واجب قرار دیا جائے یہاں پر یہ شبہ کہ اگر ایسا ہوتا تو رفع عند التکبیر التحریمہ (یعنی ابتداء نماز میں) بھی ممنوع ہوتا حالانکہ وہ بالاتفاق مطلوب اور مشروع ہے بالکل بے موقع ہے اور غلط ہے کیوں کہ تکبیر تحریمہ نماز سے خارج اور شرط ہے۔ شطر صلوٰۃ نہیں ہے۔ اس پر لفظ فی الصلوٰۃ صادق نہیں آتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وذکر اسم ربہ فصلی (۱)۔ آیت مذکورہ میں فصلی کو ذکر اسم ربہ پر عطف کیا گیا ہے تو اگر تکبیر تحریمہ نماز کے اجزاء میں سے ہوتا تو کل کا عطف علی الجزء لازم آتا جو کہ جائز نہیں ہے نیز یہ عطف حرف فاء سے کیا گیا ہے جو

---

۱) سورۃ الاعلیٰ آیت :۱۵

کہ تعقیب پر دلالت کرتا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ نماز تکبیر تحریمہ کے بعد متحقق ہوتی ہے جو کہ مرتبہ شروط متصلہ کا ہے۔ اجزاء اور شطر نہیں ہے اس لیے تکبیر تحریمہ کو رکن نماز اور جزء نماز قرار دینا جیسا کہ شوافع اور موالک نے کیا ہے غلط ہے۔ (۱) الغرض یہ شبہ اس روایت تمیم پر بالکل وارد نہیں ہوتا نیز تکبیرات عیدین پر بھی وارد نہیں ہوتا کیوں کہ:

(الف) رفع یدین فی تکبیرات العیدین متفق علیہ نہیں ہے امام مالک اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس کے مخالف ہیں۔

(ب) نماز عیدین دائمی نمازوں میں سے نہیں ہے اس لیے وہ ان قواعد کلیہ سے خارج ہیں جیسے صلوٰۃ النهار عجماء سے خارج ہے۔

(ج) تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کرنے کی اور اس کے ممانعت کی کوئی روایت موجود نہیں بخلاف رفع یدین عندالرکوع ورفع الرأس منہ وعندالسجود ورفع الرأس منہ وغیرہ کے کہ اس میں روایات متعددہ موجود ہیں۔ بہرحال تمیم بن طرفہ کی روایت صحیح اور تمام شبہات سے خالی اور قابل اعتماد ہے۔

(۳) تیسرا امر قابل غور یہ ہے کہ جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں رفع یدین سلام کے وقت مشروع اور جاری تھا نیز ہر انتقال پر بھی مشروع تھا جیسا کہ ابن عباس اور عمیر بن حبیب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ عند کل تکبیرۃ (۲) اور مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے اور اس سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین ہوتا تھا (۳) ابن عمر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم رفع یدین عندالقیام الی الثانیہ اور الی الثالثہ اور رکوع کرنے کے اور اس سے سر اٹھانے کے وقت ذکر فرماتے ہیں (متفق علیہ) یہ حالتیں یقیناً ابتدائی ہیں۔ مگر بعد کو رفع یدین سلام کے وقت منسوخ کر دیا گیا (دیکھو روایت عبداللہ بن القبطیہ) اور رفع یدین عندالسجود اور سجدہ سے سر اٹھانے کے وقت بھی منسوخ کر دیا گیا دیکھو روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسی طرح رفع یدین عندالقیام الی الثانیہ والی الثالثہ کو بھی امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ منسوخ تسلیم کرتے ہیں اور ان روایتوں کو پیش فرماتے ہیں جس میں اس کی نفی ہے اگرچہ امام نووی رحمہ اللہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اسی طرح رفع یدین عندالرکوع اور اس سے سر اٹھانے کے وقت میں ابن مسعود، براء ابن عازب تمیم بن طرفۃ عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہم وغیرہ منسوخ قرار دیتے ہیں جس میں نزاع ہو رہا

---

۱) کتاب الفقه علی مذاهب الاربعه، تکبیرات الصلاۃ المسنونه، بیروت (دار الغد الجدید)
۲) رواہ ابن ماجة ص ۶۲ باب رفع الیدین اذا رکع رأسه من الرکوع: م قدیمی
۳) نسائی شریف ص ۱۶۵: باب رفع الیدین: م قدیمی

ہے۔اب قابل غور یہ امر ہے کہ جب کہ ثابت ہے کہ پہلے ہر تکبیر و سلام کے وقت رفع یدین تھا اور پھر اس کو منسوخ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نماز کو تدریجاً حرکت سے سکون کی طرف لایا گیا۔جس میں ایک درجہ تک نسخ کو سب تسلیم کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ یہ ہی طریقہ رفع یدین عندالرکوع و عند رفع الرأس منہ بھی تسلیم کیا جائے اور تمیم کی روایت کو حقیقی معنوں میں معمول بہ قرار دیا جائے اور ابن مسعود اور براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایتوں کو اسی کی مؤید قرار دیا جائے اور علاوہ تکبیر تحریمہ ہر جگہ رفع یدین کو سکون فی الصلوٰۃ کا مورد قرار دیا جائے۔تکبیر تحریمہ کا رفع یدین تو سکون فی الصلوٰۃ کے ماتحت ہے ہی نہیں کما ذکرناہ سابقاً۔واللہ اعلم

(مخطوطات مبارکہ ص۱۲۹ تا ۱۳۴)

نماز کی قبولیت وصحت کا مدار

﴿س﴾

نماز کی قبولیت اور صحت کا مدار کس چیز پر ہے۔

﴿ج﴾

قبولیت نماز اور چیز ہے اور صحت نماز اور چیز ہے، صحت نماز موقوف ہے نماز کے شرائط، فرائض اور واجبات کے ادا کرنے پر، موانع صحت مثل نجاست ظاہری حدث وغیرہ کے دور کر دینے پر، اس صورت میں (شرائط وغیرہ کا خیال رکھنے کی شکل میں) نماز صحیح ہو جائے گی اور شریعت کا مطالبہ ادائے فریضہ کا ساقط ہو جائے گا۔

اور قبولیت نماز خداوند کریم کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ممکن ہے نماز بالکل صحیح اور مکمل ادا کی جائے اور اس بے نیاز مالک الملک کی بارگاہ عالی میں قبولیت کا شرف نہ حاصل ہو۔اور ممکن ہے کہ وہ اکرم الاکرمین کسی ناقص سے ناقص نماز کو اپنی بارگاہ میں ہزاروں اور کروڑوں مکمل نمازوں سے بڑھا دے، مگر حسب حکمت و رحمت عادت خداوندی یہی ہے کہ اگر بندہ نے اپنی سکت بھر تمام شروط و ارکان وغیرہ کی رعایت کی ہو، اور جان بوجھ کر کوئی خلل نہ ڈالا ہو تو اس کو ضرور قبول فرماتا ہے (ان اللہ لایظلم الناس شیئاً ولکن الناس انفسھم یظلمون(۱)) ''اللہ تعالیٰ ذرا بھی آدمیوں پر ظلم روا نہیں رکھتا، لیکن آدمی خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔''

صحت نماز کے لیے حضور قلب کا صرف ادنیٰ درجہ شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ کم از کم کسی رکن میں خیال ہو کہ میں نماز ادا کر رہا ہوں، اور اپنے آقا مالک الملک، احکم الحاکمین کی اطاعت بجا لا رہا ہوں۔اس سے زیادہ حضور

۱) سورہ یوسف آیت ۴۴۔

قلب کمالِ نماز اور اس کے احسان اور اچھے کرنے کی شرط ہیں، نماز میں خطرات اور وساوس اور احادیث نفس کا آنا مفسد نماز نہیں ہے البتہ اس میں نقصان پیدا کرتے ہیں خصوصاً جبکہ اختیار و ارادہ سے ہوں (۱) ایسے احادیث نفس اور خیالات زیادہ نقصان پیدا کرتے ہیں، خلاصہ یہ کہ ایسی نمازیں جو شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہوئیں ان کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ (مکتوبات ۴/۱۷)

نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں

﴿س﴾

کبھی ذہن میں خیال آتا ہے کہ ہماری نمازیں قبولیت کے لائق نہیں۔ اس لیے پڑھنے سے کیا فائدہ؟

﴿ج﴾

جو نمازیں قضا ہیں ان کو پڑھ لینا چاہیے اور صحت نماز کے شرائط کو جہاں تک ممکن ہو محفوظ رکھتے ہوئے ادا کر لینا چاہیے۔ قابلیت قبول کی امید پر مؤخر کرنا ہرگز ہرگز نہ چاہیے اور جبکہ آپ نے صحت کے شرائط کی پابندی کر لی تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہی امید رکھنی چاہیے کہ وہ قبول ہوگئی ہے ناامید ہونا جائز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ جہاں تک مجھ میں طاقت تھی میں نے تابعداری کی، پروردگار اس چیز میں میری گرفت نہ فرما جو کہ میری طاقت سے باہر ہو۔ (مکتوبات ۴/۱۸)

قراءت فاتحہ خلف الامام

﴿س﴾

ایک اشکال مجھ کو اس حدیث میں ہے جو کہ (۲) ترمذی، ابوداؤد (۳) دونوں میں ہے۔ ھل قرأ منکم معی أحد قالوا نعم قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بھا۔ اس کا جناب والا نے ایک مطلب یہ بھی بتلایا تھا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ کوئی نماز ایسی نہیں ہوتی کہ اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ کثیرۃ الدوران ہونے کی وجہ سے اس کے پڑھنے میں ثقل ہوگا اور اس پر دلیل نفی و

---

۱) قال العلاء بن عابدین نقل العلامۃ الشامی عن القھستانی: یجب حضور القلب عند التحریمۃ فلو اشتغل قلبہ بتفکر مسئلۃ مثلا فی اثناء الارکان فلا تستحب الاعارۃ وقال البقالی لم ینقص اجرہ الا اذا قصر (ردالمختار علی الدر المختار جلد ۲/۱۱۶ مطلب فی حضور القلب والخشوع۔ م رشیدیہ)

۲) باب ماجاء فی القرأۃ خلف الامام: ص۶۹، ج۱: ترمذی شریف

۳) ص۱۲۶، ج۱: باب من ترک القراۃ فی صلاتہ: ابوداؤد شریف

استثناء کی بیان فرمائی تھی اب اشکال یہ ہے کہ جب مختصر حدیث جو تمام صحاح کی کتابوں میں ہے اور یہ مطول حدیث متحد ہیں ابن حجر بھی متحد مانتے ہیں اب بر تقدیر اتحاد۔ مختصر حدیث میں مسلم (۱) ابوداؤد وغیرہ میں معمر اور سفیان نے جو زیادتی فصاعداً کی زیادہ کی ہے اور صحیح ہے اس زیادتی کو اس مطول حدیث کے ساتھ اگر ملایا جائے تو عبارت اس طرح ہوگی۔ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم ھذا یا رسول اللہ ﷺ قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرٔبھا (فصاعداً) اس تقدیر پر مذکورہ بالا معنی حدیث کے سمجھ میں نہیں آتے۔

﴿ج﴾

اس حدیث کے متعلق یہی تو اشکال ہے کہ اس کا سیاق سباق کے مخالف ہے یعنی جملہ اولی تو دلالت کرتا ہے کہ مازاد علی الفاتحہ کو امام کے پیچھے جہریہ میں مت پڑھا کرو اور جملہ اخیرہ دلالت کرتا ہے کہ ہر نماز میں مازاد اور فاتحہ دونوں ضروری ہیں بغیر ان دونوں کے نماز ہوتی ہی نہیں اس لیے یہ حدیث اپنے متعارض مفہوم کی وجہ سے قابل استدلال ہی نہیں ہے۔ مگر یہ اشکال اس معنی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو کہ محدثین اور شوافع وغیرہ اس حدیث کے لیتے ہیں کہ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کو انشاء اور حکم قرار دیتے ہیں اور مختصر کرنے کی وجہ سے یہی متبادر ہوتا ہے جو کہ لفظ فانہ کے حذف کی وجہ سے اور قوی ہو گیا ہے اور اگر اس جملہ کو خبر قرار دیں جو کہ مدلول مطابقی اسی جملہ کا ہے اور لفظ فانہ اس پر شاہد قوی ہے جس سے علت حکم سابق کی بتلانا منظور ہے تو معنی بالکل صحیح ہو جاتے ہیں اور حدیث مذکور کے اول و آخر کا تعارض جاتا رہتا ہے یعنی امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت منازعت فی القرأۃ کی وجہ سے ہے اور وہ ام القرآن میں نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ ہر نماز میں خواہ سری و جہری منفرداً ہو جماعت خواہ رکعت اولیٰ ہو ثانیہ اور ثالثہ و رابعہ، نافلہ ہو یا فریضہ، سب میں پڑھی جاتی ہے تو کثیر الدوران ہوئی بخلاف مازاد کے کہ وہ کثیر الدوران نہیں ہے رکعات اخیرہ ثالثہ رابعہ میں پڑھا ہی نہیں جاتا اور جن رکعتوں میں پڑھا بھی جاتا ہے وہ ایک نہیں ہے اس لیے وہ کثیر الدوران نہیں ہے کبھی کوئی سورت اور کبھی کوئی سورت دوسری ہے کبھی کوئی آیت کبھی دوسری آیت اس لیے مازاد کو بھول جانا ضروری ہوگا بخلاف فاتحہ کہ اس میں کثیرۃ الدوران ہونے کی بناء پر مخالجت اور نسیان نہ ہوگا اس لیے مازاد امام کے پیچھے مت پڑھو البتہ فاتحہ کی اجازت ہے پس استثناء ام القرآن کا کیا گیا جس کی اباحت لفظ الا بام القرآن سے کی گئی تھی لان استثناء من النھی اباحۃ کما صرح بہ الاصولیون۔

---

(۱) مسلم شریف ج۱، ص۱۶۹ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ

بہر حال ابتداء حدیث میں امام کے پیچھے پڑھنے سے نہی کی گئی اور استثناء کر کے ام القرآن کو مباح کر دیا گیا پھر فانہ سے اس اباحت کی علت ذکر کر دی گئی کہ ہر نماز میں فاتحہ اور مازاد پائی جاتی ہے تو فاتحہ کثیر الدوران اور غیر مفضی الی المنازعت والمخالجت ہوئی اور مازاد کثیر الدوران نہ ہوئی اس لیے باعث مخالجت ہوگی اس تقریر پر جملہ "فانہ لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب" سے فرضیت فاتحۃ الکتاب اور انشاء حکم نکالنا بالکل غلط اور حدیث کو مہمل بنانا ہے جس کا منشاء حدیث کا اختصار مخل ہے اگر اس حدیث کا صدر حذف نہ کیا جاتا یا کم از کم لفظ فانہ ہی حذف نہ ہوتا تو اس قدر خلل نہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ روایت بالمعنی اور اختصار روایت میں تفقہ کی اشد ضرورت سمجھی گئی جس کا اقرار خود محدثین کو بھی ہے۔ (دیکھو نخبۃ الفکر)

(تاہم) جناب رسول اللہ ﷺ کو اس حکم کے بعد فاتحہ میں بھی مخالجت محسوس ہوئی تو پھر اس کو بھی منع کیا گیا جیسا کہ روایات حضرت جابر اور ابن اکیمہ وغیرہ دلالت کرتی ہیں۔ (مکتوبات ۵۳/۴۔۵۵)

ظہر کی نماز دو مثل پر

(س)

جو نماز ظہر صاحبین رحمہما اللہ کے مفتی بہ مذہب کے خلاف دو مثل پر پڑھی جائے کیا اس نماز کا اعادہ ضروری ہے؟

(ج)

احتیاطاً پہلی مثل میں نماز ظہر ادا کرنی چاہیے اور جو نمازیں دوسری مثل میں ادا ہوئی ہیں ان کے قضا کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۱) (مکتوبات ص ۲۱۷، ج ۴)

الصلوٰۃ معراج المؤمنین کے معنی

(س)

الصلوٰۃ معراج المؤمنین (نماز مومنوں کی معراج ہے) اس کے معنی حضرت والا کے نزدیک کیا ہیں۔

---

۱) رد المحتار علی الدالمختار (وعلیہ عمل الناس الیوم) والاحسن ما فی السراج عن شیخ الاسلام ان الاحتیاط أن لا یؤخر الظهر الی المثل ص ۲۴۰ ج ۲ کتاب الصلوة مطلب فی تعبده علیه الصلاة والسلام قبل البعثة : وفی الکنز : والظهر من الزوال الی بلوغ الظل مثلیه سوی الفئی : علی صدر کتاب الصلوة : کنز مع البحر ص ۲۴۳ ج ا م رشیدیه

﴿ج﴾

الصلوٰۃ معراج المؤمنین کے متعلق دوتوجیہیں اس وقت خیال میں ہیں۔

(الف) لفظ معراج علی وزن المفتاح صیغہ آلہ ہے۔ اس قضیہ میں حمل حقیقی ہے یعنی نماز مومنوں کے لیے آلۂ عروج ہے، کیوں کہ بہمیت سے ملکیت کی طرف، مادیت سے تجرد کی طرف، بعد سے قرب خداوندی کی طرف، غیوبت سے حضور کی طرف عروج اس نماز کے ذریعہ ہوتا ہے، طہارت جسمانی بالوضوء والغسل وغیرہ انسان کو تشبہ بالملائکہ اور ان سے قرب پیدا کرنے والی اور انجاس ظاہری کے ساتھ انجاس باطنیہ یعنی ذنوب اور ان کے ثمرات کو دور کرنے والی ہیں۔ قطرات وضو اور غسل کے ساتھ ساتھ، ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک، دماغ وغیرہ کے ذنوب نکل جاتے ہیں۔ حتیٰ یخرج نقیاً من الذنوب الحدیث [1] (یہاں تک کہ وہ گناہ سے پاک صاف ہوجاتا ہے) یہی طہارت ظاہری قیامت میں غرو تحجیل کی باعث ہوگی ملائکہ جن کو بالذات طہارتِ اور روشنی سے محبت ہے اور نجات اور ظلمات سے نفرت ہے، وہ اس کی وجہ سے نمازی کے ساتھ تعلقات پیدا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین۔ [2]

(اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو)

یہ آیت اہل قبا کی ظاہری طہارت استنجاء بالماء بعد الاستنجاء بالحجارہ کے متعلق نازل ہوئی۔ الطھور شطر الایمان [3] (پاکی نصف ایمان ہے)

ارشاد نبوی ہے: اسباغ الوضوء علی المکارہ [4]

اور اس طہارت کی تحصیل میں مالی اور جسمی فدائیت نہ صرف رضاء باری عز وجل کی سبب ہے، بلکہ اخلاق خبیثہ رذیلۃ البخل والکسل وغیرہ کو زائل کرنے والی اور آئندہ کو قابل ہم نشینی وہم کلامی بنانے والی بھی ہے، علی ہذا القیاس دیگر شروط صلوٰۃ بالخصوص توجہ الی القبلۃ یکے بعد دیگرے غفلت کو دور اور بارگاہ ذی الجلال سے قریب کرنے والی بھی ہے (یہ اعمال) توجہ باری عز وجل کو کھینچنے میں مقناطیسی اثر رکھتے ہیں، جس کے لیے ارشاد: اینما

---

۱) مشکوۃ شریف ج۱، ص۳۸: کتاب الطھارۃ الفصل الاول: مسلم شریف ج۱، ص۱۲۵: باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء: م قدیمی

۲) پ۱۱ سورہ توبہ آیت:۱۰۸

۳) مشکوۃ شریف ص۳۸، ج۱ کتاب الطھارۃ الفصل الاول: م قدیمی

۴) مشکوۃ شریف ص۳۸ ج۱ کتاب الطھارۃ الفصل الاول: م قدیمی

تولوا فثم وجه اله توجہ الی اللہ وارد ہے پھر نماز کے اسرار زاہیہ میں فرمایا گیا ہے ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر (۱)۔ (بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری بات سے) ترک فحشاء اور منکرات کا اثر جس قدر بھی قرب خداوندی اور بُعد رذائل بہمیت ونفسانیت میں ہوگا اظہر من الشمس ہے۔ نماز میں جس قدر قرأت اور ادعیہ وغیرہ ہیں ان میں جناب باری عز اسمہ سے ہم کلامی اور تخاطب پذیر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اگر انسان اس تخاطب کو سمجھتا ہوا حضور قلب کے ساتھ خشوع وخضوع کو ملحوظ رکھتا ہے (جو کہ مومنین کی نماز ہے) جب تو اس عروج کا حاصل ہونا ظاہر ہے ہی مگر اس میں کوتاہی کرنے میں بھی نفع موجود ہے۔ الفاظ قرآنیہ اور اسماء باری عزوجل اور ادعیہ ماثورہ اور درود شریف کی تاثیریں سمجھنے پر موقوف نہیں ہیں۔ گل بنفشہ جان کر لیجئے یا بغیر جانے ہوئے اسہال بلغمی کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ الفاظ قرآنیہ اور اسماء باری عزوجل حامل تاثیرات ہیں جو کہ بے سمجھے ہوئے بھی حاصل ہوتی ہیں، اگرچہ کمزور بہ نسبت سمجھنے کے ہوں۔ من قرأ حرفاً من القرآن کانت له عشر حسنات لا اقول الٓم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف (۲) جس نے قرآن سے ایک حرف پڑھا اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں بڑھ جاتی ہیں، اس کے یہ معنی نہیں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے ارشاد فرمایا گیا: اِذا صَلّٰی اَحَدکم فلا یبزق.. قبل وجهه فان الله بینه وبین القبلة (۳) وفی روایة فان الرحمة تواجهه احد کم او کما قال علیه الصلاة والسلام (۴) جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اس کو لازم ہے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اور قبلہ کے درمیان حائل ہوتا ہے، یا اس کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔ اسی طرح التفات کے متعلق ارشاد ہے کہ جب تک بندہ نماز میں التفات نہیں کرتا ہے اس وقت تک بندہ کی طرف اللہ تعالیٰ متوجہ رہتا ہے یہ توجہ اور قرب خداوندی نماز کی وجہ سے بندہ کو حاصل ہوتا ہے، ارشاد ہوتا ہے: قسمت الصلوة بینی وبین عبدی نصفین ولعبدی ماسأل فاذا قال العبد الحمد رب العلمین قال الله حمدنی عبدی فاذا قال الرحمن الرحیم قال الله اثنی علی عبدی فاذا قال العبد ملك یوم الدین قال الله مجدنی عبدی فاذا قال العبد ایاك نعبدو ایاك نستعین قال الله هذا بینی وبین عبدی ولعبدی ماسأل الحدیث (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

---

۱) پ ۲۱ سورۃ العنکبوت آیت: ۴۵
۲) اس مفہوم کی روایت ترمذی شریف باب ماجاء فی فضل القرآن ۲/۱۱۹ میں ہے۔
۳) ان احد کم اذا قام فی صلوته فانه یناجی ربه و ان ربه بینه وبین القبلة فلا یبزقن احد کم قبل قبلته (بخاری شریف ۱/۵۸) باب حك البزاق بالیدین من المسجد۔
۴) ترمذی شریف میں یہ جملہ حدیث کے اس ٹکڑے کے ساتھ وارد ہے۔ فلا یمسح الحصی فان الرحمة تواجهه (ترمذی شریف ۱/۸۷) باب کراهیة مسح الحصی فی الصلوة۔

میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کردیا ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہوگا جو اس نے مانگا، پس جب بندہ کہتا ہے الحمد لله رب العالمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی ہے اور جب کہتا ہے الرحمن الرحیم تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثنا کی میرے بندے نے میری اور جب ملك یوم الدین کہتا ہے تو خدا کہتا ہے میرے بندے نے میری عظمت بیان کی، اور جب ایاك نعبدو ایاك نستعین کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے یہ آیت میرے اور میرے بندے کے لیے ہے اور جو میرا بندہ مانگے وہ اس کے لیے ہے)[1] یہ نعمت کاملہ اور مناجات بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں جاری ہونا کس قدر عروج اور ترقی انسانی ہے، اسی مکالمہ میں انسان اپنے لیے نعمت ہدایت جو کہ سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی ضرورت انسانی ہے طلب کرتا ہے۔ جس کو وہ اپنا نصب العین قرار دیتے ہوئے اس انعام و ہدایت سے خالص کرنا چاہتا ہے جو کہ مغضوب علیهم اور اہل ضلال پر ہوا تھا، (موسوئین وعیسوئین) اور ایسی کھری اور خالص ہدایت (ایصال الی المطلوب) مانگتا ہے جو کہ اہل اجتبا و اصطفا کو عطا کی گئی۔ حسب ارشاد احادیث صحیحہ اس کو عطا کردیا جاتا ہے اور بندے کو کہہ دیا جاتا ہے کہ تم کو ایسی ہدایت خالصہ عطا کردی، ہماری یہ کتاب جس کو ذالك الكتاب لا ریب فیه هدی للمتقین (الآیۃ) کہا گیا ہے یہی ایسی ایصال الی المطلوب ہے جس میں الفاظ اور حروف کے لباس اور کسوت میں اپنی صفت ازلیہ کلام نفسی کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ صفت کا موصوف کے ساتھ کس قدر قوی اور شدید تعلق ہے، بالخصوص جبکہ وہ واجب الوجود تعالیٰ شانہ کی ہو اور پھر وہ صفات ذاتیہ میں سے ہو۔ ایسا انعام کسی امت اور کسی پیغمبر پر اس سے پہلے نہیں ہوا۔ بے شک کتابیں اتاری گئیں مگر کلام خداوندی قدیم نہیں اتارا گیا یہ نعمت مومن محمدی کو دی جاتی ہے اور بارگاہ ذوالجلال سے قبولیت دعا و ہدایت کے بعد قرآن پڑھنے اور اپنے نفس اور حاضرین کو سنانے کا اسی طریقہ پر حکم ہوجاتا ہے جیسے کہ جج اپنے فیصلہ وغیرہ کو سررشتہ دار کو دیتا ہے کہ ہمارے ججمنٹ کو پڑھ کر لوگوں کو سنادو اس وقت میں سررشتہ دار جج کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے آپ اس سے اندازہ کرسکیں گے کہ محمدی مومن کے لیے کس قدر اعلیٰ وارفع عروج ہوا، نیابت خداوندی، صفت قدیمہ، بکسوت الفاظ عربیہ ہر دو امر انتہاء تقریب کے موجب ہیں پھر اس انعام کے بعد عظمت وجلال خداوندی کا لحاظ کرنا اور جسم کو جھکا دینا شکریہ عملی اور قولی بجالانا اور پھر شکریہ کرتے کرتے آقا کے سامنے زمین پر سر کو ٹیک کر پیشانی اور ناک رگڑنا اور آقا کی عظمت اور قدوسیت کو سراہنا کس قدر عروج اور تقرب کا باعث ہوگا مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے۔

---

[1] مسلم شریف ۱/۱۷۰ باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة وانه اذا لم یحسن الفاتحة ولا امکنه تعلمها قرأما تیسر له غیرها۔ مر قدیمی

ان اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد فاکثروا فیه من الدعاء (او کما قال علیه السلام) (۱) آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے بندہ سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے بہت قریب ہو جاتا ہے، لہٰذا اس حالت میں بہت دعا کرتے رہو۔ (صحاح)

خلاصہ یہ ہے کہ ارکان صلوٰۃ اور اس کے سنن و آداب کو غور سے دیکھئے تو ضعیف البنیان مخلوق من الماء المہین بشر کے لیے وہ اعلیٰ مکان اور ارفع مراقبہ دکھائی دیتا ہے کہ جس کو اگر "کروبی" بنظر غبطہ دیکھیں یا مولی العالمین محفل ملائکہ میں مباہات فرمائے اور الذین یحملون العرش ومن حوله اس کے لیے دعوات صالحہ سے رطب اللسان ہوں تو کچھ تعجب نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ ہم اپنی نمازوں سے سخت غافل ہیں فویل للمصلین الذین هم عن صلوتهم ساهون (۲) (پھر خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں) وفقنا الله وایاکم للصلوة الحقیقیة۔

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ حمل اس جملہ پر حقیقی نہ لیا جائے بلکہ مثل زید اسد بطور تشبیہ اور تمرمر السحاب بطور تمثیل قرار دیا جائے۔ یعنی الصلوٰة للمومنین کالمعراج للنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج سے خصوصی معراج جو کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی گئی تھی مراد لی جائے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کو عالم مادی اور خاکدان سفلی سے عالم تجرد اور عالم علوی کی طرف نقل کیا گیا۔ آپ کو دنو اور تدلی اور قرب بمنزلہ قاب قوسین سے نوازا گیا آپ کو نعمت مکالمہ اور اوحی الی عبده ما اوحی (۳) سے مشرف کیا گیا تو آپ کو نعمت رویت سے مالا مال کیا گیا لقد رای من آیات ربه الکبری ما زاغ البصر وغیرہ ارشادات فرمائے۔ مومن محمدی نماز میں ان ادناس مادیہ سے اٹھایا جاتا ہے تدلی اور قرب کی نعمت عطا کی جاتی ہے فان الله بینه وبین القبلة شاہد عدل ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر نمازی کے سامنے جبکہ وہ نماز کی نیت کرتا ہے تجلی خداوندی اور حقیقت از حقائق الٰہیہ ظہور پذیر ہوتی ہے خواہ وہ اس کا احساس کرے یا نہیں اور اسی تجلی کو راز فان الله بینه وبین القبلة قرار دیتے ہیں اور اس تجلی کی نسبت ذات مجمع الکمالات سے نسبت ساق الی الذوات قرار دیتے ہوئے یوم یکشف عن ساق الایه (۴) کی توجیہ فرماتے ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ بھی سورہ قیامہ میں اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ (۵)

---

۱) مسلم شریف بلفظ "فاکثروا الدعاء" (۱۹۱/۱) باب مایقال فی الرکوع والسجود!

۲) پ ۳۰ سورۃ الماعون آیت نمبر ۴

۳) سورۃ النجم آیت : ۱۰

۴) سورۃ القلم آیت : ۴۲

۵) سورہ قیامہ آیت : ۲۹

نمازوں میں رہنے کی وجہ سے اس تجلی خداوندی سے مومن محمدی کو طبعی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے جو کہ میدان قیامت میں ذریعہ معرفت خداوندی ہو جائے گی اور مومن سجدہ میں گر جائے گا۔ بہر حال دنو اور تدلی کا حصول اس درجہ ہو جاتا ہے کہ فرمایا گیا انا جلیس من ذکرنی، انا مع العبد ما تحرکت بی شفتاہ(۱) (وغیرہ روایات) اور فرمایا گیا واسجد واقترب (۲) رویت خداوندی کا حصول احسان والی حدیث سے پوچھئے ان تعبد (۳) ربك کانك تراہ اور جب ظاہر بین کو یہ شبہ لاحق ہوتا تھا کہ مجرد محض لاتدرکہ الابصار کی رویت کس طرح ہو سکتی ہے اس کو محالات میں سے شمار کرنے لگا تو اس کے استبعاد کے لیے ارشاد کر دیا گیا فانہ یراك اگر ارکان و آداب و سنن صلوٰۃ پر غور کیا جائے تو یقیناً وہ نعمتیں جو کہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیقی طور پر شب معراج میں عطا فرمائی گئیں۔ آپ کے طفیل میں ان سب کی تمثیلیں مومن کو اسی زمین پر عطا کی جاتی ہیں، وقت کی قلت کی وجہ سے اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا مگر مختصر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا۔ ھذا ما لدی واللہ اعلم (مکتوبات ۱/۱۹۰ـ۱۹۵)

نماز تہجد کا صحیح وقت کیا ہے

﴿س﴾

صلوٰۃ تہجد کا صحیح وقت کیا ہے۔

﴿ج﴾

صلوٰۃ تہجد کا وقت عشاء کے بعد سے صبح صادق تک ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحاح (۴) میں روایت

---

۱) مشکوٰۃ شریف ص۱۹۹ ج۱ ومثلہ فی مسلم شریف ج۲ ص۳۴۲ باب فضل الذکر والدعاء وحسن الظن مشکوۃ شریف باب الفصل الثالث فی باب ذکر اللہ عزوجل والتقریب الیہ۔

۲) پ۳۰ سورۃ العلق آیت: ۱۹

۳) مشکوٰۃ شریف ج۱ ص۱۱ کتاب الایمان الفصل الاول

۴) وہ حدیث عائشہ یہ ہے۔عن عائشۃ قالت من کل اللیل اوتر رسول اللہ ﷺ من اول اللیل واوسطہ وآخرہ وانتھی وترہ الی السحر متفق علیہ (مشکوۃ صفحہ ۱۱۱) وعن عائشۃ قالت کان النبی ﷺ یصلی فی ما بین ان یفرغ من صلوۃ العشاء الی الفجر احدی عشرۃ یسلم من کل رکعتین و یوتر بواحدۃ الحدیث متفق علیہ (مشکوۃ صفحہ ۱۰۵ اور علامہ شامی صفحہ ۵۱۷ جلد اوّل میں بحوالہ بحر نقل فرماتے ہیں روی الطبرانی مرفوعا لابد من صلوۃ بلیل ولو حلب شاۃ وما کان بعد صلوۃ العشاء فھو من اللیل وھذا یفید ان ھذہ السنۃ تحصل بالتنفل بعد صلوۃ العشاء قبل النوم (جمیل الرحمن)

موجود ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ابتدائے شب میں بھی اور وسط شب میں بھی اور آخر شب میں تہجد پڑھی ہے۔ مگر آخری ایام میں اور زیادہ تر اخیر شب میں پڑھنا وارد ہے جس قدر بھی رات کا حصہ متاخر ہوتا جاتا ہے برکات اور رحمتیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں، اور سدس آخر میں سب حصوں سے زیادہ برکات ہوتی ہیں (۱) تہجد ترک ہجود یعنی ترک نوم سے عبارت ہے، اس لیے اوقات نوم بعد عشاء سب کے سب وقت تہجد ہی ہیں۔

(مکتوبات ۱/۱۸۹)

تہجد کی رکعات

﴿س﴾

تہجد میں کتنی رکعات پڑھنی چاہئیں۔

﴿ج﴾

تہجد کی رکعتوں میں کوئی تحدید نہیں ہے، حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ روزانہ چھ سو رکعتیں پڑھا کرتے تھے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے (۲) تو کیا یہ حضرات فقط بارہ رکعتوں پر ہی اکتفا کرتے رہے۔ (مکتوبات ۳/۱۰۵) (۳)

رمضان میں تہجد کی جماعت

﴿س﴾

فتاوی رشیدیہ (۴) میں جماعت تہجد کو مکروہ لکھا ہے لیکن حضرت والا رمضان المبارک میں جماعت کثیرہ کے ساتھ تہجد پڑھتے ہیں یہ امر بہت خلجان کا باعث بنا ہوا ہے۔ امید ہے کہ اس بارے میں تشفی فرمائیے گا۔

---

۱) قال في المراقي : وندب صلوة الليل خصوصا آخره وفي الطحطاوي وهو السدس الخامس من اسد اس اليل وهو الوقت الذي وردفيه النزول الالهي (طحطاوی/۲۱۷)

۲) عقود الجمان/۲۱۳

۳) عموماً فقہ کی کتابوں میں رکعات تہجد کی تحدید ۸/ رکعات میں کی گئی ہے (شامی ۲/۲۵ وغیرہ) مگر بخاری شریف کی ایک روایت سے ۱۲ رکعات کا ثبوت ملتا ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں ثم صلي ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم اوتر الخ (بخاری شریف ۱/۱۳۰) وفي حاشيته : فيه دليل على ان صلوة الليل اثنا عشر ركعة

۴) تالیفات رشیدیہ مع فتاوی رشیدیہ ص ۲۹۶، ۲۹۷ مر ادارۂ اسلامیات

﴿ج﴾

فتح القدیر میں ہے وقد صرح الحاکم ایضاً فی باب صلوٰة الکسوف من الکافی بقوله : ویکره صلوة التطوع جماعة ما خلا قیام رمضان و صلوٰة الکسوف هذا خلاف ما ذکر شیخ الاسلام (۱) جلداول رد المحتار ص۲۲۳ میں ہے قلت ویویده ایضاً ما فی البدائع من قوله ان الجماعة فی التطوع لیست بسنة الافی قیام رمضان (وفیه) والنفل بالجماعة غیر مستحب لانه لم یفعله الصحابة رضی اللّٰه عنه فی غیر رمضان۔

مذکورہ بالانصوص میں قیام رمضان کی تصریح فرمائی گئی ہے اس کی تخصیص تراویح کے ساتھ نہیں کی گئی ہے چوں کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے تیسری شب میں اور صحابہ کرام سے آخر شب تک نوافل باجماعت منقول ہیں جیسا کہ موطا امام مالک وغیرہ میں بکثرت مروی ہے اس لیے تمام وہ نوافل جو رمضان کی راتوں میں پڑھی جائیں مراد ہوں گی خواہ تراویح ہوں خواہ تہجد ہو اوائل شب میں ہوں یا اواخر میں سب میں جماعت کی اجازت ہوگی۔

(۲) موطا امام محمد رحمہ اللہ میں ہے قال محمدؒ بهذا ناخذ لاباس بالصلوٰة فی شهر رمضان ان یصلی الناس تطوعاً بامام لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلك الخ۔ (۳) فتح الباری میں ہے ای قیام لیالیه مصلیا والمراد من قیام اللیل ما یحصل به مطلق القیام کما قدمناه فی التهجد سواه وذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوٰة التراویح انه یحصل بهذالمطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لا یکون الابها واغرب الکرمانی فقال اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوة التراویح الخ۔

عینی شرح بخاری میں ہے قال الکرمانی اتفقوا علی ان المراد بقیام اللیل صلوة التراویح قلت قال النووی ان المراد بقیام رمضان صلوة التراویح ولکن الاتفاق من این اخذه بل المراد من قیام اللیل ما یحصل به مطلق القیام سواء کان قلیلا او کثیراً (۴) وقال فی الجلد الاول ما نصه: ومعنی من قام رمضان من قام بالطاعة فی لیالی (۵) رمضان ویقال یرید

---

۱) فتح القدیر جلد دوم کتاب الاستقصاء ص۴۹۱ م رشیدیه۔ ردالمحتار جلد دوم ص۶۰۴ مطلب فی کراهة الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی وفی الصلوة الر غائب۔ م رشیدیه

۲) موطا امام محمدؒ ص۱۴۳ باب قیام شهر رمضان وما فیه من الفضل۔ قدیمی

۳) فتح الباری جلد رابع ص ۳۱۵ کتاب صلوة التراویح قوله باب فضل من قام رمضان

۴) کتاب التراویح : الباب الاول : فضل من قام رمضان ج۱۱ص۱۷۶ عمدة القاری شرح بخاری مکتبه رشیدیه کونته جدید ۲۵ جلد والا۔

۵) تطوع قیام رمضان من الایمان / کتاب الایمان باب ۲۸، ج ۱ ص۳۶۵ متکبه رشیدیه جدید کونته

صلوۃ التراویح وقال بعضھم لا یختص ذلک بصلوۃ التراویح بل فی ای وقت صلی تطوعاً حصل لہ ذلک الفضل الخ۔

نصوص مذکورہ بالا سے امور ذیل معلوم ہوتے ہیں (۱) جماعت نوافل کی کراہت مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس سے کچھ مستثنیات بھی ہیں (۲) مستثنیات میں لفظ قیام رمضان اور کسوف کو ذکر کیا گیا (۳) امام محمد و حاکم و صاحب بدائع وغیرہ متقدمین رحمہم اللہ تعالیٰ نے لفظ قیام رمضان ذکر فرمایا ہے جو مخصوص بالتراویح نہیں ہے (۴) قیام رمضان کو مخصوص بالتراویح قرار دینا قول مرجوح ہے جو کہ علامہ کرمانی اور علامہ نووی رحمہ اللہ کا قول ہے اس کے خلاف حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام عینی رحمہ اللہ تمام نوافل کو خواہ تراویح ہوں یا تہجد ہو یا دیگر نوافل فرمار ہے ہیں اور امام نووی کے قول کو مؤل قرار دیتے ہوئے اپنے قول کی طرف لوٹاتے ہیں اور کرمانی کے قول کو غریب اور مخدوش قرار دیتے ہیں اور یہ ہی امر مدلول مطابقی بھی ہے۔ بنابریں فتاوی رشیدیہ کی تصریح جلد ثانی ص ۵۵ اور جلد اول ص ۴۹ جس میں مستثنیات کو منحصر تراویح کے ساتھ کیا گیا ہے قول مرجوح پر مبنی ہے پس رمضان کے جملہ نوافل کی جماعت خواہ بالتداعی ہو یا بلا تداعی سب کی سب ماذون فیہ بلکہ مستحب ہوگی اور تحت ترغیب من قام رمضان الحدیث داخل ہوگی۔ اس پر نکیر کرنا غیر صحیح ہوگا بلکہ جملہ طاعات طواف نفل یا عمرہ وغیرہ اس ہی میں محسوب اور مرغوب فیہ قرار دیئے جائیں گے کما ذکرہ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ہم نے قطب العالم حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ العزیز کا عمل بھی مکہ معظمہ میں اسی پر پایا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز کا بھی یہی معمول تھا۔ اور حرمین شریفین میں قدیم سے عمل سنت عشریہ وغیرہ کا جو کہ بالخصوص شوافع کا اور چالیس رکعت کا عمل جو کہ موالک کا معمول بہ تھا اور اہل مکہ کا قدیمی عمل ہر ترویحہ پر اسبوع طواف اس کا موید ہے[1] واللہ اعلم۔ (مخطوطات مبارکہ ص ۱۰۳)

تہجد کی رکعات کتنی ثابت ہیں



تہجد کی کس قدر رکعتیں ہیں جناب رسول اللہ ﷺ سے کتنی رکعتیں ثابت ہیں۔

---

۱) یہ مسئلہ حضرت کے تفردات سے ہے، جسے حضرت نے مجتہدانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے براہ راست احادیث شریفہ سے مستنبط فرمایا ہے، لیکن احقر کو حضرت کے اس موقف کی تائید فقہ حنفی کے کسی جزئیہ سے نہیں ملی، بلکہ مبسوط سرخسی اور دیگر معتبر کتب احناف میں ۳-۴ سے زیادہ مقتدی ہونے کی صورت میں نوافل کی جماعت کو مطلقاً مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ (مبسوط سرخسی ۲/۱۴۴) بریں بنا مسئلہ زیر بحث میں فقہ حنفی کی رو سے حضرت گنگوہیؒ کا موقف ہی راجح اور مضبوط ہے۔ محمد سلمان

﴿ج﴾

آخر شب میں کم سے کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ کوئی مقدار مقرر نہیں ہے البتہ جناب رسول اللہ ﷺ سے بارہ رکعت سے زیادہ منقول نہیں ہے۔(۱) (سلاسل طیبہ عکسی، ص۳۶)

صلوۃ الاوابین

﴿س﴾

صلوٰۃ الاوابین کس نماز کو کہا جاتا ہے۔

﴿ج﴾

صلوٰۃ الاوابین کے متعلق اختلاف مسمی میں نہیں ہے، تسمیہ میں ہے مشہور یہی ہے کہ نوافل بعد المغرب کو صلوٰۃ الاوابین کہا جاتا ہے اور ضحوہ کبریٰ کو صلوٰۃ الضحیٰ اور چاشت کہا جاتا ہے مگر صحاح میں ہے **صلوٰۃ الاوابین حین ترمض الفصال** اس لیے اقرار کرنا پڑے گا کہ نوافل بعد المغرب کا تسمیہ غلطِ عوام میں سے ہے۔(۲)

(مکتوبات ۱/۲۱۳)

قنوت نازلہ

﴿س﴾

قنوت نازلہ میں کون سی دعا پڑھنی چاہیے۔

﴿ج﴾

قنوت نازلہ کے لیے الفاظ مخصوص نہیں تھے حسب نازلہ اور حسب حضور قلب الفاظ استعمال کئے جائیں میں نے مندرجہ ذیل الفاظ اس زمانہ میں اختیار کئے ہیں۔

اللھم اھدنا فیمن ھدیت ، وعافنا فیمن عافیت و تولنا فیمن تولیت ، وبارك لنا فیما اعطیت، وقنا شرما قضیت ، فانك تقضی ولا یقضی علیك ، وانه لا یذل من والیت ولا یعز

---

۱) بخاری شریف باب الوتر ۱/۱۳۵

۲) ومثله فی العرف الشذی ۱/۱۰۱ من امالی المحدث انورشاہ الکشمیریؒ۔ دراصل بعض ضعیف احادیث کی بنیاد پر مغرب بعد کے نوافل کو اوابین کا نام دیدیا گیا ہے۔

من عاديت۔ تباركت ربنا وتعاليت۔ نستغفرك و نتوب اليك۔ اللهم اعل كلمة الاسلام و المسلمين (۳ بار) وانجز وعدو كان حقا علينا نصر المؤمنين، اللهم اخذل السك والمشركين، اعداء نا اعداءك اعداء الدين، اللهم زلزلهم اللهم شتت شملهم، اللهم فرق جمعهم، اللهم اهلك اموالهم اللهم فل حدهم، اللهم اهزم جندهم، اللهم الق الرعب والفشل والاختلاف بينهم اللهم انا نجعلك في نحورهم و نعوذبك من شرورهم (۳ بار) اللهم خذهم اخذ عزيز مقتدر (۳ بار) اللهم لا تعاملنا بما نحن اهله وعاملنا بما انت اهله انت اهل التقوىٰ واهل المغفرة واهل العفو والكرم والجود والاحسان وصلى الله على احب خلقه اليه سيدنا و مولانا محمد واله وصحبه وبارك وسلم۔ (1) (مکتوبات ۴/۳۶۲۔۳۶۳)

لاؤڈ اسپیکر پر نماز



آلہ مکبر الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر پر نماز واقتداء درست ہے یا نہیں اوراس بارے میں ضروری استفارات۔



آلہ مکبر الصوت کے متعلق پہلے شبہ تھا کہ اس کی آواز دوسری ہوتی ہے جو کہ آلہ اور بجلی سے پیدا ہوتی ہے اسی لیے حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ اور مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اور دوسرے اصحاب علم نے فساد نماز کا فتویٰ دیا۔ مگر بعد میں تحقیقات کی گئیں جمعیۃ العلماء کے اراکین اور مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ماہرین فن سے خط و کتابت کی۔ معلوم ہوا کہ آواز وہی ہوتی ہے جو کہ بولنے والا نکالتا ہے بجلی اور آلہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہی آواز قوی ہو جاتی ہے دوسری آواز پیدا نہیں ہوتی اس لیے اب کوئی شبہ جوازِ نماز میں نہیں رہا مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اور پاکستان کے دوسرے علماء نے رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کرنا ظاہر کیا ہے (۲)۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم اور دیگر علماء واراکین جمعیۃ نے بعد از تحقیق جواز نماز کا فتویٰ دیا ہے (۳)

---

۱) وليس في القنوت دعاء مؤقت (عالمگیری ۱/۱۱۱) وفي البدائع: واما دعاء القنوت فليس في القنوت دعاء مؤقت كذا ذكر الكرخي في كتاب الصلوٰة لانه روى عن الصحابة ادعية مختلفة في حال القنوت الخ (بدائع الصنائع ۱/۲۷۳)

۲) امداد الفتاوی ۱/ص۵۸۱۔۵۸۲ مکتبہ دارالعلوم کراچی

۳) کفایت المفتی ۹/۲۱۴ دار الاشاعت

اور مجھ کو بھی ان تحقیقات کے بعد یہی فتویٰ دینا مناسب معلوم ہوا۔ دیوبند کے علماء بھی اس کے قائل و حامی ہو گئے ہیں اس لیے اب ہم کو جواز میں کوئی شبہ نہیں رہا ہے جو فتویٰ آپ نے دہلی کا بھیجا ہے اس کا مفہوم جواز کا ہے۔ علماء سہارنپور بھی دہلی میں دفتر جمعیۃ میں ہمارے شریک تھے اور پھر بعد از تحقیق موافق ہو گئے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ بجلی کی خرابی اور آوازوں کے تصادم وغیرہ سے خرابیوں کا اندیشہ رہتا ہے نیز قدیم طریقہ جاریہ کے خلاف ہے جس میں کوئی دغدغہ نہیں تھا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ قدیمی طریقہ مکبروں کی تکبیرات کو جاری رکھا جائے مگر اس طریقہ مکبر الصوت میں کوئی حرج نہیں ہے کوئی اختلاف نہ کرنا چاہیے خصوصاً جبکہ حرمین شریفین کی حکومت نے جاری کر دیا ہے اور کسی کی نہ سنی۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر سال لاکھوں حجاج کی نمازوں کے فاسد ہونے کا فتویٰ دیا جائے ایسے اوقات میں تو ضعیف قول پر بھی فتویٰ دینا ضروری ہو جاتا ہے اور عموم بلوی کا اعتبار کرنا لازم ہو جاتا ہے فقہ میں اس کی نظائر قدیم زمانہ سے بکثرت پائی جاتی ہیں آپ حضرات کو اس میں توقف نہ کرنا چاہیے۔ (مخطوطات مبارکہ ص ۱۱۹) اوائل ۳۷ھ۔

خطبۂ جمعہ میں لاؤڈ اسپیکر

﴿س﴾

خطبۂ جمعہ میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

میری سمجھ میں خطبہ میں لاؤڈ اسپیکر کی ممانعت نہیں آئی میں اس کو جائز سمجھتا ہوں۔ (مکتوبات ج ۱/ ۴۰۰)

مسافت قصر

﴿س﴾

مسافت قصر کے متعلق حضرت والا اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔

﴿ج﴾

آپ نے مسافت قصر کے متعلق جو فتویٰ پوچھا ہے اور حضرات فرنگی محل کے فتاویٰ کے خلاف نقل فرمائے ہیں اس کو میں نے دارالافتاء میں بھیج دیا ہے ان شاء اللہ جواب پہنچ جائے گا۔ ہمارے اکابر کا معمول بہ اڑتالیس میل ہی ہے اور اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔ حضرات فرنگی محل اس میں تشدد فرماتے ہیں مگر کتب فقہ میں حکم میلوں پر

نہیں ہے بلکہ تین دن تین رات کی مسافت اوسط ایام سال میں متوسط انسانی رفتار یا اونٹ کی رفتار سے جملہ حوائج انسانیہ اکل وشرب، پیشاب پاخانہ وغیرہ اور حوائج شرعیہ نماز وغیرہ کو انجام دیتے ہوئے اکثر حصہ یوم ولیلہ میں جو قطع ہو سکے وہ مسافت قصر ہے(۱) اسی قاعدہ سے بمشکل ۱۶ میل چل سکتا ہے بلکہ ۱۵ میل بھی چلنا دشوار ہوگا۔ اس لیے بعض حضرات ۱۲ میل روزانہ اور بعض ۱۵ میل روزانہ قرار دیتے ہیں۔ ہمارے اکابر نے ۱۶ میل روزانہ احتیاط کے طور پر قرار دیا ہے اس سے زائد قرار دینا غیر معقول ہے(۲) واللہ اعلم۔ (مکتوبات ۱۴۴/۳)

قضاء عمری کا طریقہ

﴿س﴾

جو نمازیں اب تک کسی وجہ سے قضا ہوگئی ہیں اور ان کی تعداد معلوم نہیں ہے ان کی قضا کیسے کی جائے۔

﴿ج﴾

ایام بلوغ کے بعد سے جو نمازیں قضا ہوگئی ہیں اور جو نمازیں فاسد پڑھی گئی ہیں ان کا اندازہ کیجئے اور زائد سے زائد مقدار اعتبار کر کے ان کو پڑھئے مثلاً آپ کا اندازہ ہے کہ ایسی نمازیں کم از کم دو برس کی پنج وقتہ مجموعی طور پر ہو سکتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ تین برس کی تو تین برس کی نمازیں قضاء کیجئے تاکہ بالیقین یا بغلبہ ظن ذمہ فارغ ہو جائے اگر ہر روز پانچ فرائض مع وتر پڑھ لیا کریں تو ایک سال میں ایک سال کی نماز کی قضا ہو جائے گی روزانہ پانچ وقتوں کی قضا کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا بھی پڑھ لی جایا کرے خواہ فرض سے پہلے یا بعد کو یا یہ کہ ایک وقت میں پانچوں نمازیں یا کم وبیش پڑھا کریں نیت کی صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے۔ کہ قضا واجب ہونے والی ظہروں میں کی آخری ظہر پڑھتا ہوں اسی طرح عصر میں کہا جائے کہ جتنی عصر کی نمازیں مجھ پر بطور قضا واجب ہیں ان کی آخری عصر پڑھتا ہوں اور اسی طرح مغرب، عشاء، وتر، فجر میں کہا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بجائے آخری کے پہلی کہا جائے یعنی یہ کہا جائے کہ جتنی ظہر کی نمازیں مجھ پر قضا

---

۱) من خرج من عمارة موضع اقامته قاصداً مسيرة ثلثة ايام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعي ركعتين (التنوير ۱۲۱/۲)

۲) حضرت کی وضاحت پوری طرح فقہ کے موافق ہے اس لیے کہ مسافت سفر میں حنفیہ کے نزدیک دراصل میلوں یا فرسخوں کا اعتبار نہیں ہے بلکہ حقیقتاً متوسط رفتار سے مسافت قطع کر سکنے پر حکم کا مدار رکھا گیا ہے۔ ہر جگہ یہی قاعدہ جاری ہوگا ولا اعتبار بالفراسخ على المذاهب (درمختار ۷۲۵/۲) اس وضاحت سے شرعی یا انگریزی میل مراد لینے کا اختلاف خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

واجب ہیں اُن میں سے پہلی نماز پڑھتا ہوں اور اسی طرح ہر نماز میں کیا جائے (۱) اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اس تقصیر کی معافی طلب کی جایا کرے قضاء نمازوں میں سنتوں اور نوافل کی قضاء نہ ہوگی (۲) صرف فرض اور وتر کی ہوگی۔ (مکتوبات ۴/۲۱۔۲۲)

کون سی نمازیں قضاء کرنی ہوں گی

﴿س﴾

جس شخص نے کئی سال نمازیں نہ پڑھی ہوں وہ کون کون سی نمازیں قضاء کرے گا۔

﴿ج﴾

قضاء صرف فرائض و وتر کی ہوگی سنن موکدہ بعد از خروج وقت نوافل ہو جاتی ہیں جن کی قضاء نہیں (۳) الا ان یشاء الانسان بنفسہ۔ (مکتوبات ج ۱ ص ۲۹۱)

فرض کے ساتھ سنتوں کی قضا

﴿س﴾

نماز اگر قضا ہو جائے تو کیا فرض و واجب کی طرح سنتوں کی بھی قضا کی جائے۔

﴿ج﴾

قضا صرف فرائض اور وتر کی ہوگی۔ سنن موکدہ بعد از خروج وقت نوافل ہو جاتی ہیں جس کی قضا نہیں الا ان یشاء الانسان بنفسہ۔ (۴) (مکتوبات ج ۱ ص ۲۹۱)

---

۱) کثرت الفوائت نوی اول ظهر علیه او آخره (درمختار ۲/۶۵۰)

۲) بدائع الصنائع ۱/۶۴۳

۳) واما بیان ان السنة اذا فاتت عن وقتها بل تقضی ام لا فنقول وبالله التوفیق لاخلاف بین اصحابنا فی سائر السنن سوی رکعتی الفجر انها اذا فاتت عن وقتها لا تقضی سواء فاتت وحدها او مع الفریضة (بدائع الصنائع ۱/۶۴۳)

۴) نوٹ: تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ اگر سنن موکدہ تنہا رہ گئی ہیں تو ان کی قضا نہیں ہے اور اگر مع فرائض ترک ہوئی ہیں تو صرف سنت فجر کی زوال سے پہلے فرائض کے ساتھ قضا کی جائے بقیہ کی کسی صورت میں قضاء نہیں ہے فی الکبیری للحلبی ص ۴۴۵ لا خلاف فی سائر السنن غیر سنة الفجر انها لا تقضی بعد الوقت ان فاتت وحدها واختلف فیما اذا فاتت مع الفرض فالاصح انها لا تقضی ایضا الخ وفی الدر المختار ولا یقضها (ای سنة الفجر) الا بطریق التبعیة لقضاء فرضها قبل الزوال (جمیل الرحمن)

قضاء نماز محض توبہ سے معاف نہ ہوگی

﴿س﴾

کیا قضاء نماز توبہ سے معاف ہو جاتی ہے۔

﴿ج﴾

توبہ اور اس کی قبولیت کی بنا پر وہ گناہ جو عدول حکمی اور احترام وقت کے ٹھکرانے سے ہوا ہے زائل ہو جائے گا۔ مگر فراغت ذمہ تو جب ہی ہوگا جب کہ واجب کو ادا کر دیا جائے گا اس لیے قضا ضروری ہے۔ (۱)

(مکتوبات ۱/۱۴/۳۱۴)

کیا تارک نماز کافر ہے

﴿س﴾

تارک نماز کے بارے میں بعض روایات اور ائمہ کے اقوال میں کفر کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے۔

﴿ج﴾

لفظ کفر کبھی ضد ایمان پر بولا جاتا ہے اور کبھی ضد احسان پر بولا جاتا ہے قسم اول کفر حقیقی کامل ہے۔ جس میں وہ پایا جائے وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور ملت اسلامیہ سے جدا شمار کیا جاتا ہے بخلاف قسم ثانی کے اس پر اگرچہ لفظ کافر بولا جاتا ہے مگر وہ نہ ملت اسلامیہ سے خارج ہوتا ہے اور نہ اس کی مطلقاً تکفیر کی جاتی ہے وہ فاسق اور سخت گنہگار اور مرتکب کبیرہ ہے۔ چوں کہ کفر کلی مشکک ہے اس لیے اس کے درجات مختلف ہیں ہر درجہ پر لفظ کفر بولنا صحیح ہوگا مگر ہر درجہ کو مفسد ایمان اور خارج کنندہ از ملت اسلامیہ قرار دینا غلط ہے۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ نے کفر دون کفرٍ فرما کر یہ تصریح کر دی ہے ولا یکفر صاحبها الا بالشرك (۲) الغرض کسی کو ایسا درجہ کفر کا دینا جس سے ایمان اور ملت اسلامیہ سے علیحدہ قرار دیا جائے اس کے اس ہی درجہ کاملہ پر ہو سکتا ہے

---

۱) قال في الدر المختار: اذا التاخير بلا عذر كبيرة لا تزول بالقضاء بل بالتوبة او الحج الخ وفي الشامي: قوله بل بالتوبة اى بعد القضاء اما بدونه فالتاخير باق فلم تصح التوبة منه (شامی ۲/۶۲۶)

۲) بخاری ص۹ ج۱

جبکہ امور قطعیہ یقینہ کا منکر ہو جائے جیسے توحید کا یا رسالت کا انکار یا ایسی دوسری باتوں کا جحو دیا انکار کرنا یا ایسا عمل کرنا جس سے ان قطعی باتوں کا انکار ٹپکتا اور لازم آتا ہو اور اگر یہ درجہ نہ پایا جاتا ہو تو اگر چہ اس پر لفظ کفر کا اطلاق کیا جائے گا مگر اس کو نہ خارج از ملت اسلامیہ کہا جائے گا اور نہ اس کو ایمان سے بے تعلق قرار دیا جائے گا۔ یہ ہی وہ مرتبہ ہے جس پر لفظ فسق کا اطلاق کیا جاتا ہے کسی جگہ لفظ کفر کے اطلاق سے یہ سمجھنا کہ یہ شخص ایمان سے بالکل علیحدہ اور بیگانہ ہو گیا سخت غلطی ہے۔ جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس ہی لیے امام بخاری اور دوسرے ائمہ کو تصحیح کرنی پڑی کہ اس پر تنبیہ کر دیں اور کہہ دیں کہ ''المعاصی من امر الجاھلیۃ ولا یکفر صاحبھا بارتکابھا الا بالشرك'' (بخاری ۱/۹) اور اسی ہی بنا پر جمہور اہل سنت والجماعت کا متفقہ مسلک ہے کہ کبائر اور معاصی کی بنا پر کسی کو خارج از ملت اور خارج از ایمان نہیں کہا جائے گا جب تک کہ اس سے قطعیات کا جحود اور انکار ثابت نہ ہو جائے۔ پس تارک صلوٰۃ عمداً کے متعلق حدیث میں یا اقوال ائمہ میں لفظ کفر کا وارد ہونا کلی مشکک کے طور پر ہے جو اگر چہ اطلاق حقیقی ہوتا ہے کیوں کہ کلی مشکک کا اطلاق اپنے تمام افراد پر خواہ وہ قوی ہوں یا متوسط یا ضعیف سب پر حقیقی ہوتا ہے مگر اس کے تمام مراتب مختلفہ کو کفر ہی کہا جائے گا البتہ ہر مرتبۂ کفر کو خارج از ملت اسلامیہ اور عدم ایمان قرار دینا سخت غلطی ہوگا۔ آپ نے جو عبارتیں نقل فرمائی ہیں ان میں انہیں امور مذکورہ بالا درجات مختلفہ پر اہل سنت والجماعت کے یہاں اس کا اطلاق مبنی ہے اگر کہیں اختلاف نظر آتا ہے تو وہ لفظی ہے حقیقی نہیں ہے۔ ہاں معتزلہ اور خوارج کے یہاں حقیقی ہے جو اہل تبلیغ اس کے مخالف مسلک اختیار کر رہے ہیں وہ غلط کار ہیں کسی شخص پر کفر کا فرد کامل اطلاق کر کے اس کو غیر مومن قرار دینا اور خارج از ملت بتلانا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کو خالد ابدی جہنم میں بتایا جائے اور یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس کے لیے کبھی بھی دخول جنت نہ ہوگا حالاں کہ جس شخص کے قلب میں ذرہ برابر بھی ایمان متحقق ہوگا(۱) وہ ضرور بالضرور کسی نہ کسی وقت نجات عن النار حاصل کر کے مشرف بالجنت ہوگا یہ درجہ تو شفاعت من النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور پھر اس سے بھی کم درجہ ایمان کا(۲) موجب نجات بحثیات اللہ سبحانہ ہوگا(۳) لہٰذا ایسی تکفیر بہت ہی زیادہ قابل احتیاط اور مستحق غور وفکر ہے اسی بنا پر علماء کلام انتہائی احتیاط برتتے ہوئے فرماتے ہیں لا نکفر احدا من اھل القبلۃ اور فرماتے

---

۱) مشکوۃ ص ۴۸۹ حصہ ثانی باب الحوض والشفاعۃ مر قدیمی

۲) وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ عزوجل وعدنی ان یدخل الجنۃ من امتی اربعمائۃ الف بلا حساب فقال ابوبکر زدنا یا رسول اللہ قال وھکذا فحثا بکفیہ وجمعھما الخ مشکوٰۃ شریف باب الحوض والشفاعۃ ص ۴۹۴، ج۱ حصہ ثانی مر قدیمی ومثلہ وثلث حثیات من حثیات ربی ص ۴۸۶ مشکوۃ شریف باب الحساب والقصص

۳) اللہ تعالیٰ لپ بھر کر خطا کاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرے گا۔

ہیں اگر کسی شخص کے قول و فعل میں ۹۹ وجوہ کفر کی پائی جائیں اور ایک احتمال ایمان کا پایا جائے تو اس کی تکفیر نہ کرنی چاہیے۔ جو لوگ تصدیق قلبی ضروریات دین کی کرتے ہوئے اقرار باللسان عمل میں لاتے ہیں مگر تمام عمر انہوں نے چہرہ قبلہ کی طرف نہ کیا اور نہ نماز پڑھی ان کو اہل قبلہ سے نکالنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ کیا آپ ان آیات اور احادیث سے غافل ہیں جو مجرد ایمان پر نجات کی گواہیاں دے رہی ہیں کم از کم حدیث بطاقہ (۱) پر غور فرمالیں اور ان آیات واحادیث پر غور کریں جو ہم نے رسالہ مذکورہ (۲) میں ذکر کر دی ہیں۔ شرط کسی امر کا کفر ہونا اور بات ہے اور مرتکب کا کافر اور مشرک ہونا دوسری بات ہے لوگ اس میں بہت کم تمیز کرتے ہیں جس شخص کے کفر اور شرک کا تحقق ہو جائے ضروری نہیں ہے کہ عند اللہ بھی کافر اور مشرک قرار دیا جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الواح توریت کو پٹک دیا یہاں تک کہ بعض ٹوٹ گئیں کما فی بعض التفاسیر اور حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچ کر گرا دیا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مراتب عالیہ میں ذرا بھی فرق نہیں آیا یوم محشر میں قبطی کے قتل پر جو کہ کافر حربی تھا ان کو خوف ہوگا مگر ان دو امور مذکورہ بالا کا تذکرہ بھی نہیں فرمایا۔ پس غور فرمائیے اور جلد بازی سے کام نہ لیجئے مودودی صاحب نے مثل خوارج و معتزلہ بہت جلد بازی سے کام لیا اب تاویلیں کرتے ہیں کہ میں نے تغلیظا اور تخویفا کہا ہے مگر یہ تاویل چل نہیں سکتی ہے۔

(مخطوطات مبارکہ ص ۱۱۲)

کیا امامت پر تنخواہ لینا غلط ہے

﴿س﴾

زید کہتا ہے کہ امامت پر تنخواہ لینا صحیح نہیں ہے۔ کیا اس کا قول درست ہے۔

﴿ج﴾

زید کا کہنا غلط ہے پنج وقتہ نماز پڑھانے پر جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے اور اذان و تکبیر پر تنخواہ لینا شرط کرنا، کم وبیش پر گرفت کرنا صحیح ہے حسب قول مفتی بہ اس کو اپنی نماز کا جماعت کا، لوگوں کی ہدایت کا ثواب ملے گا۔ (۳)

---

۱) فتخرج بطاقة فيها اشهد ان لا اله الا الله وان محمد اعبده ورسوله فيقول احضر وزنك الى آخر الحديث وثقلت البطاقة فلا يثقل مع اسم الله شيء رواه الترمذي وابن ماجه مشكوة شريف ص ۴۸۶ باب الحساب والقصاص والميزان مر قديمی وہ کاغذ کا پرچہ جس میں لا الہ الا اللہ لکھا ہوگا جو اعمال نامہ کے ترازو پر بھاری ہوگا۔

۲) اس سے مراد رسالہ "ایمان و عمل" ہے۔

۳) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والامامة والاذان (الدر المختار ۹/۹۴)

مدرس کا تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ کرنا

﴿س﴾

جو مدرس اپنی تنخواہ میں اضافہ کا طلبگار ہو اس کا یہ عمل کیسا ہے۔

﴿ج﴾

تعلیم قرآن وحدیث ودینیات پر اجرت لینی جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے تو پھر تنخواہ کی کسی مقدار کو شرط کرنا یا اضافہ کی درخواست کرنا وغیرہ مثل دیگر اجرتوں کے یقیناً جائز ہوگا پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں، علی ہذا القیاس جب کہ امامت، موذنی وغیرہ پر اجرت لینی جائز ہے تو اس میں بھی یہ سب امور جائز ہونگے اور ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح اور کامل ہوگی۔ (مکتوبات ۴/۵۷)

تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا

﴿س﴾

حضرت تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی جہر پڑھتے تھے مسلسل چند روز تک دیکھنے کے بعد آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت والا ایسا کیوں کرتے ہیں؟ (مولانا نعیم احمد صاحب دیوبندی)

﴿ج﴾

فرمایا کہ میں تراویح میں حفص کی قراءت کرتا ہوں ان کی تحقیق یہ ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے۔ اس لیے میں اس کی پابندی کرتا ہوں لیکن چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لیے میں فرائض میں ایسا کرنے سے احتیاط برتتا ہوں مگر نوافل میں حفص کی تحقیق پر اس لیے عمل کرتا ہوں کہ ان کے نزدیک بھی پورا قرآن ختم ہو جائے۔ ورنہ خواہ مخواہ ایک ایک آیت ہر سورۃ میں تلاوت سے رہ جایا کرے گی اور اس طرح بعض لوگوں کے نزدیک پورا قرآن ختم نہ ہو سکے گا۔

مجھے حیرت ہے کہ لوگ علیہ اللہ اور بسم اللہ مجریھا و مرسھا میں تو حفص کی قرأت کا لحاظ کر کے عام قاعدہ کے برخلاف پڑھتے ہیں۔ پھر بسم اللہ کی جہراً قرأت میں اور وہ بھی نوافل میں کیوں تامل کیا جا رہا ہے۔ میں تراویح میں پورے قرآن کے ختم کے خیال سے حفص کی تحقیق پر عمل کرتا ہوں اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں

ہوتی۔ (۱) (شیخ الاسلامؒ واقعات وکرامات کی روشنی میں ص ۱۴۷)۔

ختم تراویح کے وقت مٹھائی کی تقسیم

﴿س﴾

ختم تراویح پر کچھ تقسیم کرنا درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

ختم تراویح میں کچھ تقسیم کرنا روایات میں نظر سے نہیں گذرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہ سورۂ بقرہ کو یاد کرلیا تو خوشی میں احباب کی کھانے کی دعوت کی (۲) اس روایت سے اور اس ہی قسم کی دوسری روایات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اگر ختم قرآن جیسی نعمت حاصل ہونے پر احباب وغیرہ کو کچھ پیش کیا جائے تو خلاف شرع نہ ہوگا اور امید ہے کہ ذریعہ خوشنودی باری عزاسمہ ہو مگر جو طریقہ آج کل رائج ہو رہا ہے کہ مساجد میں اہل و نا اہل سب جمع ہو کر نمازیوں کو مشوش کرتے اور شور وشغب عمل میں لاتے ہیں تقسیم میں مار پیٹ گالی گلوچ وغیرہ رونما ہوتی ہے بانٹنے کی چیزیں فرش مسجد پر گرتی ہیں اور فرش گندہ ہو کر نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے اور اس قسم کی بہت سی خرابیاں رونما ہوتی ہیں چندہ جبری طریقہ سے وصول کیا جاتا ہے غیر مستطیع (نادار) کو طعنے دیئے جاتے ہیں التزام مالا یلزم ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور ایسے ہیں جن کی بنا پر یا تو اس کو بالکل بند کرا دینا چاہیے یا اس کی اصلاح اس طرح کرنی چاہیے کہ اصحاب استطاعت (مالدار) حضرات اپنی خوشی سے جو کچھ میسر ہو لائیں اور مسجد سے باہر تقسیم کیا جائے مسجد میں کسی کو کچھ نہ دیا جائے۔ جو لوگ آئیں ان کو تاکید کی جائے کہ ختم تک بالکل ساکت و صامت (خاموش) رہیں دعا میں اخلاص کے ساتھ شرکت کریں بچوں اور شور شغب کرنے والوں کو مسجد سے باہر ہی بٹھایا جائے۔ (مکتوبات ۱/۱۹۵۔۱۹۶)

---

۱) اس سلسلہ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کا یہ فتویٰ بھی لائق ملاحظہ ہے "ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنا حضرت گنگوہیؒ کے یہاں تو معمول نہ تھا، مگر حکیم حافظ مسعود احمد صاحب پڑھا کرتے تھے تو حضرت نے ان کو منع بھی نہیں فرمایا۔ اور شامی میں یہ ہے کہ وصرح فی المجتبی ان سمی بین الفاتحة والسورة المقروة سراً او جهراً كان حسناً عند ابی حنيفة ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبی لشبهة الاختلاف فی کونها آية من كل سورة بحر ۲ ۲۳۵ خلیل احمد عفی عنہ (فتاوی مظاہر علوم ۱/۴۹)

۲) عن ابن عمر رضی الله عنه تعلم عمر بن الخطاب رضی الله عنه البقرة من اثنی عشرة سنة فلما اتمها نحر جزوراً (شعب الایمان للبیهقی- بیروت ۲/۳۳۱)

تراویح پر اجرت

﴿س﴾

اجرت پر تراویح سنانا کیسا ہے اور اس طرح نماز درست ہوگی یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر حافظ رمضان شریف کے اندر قرآن سنانے پر کوئی مقدار شرط کرتا ہے یا اگر مقتدی اس کو کچھ نہ دیں یا کم دیں تو جھگڑتا ہے قرآن سنانا بند کر دیتا ہے اگر چہ شرط زبانی نہیں کرتا مگر معاملہ ایسا ہی کرتا ہے تو اس صورت میں اس کا رقم لینا جائز نہیں (۱) نماز ادا ہو جائے گی مگر وہ فضیلت قرآن کے سننے اور سنانے کی حاصل نہ ہوگی اور اگر حافظ نے کوئی شرط زبانی یا عملی نہیں کی اخلاص سے لوجہ اللہ سناتا ہے اور مقتدی اس کو بلا طلب کچھ دیتے ہیں خواہ کم ہو یا زیادہ تو اس کو لینا جائز ہے اور کسی کی نماز اور ثواب میں کوئی خلل نہیں بلکہ مقتدیوں کو مزید ثواب کی امید ہے۔
(مکتوبات ۴/۵۰)

نمازِ جنازہ

﴿س﴾

نمازِ جنازہ کن کن لوگوں پر پڑھی جائے گی۔

﴿ج﴾

جنازہ کی نماز ہر صالح اور طالح پر پڑھنا ضروری ہے جب کہ وہ مدعی اسلام ہو کفر جحود اور شرک صریح کا مرتکب نہ ہوا ہو اگر چہ زنا، شراب، سرقہ، کذب وغیرہ کا مرتکب اور اس پر مصر ہو۔ اگر سب مسلمانوں نے اس پر نماز نہ پڑھی اور بے نماز جنازہ دفن کر دیا گیا تو سب گنہگار رہوں گے کیونکہ نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے صلوا علی کل بر و فاجر (۲) ہاں اگر کوئی شخص مقتدا ہے اور اس کی ترک نماز سے لوگوں کو عبرت ہوتی ہو تو احتراز کرنا چاہیے (۳)۔ (مکتوبات ۴/۸۳)

---

۱) ویمنع القاری للدنیا والآخذ والمعطی آثمان (شامی ۹/۹۵)
۲) فالدلیل علی فرضیتها ما روی عن النبی ﷺ انہ قال صلوا علی کل بر و فاجر. (بدائع الصنائع ۲/۴۶)
۳) عن جابر رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ لا یصلی علی رجل علیه دین الخ (نسائی شریف ۱/۲۷۸)

رویت ہلال

﴿س﴾

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۱: اس ملک جنوبی افریقہ میں رویت ہلال کے متعلق بہت سے جدید تعلیم یافتہ حضرات کا اصرار ہے کہ چاند کی پیدائش کے متعلق سائنس جدید نے جو نئی دریافت اور تحقیق کی ہے اس ہی پر عمل کرتے ہوئے رمضان وعید وغیرہ کرتے رہنا چاہیے۔ اور ارشاد نبوی ﷺ صوموا لرویتکم وافطروا لرویتکم پر اس وقت تک عمل ضروری تھا جب تک اس تحقیق جدید کا انکشاف نہیں ہوا تھا مگر اب مذکورہ حدیث پر عمل متروک ہونا چاہیے اور چاند کی پیدائش کی پیروی کرنی چاہیے جو تحقیق کبھی غلط نہیں ہو سکتی ہے کیا ان حضرات کی دلیل قابل تسلیم ہے۔

۲: ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ مشرق وسطیٰ کے ممالک خصوصاً حجاز مقدس میں چاند کی پیدائش ہی پر عمل کیا جاتا ہے اور چاند کی رویت کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے کیا یہ دعویٰ صحیح ہے۔

۳: امسال یہاں پر صوبہ کیپ ٹاؤن کی ایک طائرانہ ٹیلی فون کی خبر پر بہت لوگوں نے عید منائی اور کیپ ٹاؤن یہاں سے ہزاروں میل دور ہے تو کیا یہ اقدام صحیح ہے۔

۴: بعض ہمارے علماء کا ارشاد ہے کہ ریڈیو پر ہندوستان یا پاکستان نے چاند دیکھنے کی خبر مل جانے پر جنوبی افریقہ والوں کو عمل کر لینا چاہیے کیا ان علماء کرام کا ارشاد بجا ہے۔ امید کہ ان سوالات کے تسلی بخش مدلل جوابات سے سرفراز فرما کر ہمیں شکر گزار کر کے عند اللہ ماجور ہونگے۔

﴿ج﴾

ا۔ یہ کوئی نئی تحقیق اور نیا نظریہ نہیں ہے سائنس قدیم میں بھی اس کی تحقیق ہو چکی ہے لیکن احکام کی بنیاد پیدائش ہلال پر نہیں رکھی گئی بلکہ رویۃ ہلال پر رکھی گئی ہے روزے حج زکوۃ وغیرہ جملہ مسائل اسی رویۃ پر مبنی ہیں پیدائش ہلال پر نہیں۔ (۱)

۲۔ میرے علم میں یہ ہے کہ مصر وحجاز وغیرہ میں رویۃ ہلال پر عمل ہوتا ہے پیدائش ہلال پر عمل نہیں ورنہ شہادت کا سلسلہ جاری نہ رہتا۔ جدید تحقیقات پر (بنا) نہیں ہے۔

۳۔ ان کا اقدام شرعی اور فقہی نظر سے صحیح نہیں ہے کہ ثبوت فطر (عید) کے لیے مطلع صاف نہ ہونے کی

---

۱) ولا عبرة بقول الموقتين ولو عدلاً على المذهب (درمختار ۴۵۸/۳ كتاب الصوم)

صورت میں شہادت عدلین یا شہادت علی الشہادت یا خبر مستفیض کا ہونا ضروری ہے صرف ٹیلی فون کی خبر کافی نہیں ہے کہ خبر محض ہے۔

وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة ولفظ اشهد ...... ولو كانوا ببلدة لاحاكم فيها صاموا بقول ثقة وافطر واباخبار عدلين مع العلة للضرورة (۱) لالو شهدوا برؤية غيرهم لانه حكاية الخ (۲) فانهم لم يشهدوا بالروية ولا على شهادة غيرهم الخ امر الناس بصوم رمضان لانه حكاية بفعل القاضي ايضا وليس بحجة بخلاف قضائه الخ نعم لو استفاض الخبر فى البلدة الاخرى لزمهم على الصحيح من المذهب مجتبى وغيره الخ (۳) ان عبارتوں سے ثابت ہے کہ ٹیلیفون کی خبر سے ان کا عید کر لینا صحیح نہ ہوا۔ (۴)

نمبر۴۔ پاکستان یا اور کہیں سے یہ اعلان ایک جانا بوجھا معتمد شخص کرے کہ رویۃ شہادت شرعیہ سے ثابت ہوگئی ہے جس کا میں اعلان کرتا ہوں اور جہاں چاند نہیں دکھائی دیا وہاں کے ارباب حل وعقد کو اس کی رویت کا ظن غلب ہو جائے تو ثبوت ہلال کا حکم کر سکتے ہیں اور روزہ وغیرہ ادا کرا سکتے ہیں کہ یہ شہادت شرعیہ کا محکم اعلان ہے اور اگر ریڈیو سے یہ خبر نشر ہوئی کہ آج یہاں عید ہے یا فلاں جگہ چاند دیکھا گیا ہمارے یہاں بھی آج رمضان ہے یا عید ہے تو اس کا اعتبار نہیں کہ خبر محض ہے شہادۃ نہیں ہے تا کہ اعتبار کیا جائے **فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب كما مر الخ** (۵) واللہ اعلم۔

(مخطوطات مبارکہ ص ۱۱)

رمضان کے روزوں کی قضا

﴿س﴾

جو روزے قضا ہو گئے ہیں، ان کو کس طرح ادا کیا جائے

---

۱) در مختار ۴۵۷/۳

۲) در مختار ۴۱۳/۳

۳) درالمختار ۴۱۳/۳ : كتاب الصوم : مطلب ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود : م رشيديه

۴) البتہ اگر متعدد جگہوں سے خبر مستفیض کے طور پر بذریعہ ٹیلیفون چاند کی خبر ملے تو اس پر عمل صحیح ہو سکتا ہے۔

۵) ۴۱۹/۳ مطلب في اختلاف المطالع : كتاب الصوم : م رشيديه

﴿ج﴾

رمضان شریف کے روزوں کے لیے اکثر متیقن یا کم از کم اغلب ظن پر جتنے دن ہوں ان کی قضا رفتہ رفتہ کیجیے (۱) یہ سردی کے ایام غنیمت باردہ ہیں۔ (مکتوبات ۲/۲۷۶)

صدقہ اور قرضہ

﴿س﴾

صدقہ اور قرضہ میں کس کا ثواب زیادہ ہے۔

﴿ج﴾

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ نے سورۂ مزمل کی تفسیر میں روایت نقل فرمائی ہے کہ صدقہ کا ثواب ایک کا دس اور قرض حسنہ کا ایک کا اٹھارہ ہے اور پھر اس کی وجہ ذکر فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمالیں (۲)

(مکتوبات ۱/۳۰۷)

کفار سے لی گئی زمین میں عشر نہیں

﴿س﴾

جو زمین کافروں سے خریدی جائے کیا اس میں عشر دینا ہوگا۔

﴿ج﴾

جو زمین کفار سے خریدی گئی ہے عشری نہیں ہے (۳) اگر بطور استحباب دیا جائے بہتر ہے جو لگان گورنمنٹ وصول کرتی ہے وہ حربی زمین میں کافی ہے البتہ اس کی آمدنی خواہ غلہ ہو یا نقد بطور تجارت کام میں لائی جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اموال تجاریہ کی زکوٰۃ کے طریقہ پر واجب ہوگی (۴)۔ (مکتوبات ۱/۳۶۴)

---

۱) وقضاء رمضان ان شاء فرقه وان شاء تابعه لاطلاق النص (هدايه ۱/۲۲۲)

۲) في جمع الفوائد عن ابى امامةؓ مرفوعاً دخل رجل الجنة فرأى على بابها مكتوبة الصدقة بعشر امثالها والقرض بثمانية عشر (طبرانى) جميل الرحمن

۳) ويحتمل ان يكون احترازا عما وجد فى دارالحرب فان ارضها ليست ارض خراج او عشر (شامى ۳/۳۰۳)

۴) وقيمة العرض للتجارة تضم الى الثمنين (در مختار ۳/۲۷۸)

زکوٰۃ بنی ہاشم کے متعلق ابوعصمہ کی روایت کی تحقیق

﴿س﴾

کیا ابوعصمہ کی روایت کی بنیاد پر سادات بنی ہاشم کی لیے اخذِ اموال زکوٰۃ کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

﴿ج﴾

''چنانکہ سلاطین ذوی الاقتدار سماحت شعار اموال نذر و نیاز اور مخارج خاصہ حاضر نمی نمایند بلکہ در مخارج سائر اہل عزت و افتخار مثل شہزادہ ہائے عالی مقدار و امرائے کبار تجویز بدل فرمایند بلکہ مصارف ایں اموال نزد ایشاں ذوی الحاجات و انعامات اند و پس ہم چنیں حضرت ملک الاملاک اموال زکوٰۃ را بر پیغمبر ﷺ کہ مخارج آنجناب فی الحقیقۃ از مخارج خاصہ حضرت رب الارباب است بر سائر بنی ہاشم کہ علاقہ اخوت و نبوت باآنجناب میداشتند تحریم فرمود و مصارف آں اموال از ذوی الحاجات معین نمود پس کسانیکہ برایشاں صدقات تحریم فرمودہ اند عزت و افتخارے حاصل شدہ کہ شکر آں ہیچ زبان او نمی توانند کرد اگر فقط در مقالہ ہمین نعمت صدہا انواع عبادات و ہزار ہا اقسام طاعت بجا آرند ایشاں رامی سزد و نسبت مقابلہ مثل ایں نعمت عظمیٰ بہ کفران و ارتکاب عصیاں بکدام پایہ می رسند (صفحہ ۹۳ صراط مستقیم ملفوظات حضرت سید احمد شہیدؒ)

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ ابوعصمہ کی روایت (۱) کو تم اس زمانہ میں ترجیح دینا مناسب سمجھتے ہو اسماء الرجال میں ابوعصمہ کو غیر معتبر شمار کیا گیا ہے فقہا اس روایت کو خود شاذ لکھتے ہیں جو علت اس روایت کی ذکر کی گئی ہے وہ خمس سے بنی ہاشم کا محروم ہو جانا جس کا سبب بیت المال کا فساد ہے مگر یہ تعلیل نص کے معارض ہے نص میں اس کو اوساخ ناس کہا گیا ہے (۲) روایات صحیحہ دیکھو کیا محتاج سے محتاج کے لیے اوساخ کھانا کسی صاحب عزت و مروت سے جائز ہوگا۔ مضطر کے لیے تو میتہ بھی حلال ہوگا مگر بحث غیر مضطر میں ہے۔

پس یہ تعلیل جو اس فتویٰ کی بعض متاخرین ذکر کرتے ہیں اور خود اس روایت کی وجہ امام سے کتب میں دکھائی گئی ہے قابل اعتماد نہیں ہے ہم اگر اس سے قطع نظر کریں تو بھی بنی ہاشم اور خود جناب رسول اللہ ﷺ کی حالت فقر و فاقہ آج کل کے فقراء بنی ہاشم سے دنیاوی معیشت کی حیثیت سے بہت زیادہ گری ہوئی تھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا چکی پیسنا جس سے ہاتھوں میں گھٹے پڑ جاتے۔ پانی بھرنا جس سے کندھوں پر گھٹے پڑ جاتے اور اس وجہ سے خادم طلب کرنا اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ کا ان کو خادم نہ دینا احادیث میں مذکور ہے کتاب اللقطہ میں فاقوں میں

---

۱) ابو عصمہ کی روایت یہ ھے وروی ابو عصمة عن ابی حنیفۃ ان یجوز فی ھذ الزمان وان کان ممتنعاً فی ذلك الزمان (عینی شرح ھدایہ ۱/۷۰ لـ فتح القدیر ۲/۲۸۲)

۲) ان الصدقة لا تنبغی لآل محمد انما ھی او ساخ الناس (مسلم شریف ۱/۳۴۴)

گذران کرنا اور دینار لقطہ میں پانا وغیرہ مذکور ہے جس سے ان کی تنگی معیشت کی انتہائی حالت معلوم ہوتی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا پوستین پہن کر فاقہ سے تنگ ہو کر نکلنا اور یہودی کے باغ میں ایک ایک کھجور پر ڈول بھرنا وغیرہ اس قدر واقعات ہیں کہ جن کو اگر دیکھا جائے کہ خود زمانہ سعادت میں آج کل کے فقر و فاقہ سے نہایت سخت حالت بنی ہاشم کی حالت معلوم ہوتی ہے مگر اس وقت میں اجازت نہیں دی گئی اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ آج اس پر فتویٰ دے کر مقابلہ نصوص کیونکر کیا جائے اور ظاہر الروایات اور احادیث صحیحہ کو ترک کیا جائے اور اگر بالفرض ایسا کرنا ہی ہے تو صدقات نافلہ کی اجازت کیوں نہ دیجائے اور اگر ضرورت ہی ہو تو تملیک کا طریقہ کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ صراط مستقیم کی عبارت کو اسی واسطے پیش کر رہا ہوں کہ سمجھ میں آئے کہ کتنی عظیم الشان نعمت بارگاہ الٰہی سے بنی ہاشم کو عطاء کی گئی ہے اس کے ہوتے ہوئے ہزار فاقہ بھی تحمل کئے جاسکتے ہیں ہاں اگر حالت شرعی اضطرار کو پہنچی ہو تو البتہ بمقدار اضطرار مثل میتہ اجازت ہوگی۔ (مکتوبات ۱/۳۶۹-۳۷۱)

حاجی کو پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیے یا مکہ مکرمہ

(س)

۲۷ شوال ۴۷ھ محمدی جہاز پر عرض کیا گیا پہلے مدینہ منورہ حاضری دی جائے یا میقات سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ جائیں۔

(ج)

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ پہلے مکہ معظمہ جانا افضل ہے یا مدینہ منورہ مگر آیت ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيماً اور قاعدہ شفاعت اسی کا مقتضی ہے کہ پہلے شفیع کی خدمت میں حاضر ہو اور اسی کی سفارش لے کر شہنشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ (یہ نصوص) اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ مدینہ منورہ اول حاضر ہوں آئندہ اختیار ہے۔ مطوفین اس کے خلاف زور دیتے ہیں اس میں ان کے مصالح ہیں (۱)۔ (مکتوبات ص۱۰۰ ج ۳)

---

(۱) فقہائے احناف کا نظریہ اس بارے میں یہ ہے کہ اگر حج فرض ہے تو پہلے مکہ مکرمہ جانا افضل ہے اور اگر نفلی حج ہے اور مدینہ منورہ سے گذر نہیں ہوا ہے تو اختیار ہے والحج ان كان فرضاً فالا حسن ان يبدأ به ثم يثنى بالزيارة وان كان نفلا كان بالخيار (عالمگیری ۱/۲۶۵) وفي الدر المختار : ويبدأ بالحج لو فرضاً ويخير لو نفلاً مالم يمر به فيبدأ بزيارته لا محالة (در مختار) وفي الشامي : قال في شرح اللباب وقد روى الحسن عن ابى حنيفة انه اذا كان الحج فرضاً فالا حسن للحاج ان يبدأ بالحج ثم يثنى بالزيارة وان بدأ بالزيارة جاز، وهو ظاهر اذ يجوز تقديم النفل على الفرض اذا لم يخش الفوت بالاجماع (شامی ۴/۶۳) شرح لباب کی تعلیل اذا لم يخش الفوت بالاجماع سے معلوم ہوتا ہے کہ حج فرض کی صورت میں پہلے مکہ مکرمہ حاضری حج کے اہتمام کی بنا پر ہے لہٰذا اگر پہلے زیارت مدینہ طیبہ میں حج کے اہتمام میں کوئی کمی نہ آتی ہو اور نیت شفاعت حاصل کرنے کی ہو تو پھر پہلے حاضری مدینہ منورہ کو بھی افضل کہا جاسکتا ہے یہی حضرت کا موقف ہے۔

حرم کی اشیاء باہر لانا

﴿س﴾

حرم شریف کی کنکریاں یا خشت یا شکستہ پتھر وغیرہ بطور تبرک لے کر اپنے پاس رکھنا کیسا ہے۔

﴿ج﴾

شوافع کے یہاں حرم کی کوئی چیز جنس ارض کی حتیٰ کہ صراحیاں بھی حرم سے نکالنا جائز نہیں ہے مگر حنفیہ غیر ضروری اور زائد کی یا ان چیزوں کی جو انسانی ضرورتوں کے لیے بنائی گئی ہوں اجازت دیتے ہیں (۱)۔

(مکتوبات ص ۱۰۰، ج ۳)

حرم شریف سے بطور تبرک پتھر لانا

﴿س﴾

کارکنان مسجد نبوی ﷺ سے کسی پتھر کو بطور تبرک حاصل کرنا کیا حکم رکھتا ہے۔

﴿ج﴾

حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔ (مکتوبات ص ۱۰۰ ج ۳)

تبرکات وغیرہ کی بیع

﴿س﴾

اشیاء مذکورہ بصورت خرید یا ہدیہ درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

ہر دو حنفیہ کے ہاں درست ہے (۲) مکتوبات ص ۱۰۰، ج ۳

---

۱) ولا بأس باخراج حجارة الحرم وترابه الى الحل عندنا (عالمگیری ۶۱/۴) شامی

۲) ثم لا بأس بان يشترى منهم (عالمگیری ۲۶۴/۱)

مدینہ منورہ میں قیام کی کم از کم مقدار

﴿س﴾

زائرین حرم کو مدینہ منورہ میں زادہا اللہ شرفاً وعظمۃً میں کم از کم کتنے دن قیام کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

مدینہ منورہ میں کم از کم ۸ دن ضرور قیام فرمائیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جس شخص نے میری مسجدؐ میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھیں کہ کوئی نماز فوت نہ ہوئی ہو تو اس کے لیے نفاق اور نار سے براءت کی جاتی ہے[1] لہٰذا آٹھ دن اس التزام کے ساتھ قیام فرمائیں کہ مستقل طریقہ پر چالیس نمازیں با جماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ادا ہو جائیں اور حتی الوسع کوشش کیجئے کہ اس حصہ میں یہ فرائض ادا ہوں جو کہ زمانۂ نبوت میں مسجد تھا اس کی علامتیں ستونوں پر بنی ہوئی ہیں۔ (مکتوبات ۱/۱۲۱)

اپنے حج سے پہلے والد صاحب کو حج کرانا

﴿س﴾

کیا مجھے اپنا حج کرنے سے پہلے والد صاحب کو حج کرانا ضروری ہے۔

﴿ج﴾

اگر والد صاحب پر حج فرض ہو چکا ہو تو بہتر ہے کہ ان کو فریضۂ حج ادا کرا دیجئے اور اگر ان پر فرض نہ ہوا ہو (یعنی کوئی زمانہ ایسا نہ آیا ہو کہ وہ ایام حج میں اتنے مال کے مالک ہوئے جس سے اس وقت فرض حج ادا کر سکتے یا انہوں نے فریضۂ حج ادا کر لیا ہو) تو آپ خود جائیں۔ (مکتوبات ج:۴ص:۱۶۲)

حج بدل

﴿س﴾

حج بدل اپنا حج کئے بغیر درست ہے یا نہیں۔

---

۱) قال السمهودي : وروى احمد والطبراني في الاوسط ورجاله ثقات عن انس بن مالك حديث من صلى في مسجدي اربعين صلوة زاد الطبراني لا تفوته صلوة كتب له برائة من النار و براءة من العذاب وبرئ من النفاق (وفاء الوفاء ۳/۴۲۴)

﴿ج﴾

حج بدل میں اس شخص کے لیے جو کہ اپنا فریضہ ادا نہیں کر چکا ہے خلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے موافقین ناجائز بتلاتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مکروہ فرماتے ہیں تحریماً اس کے لیے جو پہلے سے مالک زادوراحلہ تھا اور تنزیہاً اس کے لیے جو پہلے سے غیر مستطیع تھا۔ مگر ہر دو حالت میں فریضہ آمر ادا ہو جائے گا۔ البتہ مامور (یہ حج بدل کرنے والا) فقیر جب میقات حدود حرم میں پہنچ گیا تو اس پر بھی حج فرض ہو جائے گا اب یا تو یہیں ایک سال رہ کر اگلے سال اپنا حج کر کے لوٹے ورنہ وطن واپس آ کر حج اسلام ادا کرے ورنہ گناہگار ہوگا۔ (۱)

(مکتوبات ۲/۲۹۶۔۲۹۷)

سفر حج موٹر پر

﴿س﴾

سفر حج میں اونٹوں کے بجائے موٹر سے سفر کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔

﴿ج﴾

اونٹوں کا سفر کوئی مقصود بالذات نہیں ہے جبکہ موٹر کا سفر بہت سے مصالح کو مشتمل ہے تو جہاز اور ریل کی طرح اس کو بھی فضیلت ہوگی۔ (مکتوبات ج ۱، ص ۱۱۹)

مدینہ منورہ کی بالقصد حاضری

﴿س﴾

مدینہ منورہ کی حاضری میں زائر کی کیا نیت ہونی چاہیے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ محض مسجد شریف

---

۱) والافضل احجاج الحر العالم بالمناسك الذى حج عن نفسه وهو يدل على كراهة تنزيه والاقال ويجب الخ والحق انها تنزيهيه على الأمر تحريمية على الصرورة المامور الذى اجتمعت فيه شروط الحج عن نفسه لانه آثم بالتاخير (البحر الرائق ۳/۶۹) وقال فى غنية الناسك: لا يخفى عليك انه باطلاقه يقتضى انه بوصوله الى الميقات يجب الحج عليه (غنية الناسك ۱۸۱)

(ضروری نوٹ) غیر مستطیع شخص اگر دوسرے کی طرف حج بدل کرے تو اس پر حج فرض ہونے کے متعلق فقہاء متاخرین کا اختلاف ہے علامہ شامیؒ نے اس پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے عدم فرضیت کو راجح قرار دیا ہے۔ (شامی مطلب فی حج الضروره ۴/۲۶) محمد سلمان

کی زیارت کا ارادہ محرک ہو۔ نیز اس ضمن میں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ حضور e کی حیات شہداء کی مانند محض روحانی ہے یا آپ جسم اقدس کے ساتھ زندہ بھی ہیں۔

﴿ج﴾

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مسلک حضوری مدینہ کے بارے میں مرجوح بلکہ غلط ہے۔ مدینہ منورہ کی حاضری محض جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت اور آپ کے توسل کی غرض سے ہونی چاہیے آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین وشہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے(۱) آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیے۔ محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضا صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہوسکتی ہے۔ اسی وجہ سے میرے نزدیک (افضل) یہی ہے کہ حج سے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیے اور آپ کے توسل سے نعمت قبولیت حج وعمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے مسجد کی نیت خواہ تبعاً کرلی جائے مگر اولیٰ یہی ہے کہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کی جائے تاکہ لا یحملہ حاجة الا زیارتی والی روایت پر عمل ہو جائے۔

(مکتوبات ۱/۱۱۹۔۱۲۰)

روضۂ اقدس پر حاضری

﴿س﴾

روضۂ مقدسہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے وقت زائر کی کیا کیفیت ہونی چاہیے۔

﴿ج﴾

حاضری روضہ مبارک کے وقت آنحضرت علیہ السلام کی روح پرفتوح کو وہاں جلوہ افروز سننے والی جاننے والی، غایت جمال وجلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جاوے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جائے۔ (مکتوبات: ج ۱ ص ۳۰۶)

---

۱) انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات مبارکہ کے اس مسئلہ کو جس کی جانب جواب میں اشارہ کیا گیا ہے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے اپنی تصانیف آب حیات و جمال قاسمی وغیرہ میں بدلائل واضح فرمایا ہے اور حدیث لا تحملہ حاجة کا پورا متن یہ ہے جس کو امام تقی الدین سبکیؒ نے بروایت طبرانی و دار قطنی وغیرھما شفاء السقام کے ص:۱۳۰ پر بیان کیا ہے من جاء نی زایراً لا یحملہ الا زیارتی کان حقاً علی ان اکون لہ شفیعا لہ یوم القیامۃ (جمیل الرحمٰن)

کامل دسترس

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کی فقہی بصیرت کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ فقیہ بھی تھے، مسائل فروعیہ فقہیہ پر کامل دسترس ان کے استحضار پر قدرت تامہ بلکہ وسعت علم کی بنا پر اقوال مختلفہ میں مرجحانہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ مذاہب اربعہ کے جزئیات فقہیہ اور روایات مختلفہ حافظہ میں مستحضر تھے جب کبھی اختلافی مسائل کا تذکرہ ہوا شافعیہ و مالکیہ وحنابلہ کے اقوال مختلفہ پیش فرما دیتے تھے۔

(الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر مطبوعہ پاکستان ص:۹۷)

اذکار وآدابِ دعا وغیرہ

اجتماعی مجالس ذکر

﴿س﴾

ناچیز (مولانا نجم الدین اصلاحی) نے یہ سوال کیا تھا کہ مسند دارمی شریف میں ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہم لوگ قبل نماز فجر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر ان کے انتظار میں بیٹھتے اور ساتھ ہو کر مسجد آتے، ایک روز ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گھبرائے ہوئے آئے اور ہم سے پوچھا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نکلے یا نہیں، ہم نے کہا نہیں، وہ بھی انتظار میں بیٹھ گئے، جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نکلے تو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی ابھی میں نے مسجد نبوی میں ایک امر منکر دیکھا ہے۔ لیکن دیکھنے میں بھلا معلوم ہوتا ہے۔ ابن مسعود! کیا دیکھا ہے؟ ابوموسیٰ: میں نے ایک جماعت کو دیکھا کہ ہمارے انتظار میں مسجد نبوی میں حلقے باندھ کر بیٹھی ہے اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں، ہر حلقے میں ایک شخص ہے جو کہتا ہے کبر مائة تکبیرة فیکبرون مائة یعنی سو بار تکبیر کہو، وہ سو بار تکبیر کہتے ہیں، پھر کہتا ہے سو بار لا اله الا الله کہو وہ لا اله الا الله کہتے ہیں پھر اسی طرح سو بار سبحان اللہ کہنے کی ہدایت کرتا ہے، وہ سبحان اللہ کہتے ہیں، ابن مسعود! تم نے کیا کہا؟ ابو موسیٰ: آپ کے انتظار میں میں نے کچھ نہیں کہا، بات کرتے کرتے دونوں صاحب مسجد میں پہنچ گئے تو دیکھا کہ ابو موسیٰ کے بیان کے مطابق مسجد نبوی میں ذکر جاری ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک حلقہ والوں سے مخاطب ہو کر پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ کنکریاں ہیں ان پر اللہ کی تکبیر و تہلیل و تسبیح پکارتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بجائے تکبیر و تہلیل اور تسبیح کے اپنے گناہوں کو شمار کرو میں ضمانت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسنات کو ضائع نہیں کرے گا۔ افسوس ہے تم پر اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کس قدر جلدی تمہاری خرابی پہنچ گئی ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تم میں کثرت سے موجود ہیں ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال کے برتن بھی نہیں ٹوٹے تو شاید تم ایسے طریقے پر ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے عمدہ اور زیادہ ہدایت والا ہے۔ لوگوں نے معذرۃً کہا واللہ ما أردنا به الا الخير خدا کی قسم اس سے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کم من مريد الخير الخ کتنے خیر کے ارادہ کرنے والے ہیں جو ہرگز خیر کو نہیں پہنچے۔ (دارمی، ص: ۳۸)

اس روایت کو خدمت اقدس میں پیش کر کے یہ شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ صوفیاء کا موجودہ سلسلہ ایسا ہے جس میں اس طرح کے اشغال و وظائف اور ذکر کے حلقے پائے جاتے ہیں جو اس روایت کی روشنی میں محدث کہے جا سکتے ہیں اور ان پر نکیر کرنا جائز ہو جاتا ہے۔



(۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطریق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوماً یذکرون اللہ تنادوا ھلموا الی حاجتکم فیحفونھم باجنحتھم (الی ان قال) فیقول انی اشھدکم انی قد غفرت لھم قال فیقول ملک من الملائکۃ فیھم فلان لیس منھم انما جآء لحاجۃ قال ھم الجلساء لا یشقی جلیسھم۔ (۱)

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یقول اللہ (تعالی) انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فاذا ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاءٍ ذکرتہٗ فی ملاءٍ خیر منھم (مسلم شریف ۳۴۱/۲) ومن تقرب منی شبراً تقربت منہ ذراعاً۔ (۲)

(۳) عن عبداللہ بن عمرو ان رسول اللہ ﷺ مر بمجلسین فی مسجدہ فقال کلاھما علی خیر واحدھما افضل من صاحبہ اما ھولاء فیدعون اللہ ویرغبون الیہ فان شاء اعطاھم وان شاء منعھم واما ھٰولآء فیتعلمون الفقہ أو العلم ویعلمون الجاھل فھم افضل وانما بعثت معلما ثم جلس فیھم۔ رواہ الدارمی (۳)

یہ روایات اوران کے ہم معنی شیخین وغیرہما کی مرفوعات صحیحہ ہیں ان کے مقابلہ میں دارمی کی وہ روایت جو آپ نے ذکر فرمائی ہے کیا حیثیت رکھتی ہے جبکہ وہ موقوف ہے اوراس کے رواۃ متفق علیہ نہیں ہیں اگر چہ ثقاۃ ہیں اس لیے اگر معارضہ کیا جائے گا تو احادیث مذکورہ بالا کو ہی ترجیح ہوگی۔ خصوصاً جبکہ اطلاق آیات ذکران کے موید ہو(۴)۔ فاذکر واللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم الآیۃ (آل عمران) (۵) یا ایھا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلاً (احزاب) وغیرہ جن سے اجتماع وانفراد سب کا ثبوت ہوتا ہے اوراگر کوئی صورت جمع کی نکالی جائے تو یہ کہنا ممکن ہے کہ کوئی چیز ہر دو صاحبوں نے اس جماعت میں ایسی مشاہدہ فرمائی ہو جو کہ زمانہ سعادت میں نہیں پائی گئی اوراس میں افراط وتفریط کا شائبہ تھا اس بنا پر منع کیا نہ کہ نفس

---

۱) بخاری شریف ج ثانی ص۹۴۸ باب فضل ذکر اللہ تعالی
۲) مشکوٰۃ شریف ص۱۹۴ باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ الفصل الاول
۳) الفصل الثالث مشکوٰۃ شریف ص۳۶۔
۴) آیت نمبر۱۹۱: سورۃ آل عمران
۵) آیت نمبر۴۱ سورۃ الاحزاب

اجتماع بالذکر اوراس کی مباح کیفیات کو خط کشیدہ عبارات پر تینوں روایتوں میں غور فرمایئے اس روایت میں قرأت قرآن پر بھی تو نکیر ہے پھر کیا اس میں مطلقاً ممانعت جاری ہوسکتی ہے۔ اور اگر ایسا کیا جائے تو آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کا خلاف لازم نہیں آئے گا اور اگر اس میں کوئی تخصیص ایسی کی جاوے جو کہ محط انکار ہوسکتی تھی تو حلق ذکر میں کسی خاص کیفیت پر یہ ممانعت محمول ہوگی (۱)۔ واللہ اعلم

(مکتوبات ۲/ ۶۱۔۶۴)

ذکر جہری کب افضل ہے

(س)

ذکر جہری اور سری میں افضل کون ہے۔

(ج)

ذکر جہری بہتر ہے بشرطیکہ کسی کو ضرر نہ پہنچے (۲)۔ (مکتوبات ۱/ ۳۰)

ذکر کرتے وقت پان کی گلوری منہ میں رکھنا

(س)

ذکر کرتے وقت اگر پان کی گلوری منہ میں ہو تو حرج تو نہیں۔

(ج)

منہ میں گلوری رکھ کر اگر اس میں تمباکو نہ ہو ذکر وغیرہ میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں اگر تمباکو ہو تو کلی کرنا اور بدبو کو دور کر لینا چاہیے۔ (مکتوبات ۱/ ۱۹۰)

---

۱) فی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصل او قاری الخ (شامی .کتاب الصلوٰۃ مطلب فی رفع الصوت بالذکر ۲/ ۵۲۵)

۲) فالاسرار افضل حیث خیف الریاء او تأذی المصلین او النیام والجھر افضل حیث خلا مما ذکر لانہ اکثر عملا و لتعدی فائدتہ الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر فیجمع ھمہ الی الفکر ویصرف سمعہ الیہ ویطرد النوم ویزید النشاط (شامی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۹/ ۶۵۷)

قضاء حاجت کے وقت ذکر

(س)

کیا قضاء حاجت کے وقت مطلقاً ذکر ممنوع ہے۔

(ج)

پاخانہ اور پیشاب کے وقت میں صرف ذکر لسانی ممنوع ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک وہ بھی ممنوع نہیں لہٰذا سانس کا ذکر یا قلب یا روح یا سر یا خفی یا اخفی کا کسی طرح نہ ممنوع ہے اور نہ مکروہ یہ آپ کا توہم ہے شریعت سے اس کو تعلق نہیں (۱)۔ (مکتوبات ۲۰۷/۳)

قضاء حاجت کے وقت سر کھلا رکھنا مکروہ ہے

(س)

قضاء حاجت کے وقت اسی طرح کھاتے پیتے وقت سر کھلا رکھنا کیسا ہے۔

(ج)

پیشاب پاخانہ اور کھانے پینے کے وقت میں سر کھلا رہنا درست تو ہے مگر پیشاب پاخانہ ننگے سر مکروہ ہے (۲)۔ (مکتوبات ۸۷/۴)

شب براءت

(س)

شب براءت کی حقیقت کیا ہے اور اس میں کیا اعمال کرنے چاہئیں۔

(ج)

آپ شب براءت کے متعلق مجھ سے سوال فرماتے ہیں مجھ کو افسوس ہے کہ میرے پاس وہ کتب حدیث

---

۱) لانه ﷺ کان دائم الذکر لا ینقطع ذکره القلبی فی یقظة ولا نوم ولا وقت ما (بذل المجهود ۴/۱۸)
۲) ویدخل مستور الرأس (عالمگیری ۵۰/۱)

موجود نہیں ہیں جن سے حاصل کر کے میں آپ کو تفصیلی جواب لکھتا۔ فقط محفوظ مضامین پر کفایت کرتا ہوں۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان فرشتوں کو جو کہ اس عالم کے انتظام پر مقرر ہیں برأتیں یعنی حکم نامے دیئے جاتے ہیں۔ جن میں انتظامی معاملات، آجال ارزاق، امراض وغیرہ سال بھر کے لیے ذکر ہوتے ہیں لفظ براءت عربی میں ایسے ہی کاغذات کو کہتے ہیں جن میں حکومتوں کی طرف سے لوگوں کے لیے ایسے احکام ہوں۔ چونکہ یہ رات اس نظام کی وجہ سے خصوصیت رکھتی ہے اس میں جناب باری عز اسمہ کی توجہ اس عالم اور اس کے رہنے والوں کی طرف بہ نسبت اور راتوں کے زیادہ مبذول ہوتی ہے اس لیے اس میں مناسب سمجھا گیا ہے کہ بہ نسبت اور راتوں کے انسان بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں زیادہ حصہ لیں اور اس کی رحمت کو جس قدر بھی ہو سکے جذب کریں اس لیے اگر ہو سکے تو اس رات کو نوافل، قرأۃ، ذکر و دعا سے معمور کریں تمام رات ہو یا اکثر حصہ یا کچھ حصہ، کوئی خاص عبادت متعین نہیں اور نہ کوئی وقت متعین ہے، اس شب میں اپنے لیے اور اپنے بڑوں کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرنی چاہیے اور اگر ممکن ہو تو بغیر تزک و احتشام اور اجتماع کے قبرستان میں جا کر تمام مردوں کے لیے مغفرت کی دعاء کرنی چاہیے اور جو کچھ ہو سکے پڑھ کر ان کو بخشنا چاہیے، جو طریقہ لوگوں نے میلہ لگانے کا، قبروں پر چراغاں کرنے کا اور جماعت جماعت جانے کا جاری کیا ہے بالکل غلط ہے، اور جو لوگ قبرستانوں وغیرہ میں جا کر آتش بازی کرتے ہیں وہ سخت گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، علی ھذا القیاس حلوا وغیرہ پکانا اور اس کو مذہبی رسم شمار کرنا بالکل غلط چیز ہے، اگر مردوں کو ثواب پہنچانا منظور ہے تو اوّل تو جناب رسول اللہ ﷺ سے قبرستان میں جا کر صرف دعاء منقول ہے، دوم یہ کہ مال خرچ کر کے ہر وقت میں جبکہ وہ فقیروں اور حاجت مندوں کو دیا جائے اور نام و نمود مطلوب نہ ہو تمام اوقات میں ہو سکتا ہے، وہ چیز دینی چاہیے جو کہ فقیروں کی حاجت روائی کرے، حلوے سے پیٹ نہیں بھر سکتا اس کی بھوک دور نہیں ہو سکتی، بے وقوف لوگوں نے یہ طریقہ ہندوؤں کے تہواروں سے دیکھ کر کے اختیار کیا ہے نہ کتب دینیہ معتبرہ سے اس کی کوئی سند ہے اور نہ اسلامی ممالک میں اس کا رواج ہے۔ نیز اگر ہو سکے تو ۱۴/۱۵ کو دو روز روزے نفل رکھے جائیں (۱)، اور رات میں بھی اور دن کو بھی اپنے مقاصد دینیہ اور دنیاویہ کے لیے دعاء کی جائے، عورتوں اور مردوں دونوں کے لیے یہی اعمال ہیں۔ ہاں عورتوں کو مقابر میں نہ جانا چاہیے بلکہ گھر ہی میں بیٹھ کر اپنے بڑوں کے لیے کچھ پڑھ کر ثواب بخش دینا چاہیے۔ کوئی خاص مقصد دعاء کے لیے معین نہیں ہے۔ ہاں عمدہ بات یہ ہے کہ انسان دعاء میں اولاً اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اس کے بعد درود شریف پڑھے اس کے بعد یہ دعا کرے کہ اے اللہ جن جن بھلائیوں کو جناب رسول اللہ ﷺ نے تجھ سے مانگا ہو وہ سب مجھ کو بھی عطا فرمایئے اور جن جن برائیوں سے جناب رسول

---

۱) دو دن کے روزے کی صراحت احقر کو نہیں ملی (مرتب)

اللہ ﷺ نے تجھ سے پناہ مانگی ہوان سب سے مجھے بھی پناہ دے اس مقصود کو بار بار مانگے اور پھر درود شریف سے ختم کرے۔ دعاء میں عربی عبارت ہونی ضروری نہیں۔ (مکتوبات ۴،۷۷۔۷۸)

شب براءت کے اعمال

﴿س﴾

شب براءت میں کون سے اعمال شریعت میں ثابت ہیں۔

﴿ج﴾

(۱) ونیز باید دانست کہ بعضے از مفسرین قدر را بمعنی تقدیر گرفتہ اند و گفتہ اند کہ دریں شب ارزاق و آجال و مصائب و اعمال دیگر حوادث عالم کون وفساد مقدر می شود و از لوح محفوظ بملائکہ نسخہائے امور متعلقہ بآنہا نقل کردہ حوالہ می گردد تا بر طبق آں در تمام سال عمل نمایند لیکن اصح آنست کہ ایں تقدیر در نصف شعبان است کہ آن را شب برات نمایند اگر چہ بعضے ائمہ تابعین چنین گفتہ اند کہ نقل نسخہا در آں شب شروع می شود و دریں شب بمتصدیان تسلیم می نمایند پس ابتدائے تقدیر در شب براءت است و انتہائے آں دریں شب است و تحقیق ہما است کہ مذکور شد۔ (تفسیر عزیزی سورہ قدر ص ۲۵۸)

ترجمہ: اور جاننا چاہیے کہ بعض مفسرین نے قدر کو تقدیر کے معنی میں لیا ہے اور کہا ہے کہ اس شب کے اندر روزی موت مصیبت اعمال اور دوسرے حوادثات جو دنیا میں ہونے والے ہیں مقدر ہوتے ہیں اور لوح محفوظ سے ملائکہ کو ان کے کاموں کی نقل کر کے حوالہ کر دیئے جاتے ہیں تا کہ اسی کے مطابق تمام سال عمل درآمد کرتے رہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ تقدیر شعبان کی پندرہویں میں ہوتی ہے جس کو شب برات کہتے ہیں اگر چہ بعض تابعین نے تاویل یہ کی ہے کہ پرچوں کی نقل اس رات کو شروع ہوتی ہے اور اس شب میں پیشکاروں کو حوالہ کر دیتے ہیں پس شروع تقدیر شب براءت میں ہے اور اس کا آخر اس رمضان کی رات میں ہے اور تحقیق وہی ہے جو گذری۔

(۲) و در قرآن مجید نزول قرآن را مورخ فرمودہ اند سہ وقت شہر رمضان و شب قدر و شب مبارک کہ نزد اکثر علماء عبارت است از شب براءت کہ پانزدہم شعبان است کہ پس تطبیق دریں امر واقعی و ایں تعبیرات متخالفہ چگونہ درست آید، آنچہ بعد از تنقیح معلوم شد آن است کہ نزول قرآن از لوح محفوظ در مقام بیت العزت کہ بقعہ ایست از آسمان دنیا محفوف است بملائکہ ذی قدر در شب قدر است کہ در ماہ رمضان واقع است و تقدیر نزول قرآن حکیم فرمودن حافظان لوح را کہ نسخہ آں را نقل کردہ بآسمان دنیا رسانند در شب برات ہماں سال بود پس از ہر سہ تعبیر درست افتادہ نزول حقیقی در شب قدر از ماہ رمضان واقع شد و نزول تقدیری پیش ازاں در شب برات و

نزول قرآن برزبان پیغمبر ﷺ در ماہ ربیع الاول سر سال چہلم است واتمام نزول آن در بقیۃ العمر پس تعارضے نماند۔ (تفسیر عزیزی سورہ قدر ص۲۶۰)

ترجمہ: مورخین نے نزول قرآن مجید کو تین وقتوں میں مانا ہے رمضان المبارک، شب قدر اور شب مبارک جو کہ اکثر علما کے نزدیک شب برات سے تعبیر کی جاتی ہے جو پندرہویں شعبان ہے پس اسی امر واقعی میں توفیق کی کیا صورت ہے، اور توجیہات جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں کیونکر ٹھیک ہوسکتی ہیں؟ تتبع اور تنقیح کے بعد جو چیز سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کا نزول لوح محفوظ سے مقام بیت العزت میں جو کہ آسمان دنیا میں ایک جگہ ہے بڑے درجہ کے فرشتوں سے گھری ہوئی شب قدر میں ہوا جو رمضان کے مہینہ میں واقع ہے اور نزول قرآن کی تقدیر اور محافظین کو حکم دینا کہ اس نسخہ کو نقل کر کے آسمان دنیا پر پہنچائیں شب برات میں ہوئی جو اسی سال تھی پس تینوں تعبیرات صحیح ہوگئیں لہٰذا نزول حقیقی رمضان المبارک کے مہینہ شب قدر میں ہوا، اور نزول تقدیری اس سے پہلے شب برأت میں اور پیغمبر ﷺ کی زبان پر نزول قرآن ربیع الاول کے مہینہ میں جو شروع نبوت کا چالیسواں سال ہے اور پھر پورا پورا نزول قرآن آپ کی باقی ماندہ عمر میں ہوتا رہا، لہٰذا کوئی تعارض نہیں رہ گیا۔

(۳) دریں جا ہم باید شنید کہ اتباع پیغمبر را ﷺ مراتب است دوران افراط وتفریط واقع می شود ہر چند درآں افراط وتفریط قبحے نبود لیکن ہر چہ بر جادۂ اعتدال است بلا ریب افضل است از جانبین افراط وتفریط، پس ادعیہ کہ درحق اموات در وقت حضور قبور یا غیبت ان بوضعے کہ از جناب رسالت مآب ﷺ مروی وثابت شدہ بہمان وضع اگر بوقوع آید افضل است از اوضاع دیگر۔ مثلاً آنجناب ﷺ در شب برات تنہا بے اطلاع واعلام احدے در بقیع تشریف بروند ودعا فرمودند وکسے را از صحابہ امر نفرمودند کہ دریں شب بر مقام باید رفت ودعا باید کرد چہ جائے کہ تاکید کردہ باشند پس الحال اگر کسے اتباع پیغمبر ﷺ منظور داشتہ در شب برات در مقبرہ مجمع صلحا نمودہ ادعیہ وافرہ کند او را بمخالفت پیغمبر ﷺ ملام کردن نمی رسد لیکن ایں قدر باید فہمید کہ ایں امر شدہ شدہ برسم انجا میدہ حقیقت کار دران باقی نہ خواہد ماند، ومثال موضح ایں بیان است مسئلہ فقہیہ کہ جماعت نفل مکروہ نیست اگر تداعی باشد مکروہ است۔ (صراط مستقیم ص۵۴۔۵۵)

ترجمہ: ''غور سے سننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کے درجے ہیں، جس میں کمی اور زیادتی ہو جاتی ہے اگر چہ یہ افراط وتفریط زیادہ بری نہیں تاہم جو چیز اعتدال کیساتھ ہوگی وہ یقیناً اس افراط تفریط سے افضل ہوگی پس وہ دعائیں جو مردوں کے بارہ میں قبروں کے سامنے یا قبروں کی عدم موجودگی میں آنحضرت ﷺ سے جس طرح مروی اور ثابت ہیں اگر اسی طرح اس کو عمل میں لایا جائے یہ طریقہ دوسرے طریقوں سے افضل اور بہتر ہوگا مثال کے طور پر آنحضرت ﷺ کا شب برات میں چپکے سے اٹھ کر بغیر اطلاع بقیع میں تشریف لے جانا اور

دعا فرمانا اور پھر صحابہ میں سے کسی کو حکم نہ دینا کہ اس رات کو قبرستان میں جانا چاہیے، لہٰذا اگر کوئی شخص اتباع نبوی ﷺ کو مدنظر رکھ کر شب برات میں قبرستان کے اندر صلحا کا مجمع کر کے زیادہ دعائیں کرے تو مانا کہ اس کو مخالفت آنحضرت ﷺ سے تعبیر کرنا اور ملامت کرنا نہ کہا جائے گا لیکن اتنا ضرور سمجھنا چاہیے کہ یہ بات آہستہ آہستہ رسم بن جائے گی اور حقیقت اس کے اندر سے جاتی رہے گی۔ اس بیان کی تائید اس مسئلہ فقہیہ سے ہوتی ہے کہ جماعت سے نفل نماز مکروہ نہیں ہے لیکن تداعی کے ساتھ ادا کی جایا کرے تو فقہاء اس کو مکروہ کہتے ہیں۔''

مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہوگیا کہ شب برات ایک مبارک رات ہے اور راجح یہی ہے کہ سورہ دخان کی آیت انا انزلنه في ليلة مباركة انا كنا منذرين۔ فيها يفرق كل امر حكيم امرا من عندنا انا كنا مرسلين رحمة من ربك انه هو السميع العليم۔

(ہم نے اس کو اتارا ایک برکت کی رات میں ہم ہیں کہ سنانے والے اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا حکم ہو کر ہمارے پاس سے ہم ہیں بھیجنے والے رحمت سے تیرے رب کی، وہی سننے اور جاننے والا ہے)

سے مراد ارجح الاقوال پر یہی شب برات ہے، اس رات میں جناب رسول اللہ ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بقیع میں تشریف لیجا کر اہل بقیع کے لیے دعا فرمائیں چنانچہ حجرۃ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغیر خبر کئے ہوئے دبے پاؤں نکل کر بقیع میں گئے اور اہل بقیع (مقبرہ مدینہ منورہ) کے لیے دعا فرمائی، اس دن کے لیے روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا گیا ہے، اس لیے اگر ہو سکے تو چودہ اور پندرہ کو روزہ رکھیں (۱)، اور درمیانی شب میں جس قدر ممکن ہو نوافل اور ذکر و تسبیح سے اس شب کو معمور کریں بلا اجتماع مقبرہ میں جایا کریں اہل قبور کے لیے دعا کریں، ان اعمال کے علاوہ بدعات سیئہ اور قبائح ہیں۔

(مکتوبات ۱/۲۲۲_۲۲۵)

مردوں کو ایصال ثواب کا کیا طریقہ ہے

﴿س﴾

اگر ہم کچھ قرآن وغیرہ پڑھ کر مردوں کو بخشنا چاہیں تو کس طریقہ کو اختیار کرنا ہوگا۔

﴿ج﴾

• بخشش قرآن میں اختیار ہے کہ جس کو چاہے بخشے، جس کا نام لے گا اس کو ثواب پہنچے گا اگر چند آدمیوں کا

---

۱) حدیث میں صرف ۱۵ تاریخ کے روزے کا ذکر ہے۔ (مرتب) کسنن ابن ماجه قال عليه الصلوة والسلام اذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا يومها الخ جه ص۹۹ باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان

نام لے گا تقسیم ہو کر حصہ رسد پہنچے گا(۱) اگر بخشنے والے نے یہ کہا کہ اس کا ثواب جناب رسول اللہ ﷺ کو پہنچے اور ان کے طفیل میں تمام مومنین اور مومنات کو پہنچے تو ثواب جناب رسول اللہ ﷺ ہی کو پہنچے گا اخیر کلام بے کار ہوگا اور اگر یہ کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے طفیل میں سب مومنین اور مومنات کو ثواب پہنچے تو قبولیت کی زیادہ امید ہے، مگر آنحضرت علیہ السلام کو ثواب نہ پہنچے گا، بلکہ پورا ثواب تمام مومنین و مومنات میں تقسیم ہو جائے گا۔ بخشنے والے کو ثواب قرآن میں سے کسی امید کا حق نہیں ہے، جب وہ اپنی چیز دے چکا تو اس میں سے اس کو کیا مل سکتا ہے ہاں جن حضرات کو وہ ثواب پہنچے گا وہ حسب ارشاد اِذَا حیّیتم بتحیة فحیوا باحسن منھا (الآیہ)(۲) دعاء اور سفارش بارگاہ الٰہی میں کریں گے تو ممکن ہے کہ ان کی دعاؤں کی برکت سے اس قدر فائدہ ہو جائے جو کہ بخشنے والے کو اصل ثواب میں حاصل نہ ہوتا۔

تمام اولین و آخرین مسلمانوں کو ثواب پہنچنے میں کوئی اشکال نہیں، اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے (۳)۔

(مکتوبات ۲۲/۴-۲۳)

رسول اللہ ﷺ کے لیے ایصال ثواب



مولانا سید محمد میاں صاحب کو یہ ہدایت تھی کہ ذکر شروع کرنے سے پہلے گیارہ مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر سرور کائنات ﷺ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کیا جائے اس پر مولانا موصوف نے شبہ پیش کیا کہ بارگاہ عظمت میں یہ ہدیہ بہت ہی کم ہے کبھی کبھی ایصال ثواب کے وقت ندامت بھی محسوس ہوئی کہ ایں بضاعۃ مزجاۃ بآں بارگاہ عالی چہ نسبت دارد۔

---

۱) یہی فتویٰ امام ربانی قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہ کا بھی ہے فتاویٰ رشیدیہ: ۲۶۵۔ اور شامی نے علامہ ابن قیم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انه لو اھدی الکل الی اربعة یحصل لکل منھم ربعه. فکذا لو اھدی الربع لواحد وابقی الباقی لنفسه (شامی ۲۴۳/۲) لیکن علامہ شامی کا رجحان اس جانب ہے کہ سب کو مکمل ثواب پہنچتا ہے کسی کا حصہ کم نہیں ہوتا (دیکھیے شامی ۲۴۴/۲)

۲) آیت ۸۶: سورۃ النساء

۳) ردالمحتار علی الدرالمختار: قال ابن عابدین الافضل لمن یتصدق الغ ص۱۸۰، ۲ج مر رشیدیه مطلب فی القراءة للمیت واھداء ثوابھا له

﴿ج﴾

سرور کائنات علیہ السلام بھی تو مشائخ طریقت میں ہیں درود شریف ان کے لیے خاص ہونے کے ساتھ ایصال ثواب بھی ان کے لیے ہو ہی جاتا ہے بہر حال اگر آنحضرت ﷺ کے لیے خصوصی چیز ہدیہ کی جائے تو اس میں کلام ہی کیا ہے جبکہ جناب علیہ السلام فرماتے ہیں۔

لا یحقرن جارۃ لجارتھا ولو فرسن شاۃ (۱) اور پڑوسی کو ہدیہ دینے میں حقیر نہ جانے اگرچہ ایک ٹکڑا بکری کے کھر کا بھیجے۔

اور مشہور مقولہ ہے۔الھدیۃ علی قدر مھدیھا، تو کیوں قلت ہدیہ سے شرم آئے آپ ﷺ کا حصہ تو ہماری ہر عبادت میں لگا ہوا ہے خواہ نماز ہو یا ذکر، مالی عبادت ہو یا بدنی، قلیل ہو یا کثیر، پھر اس میں لگ جائے گا اختیاری اور اضطراری دونوں طرح سے۔(مکتوبات ۱/۶۶۔۶۷)

درود شریف پڑھنے کے آداب

﴿س﴾

درود شریف پڑھنے کے کیا آداب ہیں۔

﴿ج﴾

درود شریف پڑھنے کے لیے قیام وقعود کی تخصیص نہیں ہے جیسے کہ اس کے لیے کسی وقت اور مکان کی تخصیص نہیں ہے مگر جس طرح امکنہ بجنسہ جو کہ مستوجب قلت مبالاۃ اور قلت ادب ہوں اس سے مستثنیٰ ہوں گے، اسی طرح وہ اوقات جو کہ موجب اساءت ادب وقلت مبالات ہوں وہ بھی اس سے مستثنیٰ ہوں گے، جیسے کہ فقہا نے تصریح فرمایا ہے فتح دکان کے وقت میں یا تاجر کے متاع خریدار پر پیش کرنے کے وقت میں درود شریف پڑھنا یا قعدہ اولی میں بعد التحیات پڑھنا یا خطبہ پڑھتے وقت مقتدی وغیرہ کو ممنوع ہے اسی طرح کوئی ایسی ہیئت جو کہ استخفاف اور قلت مبالات یا کسی دیگر محظور کو مستلزم ہو ممنوع ہو گی، اس کی تفصیل شامی (۲) اور دیگر کتب میں

---

۱) بخاری شریف ج۲ /۸۸۹ باب لاتحقرن جارۃ لجارتھا: مسلم شریف ۱/۳۳۱ باب الحث علی الصدقۃ ولو بالقلیل ولا تمنع من القلیل لاحتقارہ۔

۲) شامی مطلب۔ نص العلماء علی استحباب الصلوۃ علی النبی ﷺ فی مواضع ومطلب فی المواضع التی تکرہ فیھا الصلوۃ علی النبی ﷺ (۲۸۱/۲) اس کی تفصیل اگلے صفحہ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

موجود ہے بہرحال مواجہ شریفہ میں درود شریف اور صلوۃ وسلام عرض کرنا فقہاء رحمہم اللہ نے آداب زیارت میں کھڑے ہوکر ہی بتلایا ہے، اور سلف سے یہی منقول ہے، دور سے کھڑے ہوکر درود شریف پڑھنے میں بشرطیکہ کوئی محظور شرعی نہ ہو کوئی ممانعت نہ ہوگی ہاں اگر تخصیص مطلق شرعی یا اطلاق مخصوص لازم آئے تو یقیناً اس کی ممانعت ہوگی، مثال ثانی کی درود شریف فی القعدۃ الاخیرۃ ہے اور مثال اوّل کی قیام فی المولد ہے۔

(مکتوبات ۱/۲۳۱)

درود شریف کے بعض احکامات

﴿س﴾

درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

صلوۃ وسلام علی النبی ﷺ (یعنی درود وسلام) تمام عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے حسب ارشاد یاایھا الذین آمنوا صلوا علیه وَسَلِّمُوا تسلیماً۔ (۱) جبکہ کسی مجلس میں ذکر جناب سرور کائنات علیہ السلام آئے تو ایک مرتبہ واجب ہے کہ صلوۃ وسلام زبان سے ادا کیا جائے بشرطیکہ نماز یا خطبہ میں نہ ہو حسب ارشاد "البخیل من ذکرت عنده فلم یصل علی" ومثله من الروایات (۲) نماز میں بعد التحیات کے فی القعدۃ الاخیرہ سنت موکدہ ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک فرض ہے اور دوسرے اوقات میں مستحب ہے (۳) تفصیل شامی میں ملاحظہ فرمائیے۔

(مکتوبات ۱/۲۳۴-۲۳۵)

---

۱) سورۃ الاحزاب آیت :۵۶

۲) ترمذی الجلد الثانی ابواب الدعوات ۱۹۳، ج۲ م قدیمی : مشکوٰۃ شریف ۱/۸۷ باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ الفصل الثالث۔

۳) ردالمحتار میں ص ۲۸۱ ج ۲ میں علامہ شامی نے حسب ذیل اوقات ومقامات میں درود شریف خاص طور پر مستحب ہونا ذکر کیا ہے۔ جمعہ کا دن، جمعہ کی شب، سنیچر کا دن، اتوار کا دن، جمعرات کا دن ان سب کے بارے میں احادیث میں فضیلت آئی ہے، صبح وشام کو، مسجد میں داخل ہوتے وقت، اور مسجد سے باہر آتے وقت، روضہ مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے موقعہ پر، صفا ومروہ پر، خطیب کو خطبہ میں (لیکن سننے والوں کو پڑھنا جائز نہیں ہے) جواب اذان میں اقامت میں یعنی تکبیر کے وقت اور ہر دعا کے شروع اور بیچ اور آخر میں۔ تلبیہ کے بعد، ملتے وقت، رخصت ہوتے وقت اور وضوء میں اور جب کان بجے اور جب کوئی چیز بھول جائیں، وعظ میں اور تعلیم دین کے وقت اور درس حدیث کے اول وسط وآخر میں،

بقیہ صفحہ ۶۲۔

کیا درود شریف کے الفاظ متعین ہیں

﴿س﴾

درود شریف کے لیے کیا الفاظ متعین ہیں یا اپنے الفاظ میں بھی درود پڑھا جاسکتا ہے۔

﴿ج﴾

متعین نہیں، اطراء مادح جو کہ درجہ عدم جواز کو پہنچ جائے نہ ہونا چاہیے لاتطرونی کما اطرت الیهود والنصاری انبیائهم [1] (اوکما قال) اردو فارسی وغیرہ میں ہوسکتا ہے۔ (مکتوبات ا/۲۳۵)

الفاظ درود شریف میں و اہل بیتہ کا مصداق کون ہیں

﴿س﴾

ابوداؤد شریف میں درود ماثور میں وارد ہے۔ من سره ان یکتال بالمکیال الاوفی اذا صلی علینا اهل البیت فلیقل اللهم صلی علی محمد النبی الامی وازواجه امهات المومنین وذریته واهل بیته کما صلیت علی آل ابراهیم انك حمید مجید [2] سوال یہ ہے کہ اس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور ذریت طیبہ رضی اللہ عنہا کے ذکر کے بعد اہل بیتہ سے کون لوگ مراد ہیں۔

بقیہ پچھلے صفحہ سے۔ سوالات میں اور ان کے جواب میں اور ہر مصنف و مدرس و مقرر و خطیب کو خطبہ کے وقت اور پیغام نکاح کے موقع پر اور نکاح کرنے والے کو، ان کے علاوہ اہل اسلام کو اپنے خطوط میں اور تمام اہم کاموں میں اور حضور پرنور علیہ الصلوۃ والسلام کے ذکر پاک یا آپ کے نام نامی سننے یا لکھنے کے ہر موقعہ پر (اگرچہ امام طحاوی کا قول یہ ہے کہ ایک مجلس میں ہر مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ کے ذکر کرنے اور نام پاک سننے پر واجب ہے) مگر مذہب معتمد یہی ہے کہ مجلس میں ایک مرتبہ واجب ہے بقیہ مرتبوں میں مستحب اور افضل ہے (اور درمختار میں ہے والمختار عند الطحاوی تکراره کلما ذکر ولو اتحد فی المجلس والمذهب استحبابه وعلیه الفتوی (ملخصا)

اور شامی نے ان مواقع پر درود وسلام کو ناجائز لکھا ہے۔ جماع، قضائے حاجت، سوداگری کو فروغ دینے کے لیے، اظہار تعجب کے طور ہر ذبح کے وقت، چھینک آنے پر اور خطبہ سنتے وقت اور شامی فرماتے ہیں کہ دوران تلاوت میں نام پاک آنے پر قرأت کو روک کر درود پڑھنے سے افضل یہ ہے کہ فراغت کے بعد پڑھ لے (جمیل الرحمٰن)

۱) احقر کو ان الفاظ کے ساتھ روایت نہیں ملی، شمائل ترمذی شریف وغیرہ میں روایت ان الفاظ سے مروی ہے لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی ابن مریم (شمائل ترمذی ۲۲)

۲) ابوداؤد شریف ا/۱۴۸ باب الصلوۃ علی النبی ﷺ امدادیہ ملتان

﴿ج﴾

درود ماثور ابوداؤد میں لفظ اہل بیت ذکرِ ازواج اور ذریت کے بعد حرف واو کے ساتھ شرح مشکوۃ میں طیبی سے نقل کرتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ عطف عام علی الخاص ہے جیسا کے آیت ولقد آتینٰك سبعًا من المثاني والقرآن العظيم میں واقع ہوا ہے(۱) اور شرح ابوداؤد جلد ثانی ص ۱۲۴ میں ہے وھذا بیان لما قبله من الازواج والذرية یعنی اس کو عطف تفسیری قرار دیا ہے اور ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داخل فرمانے کے بعد یہ لفظ زیادہ کرلیا گیا ہو جیسا کہ حدیث عباس میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت نزول آیت انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت الايه میں حضرت علی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو جمع کرکے فرمایا تھا اللهم هؤلاء اهل بيتي الحديث (۲) یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ ازواج اور سے خارج ہیں، واللہ اعلم اس صورت میں عطف متغایرین کا ہوگا جو کہ اصل قاعدہ عطف کا ہے۔ (مکتوبات ۲/ ۳۵۹۔۳۶۰)

دعا کی قبولیت کیسے

﴿س﴾

دعا قبول ہونے کی کیا شرائط ہیں۔

﴿ج﴾

(۱) دعاء کی قبولیت کے لیے چند شرائط ہیں۔

اوّل: یہ کہ انسان کا کھانا، پینا، پہننا، وغیرہ سب حلال سے ہوں۔ ورنہ عمدہ سے عمدہ حالت میں بھی دعاء قبول نہیں ہوتی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں" مسافر کی دعاء حالت سفر میں بہت زیادہ قبول ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ اگر مسافر حالت سفر میں ہو اور اس کا مطعم وغیرہ حرام ہو تو کس طرح اس کی دعا قبول ہو سکتی ہے۔(۳)

---

۱) مرقاۃ ۳۴۶/۲ باب الصلوة على النبي صلی اللہ علیہ وسلم على صدر الفصل الثالث م امداديه ملتان

۲) ترمذی شریف میں روایت تفصیلاً اس طرح مروی ہے عن عمر بن ابي سلمة ربيب النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال لما نزلت هذه الاية على النبي صلی اللہ علیہ وسلم انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيراً في بيت ام سلمةؓ فدعا فاطمة وحسناً وحسيناً فجللهم بكساء وعلي خلف ظهره فجلله بكساء ثم قال هؤلاء اهل بيتي فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيراً (ترمذی شریف مع العرف الشذی ۱۵۵/۲ ل ۱۵۶۰) یہ روایت مسند احمد ابن حنبل حدیث ۲۶۴۷۶ پر بھی بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا موجود ہے نیز تفسیر ابن کثیر ۴۸۳/۳ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

۳)۔ ثم ذكر الرجل يطيل السفر اشعث اغبر يمد يديه الى السماء يا رب يا رب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام فاني يستجاب لذلك رواه مسلم (مشكوة شريف ۲۴۱/۱)

دوم: یہ کہ خلوص دل سے دعاء کی جائے، جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لا یقبل اللہ الدعاء بقلب لاہ(۱) اللہ تعالیٰ دعاء کو غافل اور کھیلنے والے دل سے قبول نہیں کرتا ہے پھر اگر صرف زبانی ہی دعاء ہو اور دل دوسری طرف لگا ہو تو وہ دعاء کس طرح قبول ہو سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ ستایا ہوا ہوتا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب جناب رسول اللہ ﷺ نے یمن کا والی (گورنر) بنا کر بھیجا تو فرمایا: یا معاذ اتق دعوۃ المظلوم لیس بینھا وبین اللہ حجاب(۲) (اے معاذ مظلوم کی بددعا سے بچ کیوں کہ مظلوم کی بددعاء اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا)۔

سوم: یہ کہ دعاء کی قبولیت کے بارے میں جلد بازی اور استعجال سے کام نہ لیا جائے جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ یستجاب لاحد کم مالم یستعجل(۳) (تم میں سے ہر ایک کے لیے قبولیت دعاء حاصل ہوتی ہے جب تک کہ استعجال نہ کرے اور کہنے لگے کہ میں نے دعاء کی مگر قبول نہیں ہوئی)

چہارم: یہ کہ دعاء میں یقین اور عزم قوی سے کام لیا جائے اور پختہ یقین سے دل سے دعاء مانگی جائے اور ہمت قویہ اور ارادہ قلبیہ کو پورے زور سے اس طرف لگایا جائے یعنی جس طرح بچہ ماں سے مانگنے میں جب اڑ جاتا ہے اور پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتا، ماں باپ ٹلانا چاہتے ہیں یا بہلانا چاہتے ہیں مگر وہ نہیں مانتا اور تقاضوں پر تقاضہ کرتا رہتا ہے دوسری طرف نہیں دیکھتا، پھر ماں باپ اس کی مراد پوری کر دیتے ہیں اسی طرح باری تعالیٰ سے پوری قوت قلبی اور ارادی عزم سے مانگا جائے یہ نہ کہا جائے کہ باری تعالیٰ اگر تو مناسب سمجھتا ہو تو مجھ کو فلاں چیز دے [illegible] بار بار پور[illegible] عزم اور جزم [illegible] تھ مانگے تو ان شاء اللہ مراد میں کامیاب ہوگا۔(۴)

پانچویں: یہ کہ اوقات قبولیت، امکنہ قبولیت، احوال قبولیت کا لحاظ کیا جائے اول کی مثال آخر شب وغیرہ کی دعا ہے دوسری کی مثال مسجد حرام یا دیگر متبرک مقامات کی دعاء ہے تیسرے کی مثال نماز کے بعد یا ذکر و استغفار کے بعد کی دعاء ہے۔

چھٹے: یہ کہ دعاء سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے اور جناب رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھا

---

۱) الفاظ حدیث یہ ہیں، ان اللہ لا یستجیب دعاء من قلب غافل لاہ (مشکوٰۃ شریف ۱۹۵/۲)

۲) ان رسول اللہ ﷺ بعث معاذاً الی الیمن فقال اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب (ترمذی شریف ۲۱/۲)

۳) مسلم شریف میں ہے یستجاب لاحد کم مالم یعجل فیقول قد دعوت فلا او فلم یستجب لی (مسلم شریف ۳۵۲/۲)

۴) قال رسول اللہ ﷺ اذا دعا احد کم فلا یقل اللھم اغفرلی ان شئت ولکن لیعزم ولیعظم الرغبۃ فان اللہ لا یتعاظمہ شئی اعطاہ رواہ مسلم (مشکوٰۃ شریف ۱۹۴/۱)

جائے اس کے بعد دعاء مانگی جائے اور پھر آخر میں بھی درود شریف پڑھا جائے اور دعا بار بار کی جائے آنحضرت ﷺ کم سے کم تین مرتبہ عموماً دعاء کے الفاظ استعمال فرماتے تھے۔

محترما! جناب باری عز اسمہ فرماتا ہے[1] وقال ربکم ادعونی استجب لکم تمہارا پالنے والا رب فرماتا ہے کہ تم مجھ کو پکارو اور حاجتیں مانگو میں قبول کروں گا، دوسری جگہ ارشاد ہے[2] واذا سألك عبادي عني فاني قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي الاية (اور جب تجھ سے میرے بندے میری نسبت پوچھیں تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں پکارنے اور مانگنے والوں کی دعاؤں کو جب کہ وہ مجھ کو پکاریں قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیے کہ مجھ سے قبولیت کی خواہش کریں اور مجھ پر یقین کریں)

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خلوص اور عزم قلبی کی دعائیں ضرور قبول فرماتا ہے یہ اس کا وعدہ ہے وہ کریم و کارساز اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدوں کو پورا کرتا ہے اگر چہ وہ مجبور نہیں ہے مگر میرے محترم! قبولیت کی بھی متعدد صورتیں ہیں۔

(الف) بسا اوقات بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے ماں باپ سے ایسی چیزیں مانگتا ہے جس میں اس کی ہلاکت ہے، وہ جلتے ہوئے چراغ کی طرف لپکتا ہے تا کہ ہاتھ میں پکڑ لے وہ انگارے کو پکڑنا چاہتا ہے وہ مٹھائی مانگتا ہے حالانکہ مریض ہے، مٹھائی اس کو نقصان دیتی ہے، وعلی ہذا القیاس، بہت سی چیزیں اس قسم کی ہیں۔ وہ کھیل کود چاہتا ہے وہ مکتب میں جانا نہیں چاہتا، ماں باپ سے اصرار کرتا ہے کہ مدرسہ اور مکتب میں نہ بھیجیں اس کو گلی ڈنڈا کھیلنے دیں۔ بد اخلاق بچوں میں چھوڑ دیں وغیرہ وغیرہ۔ کیا ان صورتوں میں سمجھدار و خیر خواہ ماں باپ کا یہی فریضہ ہے کہ اس کی مراد پوری کی جائے ہرگز نہیں۔ اسی طرح انسان مبتلائے نفس و شیطان دنیاوی اور مادی خواہشات کا متوالا، بسا اوقات ایسی چیزیں مانگتا ہے جس میں سراسر آخرت کا اور روحانیت کا خسارہ ہی خسارہ ہے، کیا اس میں ماں باپ سے زیادہ تر شفیق و رحیم، رؤف و کریم، حکیم و علیم کا یہی منصب نہ ہوگا کہ وہ ہم کو ایسے زہر ہلاہل کا پیالہ ہرگز نہ پلائے، اگر چہ ہم اس کو شربت جان فزا سمجھ کر تقاضوں پر تقاضے ہی کیوں نہ کرتے ہوں۔

(ب) جس طرح بسا اوقات بچے اپنی نادانی سے ماں باپ سے دنی اور ذلیل ریوڑی گٹوں یا گڑ وغیرہ پر اصرار کرتے ہیں اور چونکہ ایسی کچی مٹھائی صحت کے لیے مضر ہے تو ماں باپ بچہ کی مانگ پر پکی مٹھائی گلاب جامن، برفی، بالوشاہی دیتے ہیں، مگر ریوڑی گٹے کو پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتے اور یہی اعلیٰ درجہ کی محبت اور ماں باپ کی عقلمندی اور شفقت شمار کی جاتی ہے، اسی طرح اگر رب العالمین عالم السر والخفایا سے جو چیز ہم اپنی نادانی

---

۱) سورۃ المومن پارہ ۲۴ آیت: ۶۰

۲) سورۃ البقرہ آیت: ۱۸۶

سے مانگ رہے ہیں اور اس کو اپنے لیے مفید جانتے ہیں حالانکہ وہ ایسی نہیں ہے نہ دے اور روحانی نعمت دنیا میں یا آخرت میں کوئی نعمت ہماری مانگ اور دعاء پر مہیا فرما دے تو کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ دعا مقبول نہیں ہوئی اور مانگ خالی گئی؟ نہیں نہیں!

(ج) اگر بچہ نے ماں باپ سے کسی چیز کا تقاضہ کیا اور ماں باپ نے محبت سے اس کی طرف توجہ کر کے اس کو گود میں اٹھا لیا۔ گرد اور دھول جھاڑی، بچہ کو نہلایا دھلایا اس کو موذی جانوروں سے بچایا اس کو دشمنوں سے بچایا تو گو بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ ماں باپ نے میری استدعا نہ مانی اور میری طرف توجہ نہ کی مگر عقلمند جانتا ہے کہ بچہ کے رونے اور مانگنے ہی کا اثر ہے کہ ماں باپ نے اس طرح اس کی طرف التفات کیا اور مضر چیزوں یا جانوروں سے اس کو بچایا، علی ہذا القیاس بسا اوقات بندہ کی دعاء کی قبولیت ہو جاتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندہ پر سے کوئی سخت مصیبت آنے والی دور ہو جاتی ہے جس سے بندہ کا اس قدر نفع ہوتا ہے کے اس کی مانگی ہوئی مراد میں عشر عشیر بھی نہ ہوتا۔

(د) بسا اوقات دعاء قبول ہو جاتی ہے اور اس کے اثر کے ظاہر ہونے میں کچھ دیر لگتی ہے۔ بندہ اپنی جلد بازی کی وجہ سے (جو کہ انسان کی فطری بات ہے) جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے[1] وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا دوسری جگہ فرمایا گیا ہے خلق الانسان من عجل[2] گمان کرنے لگتا ہے کہ میری دعاء مقبول نہیں ہوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم پر بددعا کی اور قبول ہوئی قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا[3] مگر فرعون اس کے چالیس برس بعد معہ اپنی قوم کے غرق ہوا۔

خلاصہ یہ کہ جناب باری عز اسمہ نے جو وعدہ قبولیت کے متعلق فرمایا ہے وہ سچا ہے اگر دعا اپنی شروط کے ساتھ پائی جائے تو وہ ضرور مقبول ہوتی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ اس کا ظہور اسی صورت اور اسی جلدی کے ساتھ ہو جو دعاء گو نے کی تھی۔ اس لیے بندہ پر فرض ہے کہ اپنی چھوٹی اور بڑی سے بڑی حاجتوں کو ہمیشہ خدا سے مانگا کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر تیرے جوتوں کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو مجھ سے مانگ نمک یا لکڑی کی کمی ہو جائے تو مجھ سے مانگ، غرض یہ کہ جو حاجت بھی پیش آئے بندہ کا فریضہ ہے کہ گڑگڑا کر آقا جل مجدہ سے مانگا کرے آقا حکیم و علیم ہے جو اس کی حکمت اور اس کے علم میں ہوگا اس کو ظاہر فرمائے گا۔ دعاء مانگنا اور گڑگڑانا پسند ہے۔ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تضرعاً وَخُفْيَةً[4] جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ الدعاء مخ

---

۱) سورۃ بنی اسرائیل آیت:۱۱
۲) سورۃ الانبیاء آیت:۳۷
۳) سورۃ یونس آیت:۸۹
۴) سورۃ الاعراف آیت:۵۵

العبادۃ(۱) دعا عبادت کا مغز اور گودا ہے اور فرماتے ہیں لا یَرُدُّ القضاء الا الدعاء (۲) خداوندی تقدیر کو لوٹانے کی کسی چیز میں سوائے دعا کے طاقت نہیں ہے۔ بندہ کو چاہیے کہ اپنے آقا جل مجدہ کے ساتھ گمان اچھا رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس کے گمان کے موافق معاملہ فرمائے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: انا عند ظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی فاذا ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی واذا ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاءخیر من ملائه۔ (۳) (میں اپنے بندہ کے گمان کے پاس ہوں اور میں بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب کہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہے، جب وہ مجھ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھ کو کسی مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں (ملائکہ میں) یاد کرتا ہوں۔

باوجود امور مذکورہ کے کبھی کبھی تمام شروط کی موجودگی میں بھی دعاء مقبول نہیں جناب رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ امت آپس میں نہ لڑے مگر یہ دعا قبول نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ مختار ہے۔ لا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (۴) الآیۃ۔

انسان بسا اوقات گھبرا کر اپنے اوپر بددعا کرنے لگتا ہے، بالخصوص آپ جیسے مزاج کا۔ جس میں طبیعت کی کمزوری اور نفس کا غلبہ، تحمل کا ضعف، عاقبت سے غفلت وغیرہ ہوں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عورتیں بات بات میں اپنے آپ کو اور اپنے بچوں اور عزیزوں کو کوسنے اور بددعائیں دینے لگتی ہیں بسا اوقات بڑے بڑے لوگ بھی معمولی رنجشوں اور اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے کو بددعائیں دینے لگتے ہیں یا اپنی اور اپنی قوم اور برادری کی ہلاکت وغیرہ کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں ویدعو الانْسَان بالشر دُعَاءَہ بالخیر وَکَانَ الانْسَانُ عَجُوْلاً (۵) اور انسان برائی کی دعا اسی طور سے مانگنے لگتا ہے جس طرح بھلائی کی دعا مانگتا ہے اور انسان بہت جلد باز ہے وَلَو یُعَجِّلُ الله للنَّاسِ الشرا ستعجَا لَهم بِالْخَیر لقضی الیهم اَجَلُهُمْ (۶) اگر اللہ تعالیٰ آدمیوں کے لیے برائی کو اس طرح جلد ظاہر کر دیتا جس طرح وہ بھلائی کے متعلق چاہتے ہیں تو ان کی ہلاکت ہو جاتی۔ بہرحال حکمت ہائے الٰہیہ اور پرورش ہائے ربانیہ متقاضی ہیں کہ انسانوں کی سب دعائیں قبول نہ کی

---

۱) ترمذی ۱۷۵/۲ علی صدر ابواب الدعوات۔ م قدیمی
۲) مشکوٰۃ شریف ۱۹۵/۱ کتاب الدعوات الفصل الثانی۔ م قدیمی
۳) مسلم شریف ۳۴۱/۲ کتاب الذکر و الدعاء والتوبة والاستغفار۔ م قدیمی
۴) سورۃ الانبیاء آیت: ۲۳
۵) سورۃ بنی اسرائیل: آیت: ۱
۶) سورۃ یونس آیت: ۱۱

جائیں ورنہ عالم تہ و بالا ہو جائے گا اور انسانی دنیا کو مشکلات پیش آ جائیں گی، واللہ اعلم۔

(مکتوبات ۴/۳۱، ۳۶)

دعا کب قبول ہوتی ہے

﴿س﴾

کس طرح دعا کرنے سے قبول ہوتی ہے دعا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

﴿ج﴾

تضرع وزاری اور دل لگا کر مانگنے سے اور حلال مال اپنے اوپر خرچ کرنے سے اور جلد بازی نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہونے سے۔ (مخطوطات مبارکہ)

الٰہی بحق فلاں کہہ کر دعا مانگنا

﴿س﴾

ایک بات دریافت طلب ہے الٰہی بحرمت یا بحق فلاں و بحرمۃ النبی ﷺ کے عدم جواز میں مودودی صاحب نے لا حق للمخلوق علی الخالق بحوالہ ہدایہ دلیل پیش کی ہے کیا ٹھیک ہے یا ان کا اجتہاد ہے۔

﴿ج﴾

محترمی! مودودی صاحب کا یہ فتویٰ ہدایہ کے قول سے نہایت تعجب خیز ہے وہ تو ہدایہ، شرح وقایہ اور دیگر کتب فقہ حنفیہ کی سخت تذلیل اور توہین جگہ جگہ کرتے ہیں اور تقلید جامد، تقلید کورانہ وغیرہ کو انتہائی غلط طریقہ بتلاتے ہیں، اب اس سلسلہ میں صاحب ہدایہ کی تقلید فرماتے ہوئے ایسا فتویٰ کیوں دیتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ صاحب ہدایہ کا یہ ارشاد کسی آیت یا حدیث یا اثر سے ثابت نہیں کیا گیا ہے۔ ہدایہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

ویکره ان یقول الرجل فی دعاءه بحق فلان او بحق انبیائك لانه لاحق للمخلوق علی الخالق۔[1]

صاحب ہدایہ عدم جواز کا حکم نہیں دیتے مگر مودودی صاحب عدم جواز کا حکم دیتے ہیں۔ صاحب ہدایہ

---

۱) فتح القدیر ج۱۰، ص۷۷ کتاب الکراهة علی صدر مسائل متفرقه : م رشیدیه

کراہت کا حکم دیتے ہیں پھر کوئی تصریح کراہت تحریمی یا تنزیہی کی نہیں فرماتے۔ دلیل میں ایسی چیز ذکر فرماتے ہیں جو بظاہر صحیح حدیث کے معارض ہے صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب احادیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:۔

قَالَ کنت ردف النبی ﷺ علی حمار لیس بینی وبینه الاموخرة الرحل فقال یا معاذ هل تدری ما حق الله علی عباده وما حق العباد علی الله قلت الله ورسوله اعلم قال فان حق الله علی العباد ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیئاً وحق العباد علی الله ان لا یعذب من لا یشرك به شیئاً قلت یا رسول الله افلا ابشر به الناس قال لا تبشرهم فیتکلو۔ [1]

امام بخاری نے اپنی کتاب جامع صحیح میں پانچ جگہ اس کو ذکر کیا ہے کہ وہ شرک سے بچنے والوں کو کسی قسم کا عذاب نہ دے گا۔ اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر ذکر فرماتے ہیں اور مودودی صاحب بندوں کے حق کا انکار فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے اور اسی کو صاحب ہدایہ سے نقل کر کے فتویٰ دیتے ہیں کہ دعاء میں بحق فلاں یا بحرمۃ النبی ﷺ کہنا جائز نہیں ہے۔ حدیث صحیح کے خلاف یہ فتویٰ کس طرح قابل اعتبار ہوسکتا ہے خصوصاً مودودی صاحب کو یہ فتویٰ دینا کس طرح شایاں ہے جب کہ وہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی انسان کو معیار حق قرار نہیں دیتے اور نہ کسی کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں اور نہ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہونا جائز رکھتے ہیں۔ (دستور جماعت اسلامی ص ۵) انہوں نے تو اپنے دستور کی اس دفعہ سے تمام انبیاء و مرسلین اور تمام صحابہ اور حوارئین اور تمام ائمہ مجتہدین اور تمام اولیاء اللہ اور علماء سلف و خلف کو علاوہ جناب رسول اللہ ﷺ معیاریت حق اور تنقید سے بالائیت اور ان کی ذہنی متبوعیت سے نکال دیا ہے تو اب بے چارے صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کس شمار و قطار میں رہ جاتے ہیں فیا للعجب۔

حقیقت حال یہ ہے کہ لفظ حق متعدد معنوں میں آتا ہے: (۱) واجب عقلی جس کا ثبوت اور لزوم دلائل عقلیہ قطعیہ سے ہوتا ہو اور اس کا خلاف مستحیل اور ممنوع عقلی ہو (۲) واجب شرعی: جس کا ثبوت اور لزوم نص شرعی اور وعدۂ خداوندی کی بناء پر ہوا ہو اگرچہ عقلاً اس کا وجود ضروری نہ ہو (۳) مستحق و ثابت یعنی وہ چیز جو کہ وجود اور ثبوت رکھتی ہو اگرچہ ضروری نہ ہو (۴) جدیر اور لائق: یعنی وہ چیز جس کا موجود ہونا بہتر اور اعلیٰ ہو اگرچہ ضروری نہ ہو (۵) مشابہ بالواجب یعنی وہ چیز جو کہ ضروری چیز کے مماثل اور مشابہ ہے اگرچہ واقع میں لازم اور ضروری نہیں ہے جیسے زیدٌ اسدٌ (۶) موجود صوری یعنی مشاکلۃ اور سورۃً عبارت میں جو کوئی چیز دوسرے کے برابر

---

۱) کتاب الایمان الفصل الاول ۱/۱۴ مشکوٰۃ شریف: م قدیمی

قرار دی گئی ہو جیسے جزاء سئیة سئیة مثلہا اگر چہ وہ حقیقت میں موجود نہ ہو (۷) احترام اور بڑائی: یعنی وہ چیز جو کہ مرتبہ اور شرف رکھنے والی ہو اور قبولیت سے نوازی گئی ہو (۸) مہتم بالشان یعنی وہ چیز جس کو نہایت اہم قابل اعتناء کوئی قرار دے اگر چہ واقع میں وہ لازم نہیں ہے جیسے حدیث شریف میں حق للہ علی کل مسلم ان یغتسل فی کل سبعة ایام (۱) الغرض استعمال عربی اور لغت عرب میں لفظ حق ان متعدد معانی وغیرہ میں مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ شراح حدیث عینی، قاری، عسقلانی وغیرہ اور قاموس لسان العرب مجمع البحار وغیرہ علماء لغت ذکر فرماتے ہیں مگر سب سے پہلے معنی میں سلف میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ معتزلہ چونکہ عدل اور اصلح کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب قرار دیتے ہیں۔ اس لیے غفران اہل توحید اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب کہتے ہیں اور یہ حق بندوں کا اس پر لازم باللزوم العقلی قرار دیتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کسی فعل کو اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور ذاتاً واجب نہیں کہتے اس لیے یہ دعاء کرنا اللهم انی اسئلك بحق فلان یا بحق الانبیاء والمرسلین اہل اعتزال کے عقائد کے موافق ہوگا۔ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہوگا۔ قرون تابعین اور تبع تابعین میں معتزلہ کا بہت زور شور تھا اس لیے فقہاء کرام نے سداً للذریعة منع فرمایا تھا اب جبکہ وہ اور ان کے عقائد معدوم ہوگئے تو اس کا اشتباہ بھی معدوم ہوگیا تو اس لفظ کے استعمال میں پہلے معنی کے ارادہ کرنے کا احتمال ہی نہیں رہا بلکہ دوسرے معانی ہی مراد لیے جاتے ہیں اس لیے اس میں کوئی حرج نہ ہوگا ملا علی قاری شرح نقایہ میں فرماتے ہیں۔

قیل ویحرم ان یقول فی دعاءه بحق فلان نبیا کان اوولیاً او بحق البیت او المشعر الحرام لانه لاحق للخلق علی الله لکن قد یقال لاحق لهم وجوبا من اصله ولکن الله سبحانه جعل لهم حقا فضلا او یراد بالحق الحرمة والعظمة فیکون من باب الوسیلة وقد قال الله سبحانه (وابتغوا الیه الوسیلة) فقد عدمن آداب الدعاء التوسل بالانبیاء والاولیاء علی ما فی الحصن الحصین وجاء فی روایة اللهم انی اسئلك بحق السائلین علیك وبحق ممشای الیك فانی لم اخرج اشر اولا بطرا الحدیث (۲)۔

رد المحتار میں ہے (قوله وکره قوله بحق رسلك الخ) هذا لم یخالف فیه ابو یوسف بخلاف مسئلة المتن السابقة کما افاد الاتقانی وفی التاتار خانیه وجاء فی الاثار مادل علی الجواز (قوله لانه لاحق للخلق علی الخالق) قد یقال انه لا حق لهم وجوبا علی الله تعالی لکن الله سبحانه وتعالی جعل لهم حقا من فضله او یراد بالحق الحرمة والعظمة

---

۱) مسلم شریف ۲۸۰/۱ کتاب الجمعة۔ م قدیمی
۲) شرح النقایة ج۲ ص۲۳۶ کتاب الکراهة : ایچ ایم سعید کمپنی

فیکون من باب الوسیلة وقد قال تعالٰی وابتغوا الیه الوسیلة ...... وقال السبکی یحسن التوسل بالنبی ﷺ الی ربه (۱)۔

کیا خلافت صرف ۳۰ سال رہی

﴿س﴾

ایک صاحب کہتے ہیں کہ حدیث الخلافة من بعدی ثلثون سنة کے اعتبار سے تیس سال کے بعد خلافت منقطع ہو چکی ہے پھر اس کے بعد سلاطین اسلام کو خلفاء سے تعبیر کرنا کیسے صحیح ہے۔

﴿ج﴾

یہ کہنا کہ خلافت فقط تیس برس تک رہی ہے اس کے احکام اس مدت کے بعد منقطع ہو گئے ہیں اور اس مضمون کی تقویت کے لیے حدیث الخلافة من بعدی ثلثون سنة ثم یکون ملکاً عضوضاً (۲) میرے بعد خلافت تیس برس تک ہوگی اس کے بعد بادشاہت حریصانہ ہوگی) کا ذکر کرنا فاحش خطا اور صریح غلط فہمی سے خالی نہ ہوگا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمانا: لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشرة خلیفة کلهم من قریش (۳)۔ وفی روایة لا یزال الدین قائماً حتی تقوم الساعة او یکون علیهم اثنا عشرة خلیفة کلهم من قریش (۴) (رواه الشیخان واصحاب السنن)۔

یعنی ان بارہ خلیفوں تک جو کہ قریش ہی میں سے ہوں گے اسلام نہایت قوت پر رہے گا اور ایک روایت میں ہے کہ دین اپنے کمال پر ثابت رہے گا تا آنکہ قیامت قائم ہو یا اہل اسلام پر قریش میں سے ۱۲ خلیفہ ہو جائیں۔ یہ احادیث ایک چمکدار روشنی ہیں جن سے گذشتہ حدیث میں سے شبہ کی تاریکی بالکل دور ہو جاتی ہے حسب تصریح حفاظ حدیث کہ بعض طرق روایات سابقہ میں خلافة النبوة من بعدی ثلثون سنة وارد ہوا

---

۱) ردالمحتار حاشیه در المختار للعلامة ابن عابدین الشامی (قوله و کره قوله بحق وسلك) ص۶۵۴، ج۹ کتاب الحظر والاباحة م رشیدیه

۲) شرح الکامل للنواوی علی صحیح المسلم ۱۱۹/۲ کتاب الامارة (قدیمی)

۳) صحیح مسلم کتاب الامارة / باب الناس تبع لقریش ۱۱۹/۲ (قدیمی کتب خانه کراچی) سنن الدارمی / الخلافة قریش ۳۱۵/۲ (قدیمی)

۴) صحیح البخاری، کتاب احکام، باب الامراء من قریش ۱۰۱/۲ (رحمانیه)

ہے(۱)۔ روایت سابقہ میں ایسی خلافت راشدہ اور خلافت علی منہاج النبوۃ مراد ہے کہ جس کو نبوت کے رنگ سے ازسرتاپا رنگین اور اس کے اعمال واقوال سے بالکل مطابق اور قدم بقدم کہہ سکتے ہیں۔ ایسی خلافت کاملہ تیس برس تک متصلاً باقی رہی اس کے بعد نہ وہ اتصال رہا اور نہ رنگ باقی رہا اور نہ وہ کمال۔ کتب شریعت کی ورق گردانی کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ہونے کے بارے میں صحیح اور صریح مختلف طریق سے روایتیں موجود ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قیامت تک خلافت اسلامیہ باقی رہے گی۔ (۲) (مطبوعہ خطبہ صدارت خلافت کانفرنس سیوہارہ ضلع بجنور)

کیا ہر خلیفہ کے لیے قریشی ہونا ضروری ہے

﴿س﴾

وہی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ خلیفہ کے لیے قریشی ہونا ضروری ہے اس لیے سلاطین عثمانیہ کسی طرح خلیفہ کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔

﴿ج﴾

یہاں پر بعض سادہ لوح مدعیان شریعت حدیث الائمة من قریش پیش کرتے ہوئے اجماع صحابہ اور اہل کلام سے ابطال خلافت عثمانیہ کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ماہرین علم دین اور محققین فقہ پر مخفی نہیں کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوف روایتیں جن کو امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں ذکر فرمایا ہے (۳) مثل معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ اور سالم

---

۱) ابوداؤد / باب الخلفاء ۲/ ۲۹۳ رحمانیہ ایضاً جامع الترمذی باب ماجآء فی الخلافۃ، ابواب الفتن ۲/۲۹۳ رحمانیہ

۲) تفصیل کے لیے دیکھیے فتاویٰ محمودیہ ۱/۴۳۲ تا ۴۳۹ باب ما یتعلق بالانبیاء واتباعھم ایضاً سنن ابوداؤد شریف باب ذکر المھدی بعد آخر کتاب الفتن ۲/۳۳۸ (رحمانیہ) صفحہ ۱۷۵

۳) حدثنا ابو المغیرة وعصام بن خالد: قالا: حدثنا صفوان عن شریح بن عبید وراشد بن سعید وغیرھما قالوا لما بلغ عمر بن الخطاب سرغ حدث ان بالشام وباء شدیداً۔ قال بلغنی ان شدة الوباء فی الشام فقلت: ان ادرکنی اجلی وابوعبیدة بن الجراح حیی استخلفته، فان سألنی الله لم استخلفته علی امة محمد ﷺ قلت: انی سمعت رسولك یقول ان لکل نبی امینا وامینی ابوعبیدة بن الجراح فانکر القوم ذالك قالوا مابال علیا قریش یعنون بنی فھد ثم قال فان ادرکنی اجلی وقد توفی ابو عبیدة بن الجراح استخلفت معاذ بن جبل فان سألنی ربی عزوجل لم استخلفته قلت رسولك یقول انه یحشر یوم القیامة بین یدی العلماء نبذة حدیث نمبر ۱۰۸ج۱/۲۱۲ مسند الخلفاء الراشدین (مکتبہ بیروت دارالحدیث القاھرہ وایضاً: فقال عمر رضی اللّٰہ عنہ: قدرایتُ من اصحابی حرصاً سیئاً۔ وانی جاعل ھذا الامر الی ھولآء النفر الستة الذین مات رسول اللّٰہ ﷺ وھو عنھم راضٍ ثم قال عمر رضی اللّٰہ عنہ لو ادرکنی احد رجلین ثم جعلت ھذ الامر الیه لوثقت به سالم ابی حذیفه وابوعبیدة بن الجراح حدیث نمبر ۱۲۹ ج۱/۱۳۳ مسند امام احمد بن حنبل، مسند الخلفاء الراشدین (مکتبہ رحمانیہ مترجم)

مولی حذیفہ رضی اللہ عنہ غیر قریشی کے لیے امامت عامہ کا استحقاق ظاہر کرتی ہیں یہ قطعیت اجماع میں اسی طرح تردد پیدا کررہی ہیں جیسے امام ابوبکر الباقلانی جیسے جلیل القدر اشعری متکلم کا خلاف اجماع اہل کلام میں تزلزل ڈال رہا ہے زمانہ خلیفہ اول میں اس حدیث کو صحابہ رضی اللہ عنہم کا قبول کر لینا اس اجماع پر قطعی دلیل نہیں ہوسکتا کہ وہ فرضیت خلافت کی ایسی شرط ہے جس کے بغیر انعقاد خلافت شرعیہ ممکن ہی نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخری زمانہ میں خلیفہ ہونا اور قحطانی کا بادشاہ ہونا احادیث صحیحہ میں مروی ہے قحطانی کی بادشاہت اسی پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا ہے اور حدیث قریش سے اس کو رد کرنا چاہا ہے مگر علمائے حدیث اور ائمہ اہل سنت اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کو اگر خبر پر حمل کیا جائے تو بمعنی کمال استحقاق اور زیادت اہلیت لینا ضروری ہوگا کیوں کہ عرب قریش ہی کو اس لائق سمجھتے تھے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
لن تعریف العرب ھذا الامر الا فی قریش عرب اس امامت کا استحقاق بجز قریش دوسرے میں نہیں جانیں گے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الملك فی قریش والقضاء فی الانصار والاذان فی الحبشة والامانة فی الازد** رواہ الترمذی (۱) ملک قریش میں اور قضا انصار میں اور اذان حبشہ میں اور امانت ازد میں ہے یہاں ضروری ہے کہ جس طرح استحقاق قضا انصار کے لیے اور استحقاق اذان حبشہ کے لیے ثابت کیا جاتا ہے اسی طرح قریش کے لیے استحقاق ملوکیت کا اقرار کیا جائے جس سے دوسروں کی ملوکیت کا انکار نہیں نکلتا جیسے کہ سوائے انصار کے دوسروں کی قضا کا انکار نہیں نکلتا اس لیے علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں **اقول وفیہ اشعار ان الخلق لا یأنفون عن مبایعتھم وان قابلیة المتبوعیة مجبولة فی جبلتھم فینبغی ان لا یخرج عنھم امر الخلافة لئلا یترتب علیه المخالفة** (۲) میں کہتا ہوں کہ اس حدیث (الناس تبع آہ) میں اشارہ ہے اس امر پر کہ لوگ قریش کی تابعداری سے نفرت نہ کریں گے اور پیشرو اور خلیفہ ہونے کی قابلیت ان کی سرشت میں رکھی گئی ہے اس لیے لائق ہے کہ ان سے خلافت کا امر نہ نکالا جائے تا کہ اس پر مخالفین نہ پیدا ہوں۔

اور اگر اس خبر کو اپنے معنی ہی میں لیا جائے یعنی نفس امامت فقط قریش کے لیے ہے دوسروں کے لیے نہیں تو یہ پیشین گوئی جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص زمانہ تک کے لیے ہے چنانچہ خود علامہ سیوطی اور علی قاری رحمہما اللہ اس کی تصریح فرمارہے ہیں اور جب کہ لفظ **ما اقاموا الدین** (۳) خود بخاری کی روایت میں موجود

---

۱) رواہ الترمذی و مشکوۃ المصابیح ۲/۵۵۲ باب مناقب قریش الفصل الثانی (قدیمی)

۲) مرقات ۱۱/۱۳۲/ کتاب المناقب باب مناقب قریش وذکر القبائل (مکتبہ رشیدیہ)

۳) ما اقامو الدین الخ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان ھذا الأمر فی قریش لا یعادیھم احد الا کبه اللہ تعالی من وجھه ما اقامو الدین وھناك روایة اخری عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزال ھذ الامر فی قریش الخ بخاری شریف / کتاب الانبیاء / باب مناقب قریش (مکتبہ رحمانیہ)

ہے تو پھر اس کی تخصیص کی بھی ضرورت نہیں۔ جب تک قریش نے حقوق واجبہ کی رعایت کی خداوند کریم نے ان میں بادشاہت اور خلافت رکھی اس کے بعد چھین لی۔ بہت سے علماء حدیث وفقہ رحمہم اللہ اس حدیث کو خبر بمعنی امر فرما رہے ہیں جس کی توجہ فقط اس خلیفہ کی جانب ہوگی جس کو امت نے بمشورہ خلیفہ بنایا ہو یا خلیفہ سابق نے اس کو بطور ولی عہد خلیفہ کیا ہو لیکن اگر کوئی شخص اپنی قوت اور سطوت سے خلیفہ ہو جائے تو اس کے لیے قریشیت وغیرہ کی شرط نہیں۔ ایسے امام کی اطاعت اور اس کی اعانت اجتماع کلمہ اور نفوذ تصرفات کے بعد اسی طرح واجب رہے گی جیسے کہ امام جامع الشروط کی تھی۔ جملہ کتب مطولہ فقہیہ اس کی تصریح فرما رہی ہیں۔

(مطبوعہ خطبۂ صدارت خلافت کانفرنس سیوہارہ ضلع بجنور)

سانپ سے بچاؤ



بخاری شریف پارہ ۲۳ باب رقیۃ الحیۃ والعقرب کے حاشیہ سے معلوم ہوا کہ سعید بن المسیب کا بیان ہے کہ اگر کوئی بوقت شام سلام علی نوح فی العلمین کہے تو اس کو حیہ (سانپ) ضرر نہ کرے اور حصن حصین کی منزل یوم الاثنین الرقیۃ للدیغ بالفاتحہ کے کسی حاشیہ سے معلوم ہوا کہ علامہ قہستانی کے بیان کے مطابق بذریعہ مشائخ کہ حیۃ وعقرب (سانپ بچھو) نے حضرت نوح علیہ السلام سے بوقت طوفان وغیرہ کہا تھا جو تمہارا نام یاد کرے گا اور سلام علی نوح فی العالمین کہے گا تو ہم اسے ضرر نہ کریں گے وہ روایت کون سی حدیث کے کس باب میں ہے۔



قسطلانی شرح بخاری شریف ۳۷۵/۹ میں یہ عبارت ہے وقال ابن عبدالبر فی التمهید من سعید بن المسیب قال بلغنی ان من قال حین یمسی سلام علی نوح فی العالمین لم یلدغه العقرب۔ وذکر ابو القاسم القشیری فی تفسیره ان فی بعض التفاسیر ان الحیة والعقرب اتیا نوحاً فقالتا احملنا فقال نوح لا احملکما فانکما سبب الضرر فقالتا احملنا نضمن لك ان لا نضر احداً ذکرك اس عبارت سے آپ کے دونوں مسئلے معلوم ہو گئے (سعید ابن المسیب کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو شخص شام کے وقت سلام علی نوح فی العالمین پڑھے اس کو بچھو نہ ڈسے گا اور ابو القاسم قشیری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بعض تفسیرات میں ہے کہ سانپ اور بچھو نے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کیا کہ ہمیں بھی اپنی کشتی پر بٹھا لیں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہو اس لیے تمہیں نہیں بٹھاؤں گا۔ تو انہوں نے کہا ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جو آپ کا نام لے گا اسے نقصان نہ پہنچائیں گے۔(۱) (مکتوبات ۳/ ۲۱۷۔ ۲۱۸)

محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ کا موقف

﴿س﴾

محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی تحریکات و آراء کے متعلق حضرت والا کی رائے کیا ہے؟ اور کیا اب بھی آپ کا وہی مسلک ہے جو آپ نے اپنی کتاب ''الشہاب الثاقب'' میں ظاہر فرمایا ہے کہ عبدالوہاب نجدی کو آپ خارجی تصور فرماتے ہیں۔ یا متبع سنت عالم جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے۔

﴿ج﴾

اب بھی میرا وہی مسلک ہے جو اس کتاب میں ظاہر کیا گیا ہے اور یہی مسلک میرے اسلاف کرام کا ہے، محمد بن عبدالوہاب اور اس کی جماعت کو میں نے نہیں بلکہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ردالمحتار حاشیہ درمختار میں جو کہ فقہ حنفی میں نہایت مستند اور مفتی بہ کتاب ہے۔ جلد ثالث ص ۳۳۹ میں بھی (خوارج) لکھا ہے، صاحب ردالمحتار۔ علامہ شامی رحمہ اللہ چونکہ اسی طرف کے رہنے والے اور اسی زمانہ کے ہیں ۱۲۳۳ھ میں جب محمد بن عبدالوہاب کی جماعت نے حجاز پر قبضہ اور تسلط کیا ہے وہ حج کے لیے مکہ معظمہ گئے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے میں تصریح کی ہے (۲)۔ پس وہ جس قدر محمد بن عبدالوہاب اور اس کی جماعت سے واقف ہیں۔ دور دور کے رہنے

---

۱) وفی الفتاوٰی الحدیثیة روایت عن ابی داؤدؒ: عن ابی لیلی: ان رسول اللّٰہ ﷺ ان رسول اللہ ﷺ سئل عن حیات البیوت فقال: اذا رایتم منها شیئا فی مساکنکم فقولوا: أنشدکن العهد الذی أخذ علیکن نوح أنشدکن العهد الذی أخذ علیکن سلیمانؑ ان لا تؤذونا فان عدن فاقتلوهن وذکر الحدیث فی " أسد الغابة " عن ابی لیلی بلفظ " اذا ظهرت الحیة فی المسکن فقولوا لها ان لنسألك بعهد نوحؑ وبعهد سلیمانؑ بن داؤد علیهما السلام لا تؤذینا فان عادت فاقتلوها فتاوی حدیثیه ابن حجر رحمه الله تعالیٰ علیهٗ ۳۵/۱
اور مزید تفصیل بھی ہے اگر دیکھنا ہو تو..... ؟

۲) وقال ابن عابدینؒ: الظاهر من کلام الاختیار وغیره: ان البغاة اعم فالمراد بالبغاة ما یشتمل الفریقین ولذا فسر فی البدائع البغاة بالخوارج لبیان انهم منهم وان کان البغاة اعم وهذا الی ان قال ابن عابدین فی زماننا فی اتباع عبدالوهاب الذین خرجوا من نجدو تغلبوا علی الحرمین و کانو ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشرکون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم حتی کسر الله تعالی شوکتهم وخرب بلادهم وظفر لهم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلاثین وماتین والف ردّالمحتار ۴۰۰/۶ مطلب فی اتباع عبدالوهابؒ الخوارج فی زماننا البغاة (مکتبه رشیدیه ۱۲ جلد والا)

والے اور زمانہ مابعد میں ہونے والے اتنے واقف نہیں ہو سکتے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز بہت بعد کے لوگوں میں ہندوستان کے باشندہ ہیں۔ ان کو اس قدر اس جماعت کے احوال معلوم نہیں ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ ص:۶۴۔ میں اس کی تصریح فتویٰ میں موجود ہے اور ص ۸ میں جو عبارت اس کی تحسین میں لکھی گئی ہے وہ محض سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ اس کتاب شامی پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے، عموماً ان کے فتاویٰ اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

(مکتوبات ۲ر۳۴۴)

محمد بن عبدالوہاب کے متعلق سابقہ موقف سے رجوع

(س)

اولاً حضرت مدنی کی وہی تحقیق تھی جو مذکورہ تحریر میں ارشاد فرمائی گئی، لیکن بعد میں جب اہل نجد کے صحیح عقائد ان کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے آپ کے سامنے آئے تو آپ نے اپنی سابقہ رائے سے رجوع فرمالیا، اور اس بارے میں ایک مفصل وضاحتی تحریر اخبار خلافت بمبئی میں شائع کرائی جس کے آخری الفاظ بحوالہ ہفت روزہ سچ لکھنؤ درج ذیل ہیں۔ (مرتب)

بہت سی باتیں جو اہل نجد کی جانب منسوب کی جاتی ہیں بالکل بے اصل ہیں اور بعض باتیں کچھ اصل بھی رکھتی ہیں مگر نہ ایسی کہ جن کی وجہ سے ان کو فرقہ ناجیہ سے نکالنا جائز ہو سکے یا جمہور اہل سنت و جماعت کا مخالف قرار دے کر ان پر تبرا کیا جائے اور عامہ اہل اسلام کو ان سے بہکایا جائے لہٰذا مجھ کو اس امر کا اعلان کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہو سکتا کہ میری وہ تحقیق جس کو میں رجوم المذنبین اور الشہاب الثاقب میں لکھ چکا ہوں اس کی بنیاد کسی ان کی تالیف و تصنیف پر نہ تھی بلکہ محض افواہوں یا ان کے مخالفین کے اقوال پر تھی اب ان کی معتبر تالیفات بتا رہی ہیں کہ ان کا خلاف جمہور اہل سنت و جماعت سے اس قدر ہرگز نہیں جیسا کہ ان کی نسبت مشہور کیا گیا ہے بلکہ صرف چند جزوی امور میں صرف اس درجہ تک ہے جس کی وجہ سے ان کی تکفیر یا تفسیق یا تضلیل نہیں کی جا سکتی۔ (ہفتہ وار سچ لکھنؤ ۲۲ مئی ۱۹۲۵ء شمارہ ۲۰ ص ۲) (۱)

---

۱) قال الحصکفی ... واعرابی ..... وفاسقٍ ..... مبتدع و کل من قبلتنا لا یکفر حتی الخوارج : وقال ابن عابدین اراد بهم من خرج عن معتقد اهل الحق الدر المختار علی ردالمحتار ۳۵۶/۲ باب الامامة مطلب البدعة خمسة اقسام اوران کے متعلق حضرت مولانا مفتی فرید صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ وہ یعنی محمد بن عبدالوھاب نجدی مذہب امام احمد بن حنبل کا مقلد ہے۔ لیکن بعض اصول اور فروع میں متفرد ہے۔ فتاویٰ فریدیہ ۱۵۸/۱ باب الفرق الاسلامیہ

آنحضرت ﷺ واسطۂ فیوض الٰہیہ ہیں

﴿ج﴾

اکابر دیو بند کا رسول اللہ ﷺ کے واسطۂ فیوض ہونے کے بارے میں کیا عقیدہ ہے۔

﴿س﴾

یہ جملہ حضرات، ذات حضور پرنور ﷺ کو ہمیشہ سے اور ہمیشہ تک واسطہ فیوض الٰہیہ ومیزاب رحمت غیر متناہیہ اعتقاد کئے ہوئے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ازل سے اب تک جو جو رحمتیں عالم پر ہوئی ہیں اور ہونگی عام ہے کہ وہ نعمت وجود کی ہوں یا اور کسی قسم کی ان سب میں آپ کی ذات پاک ایسی طرح پر واقع ہوئی ہے کہ جیسے آفتاب سے نور چاند میں آیا ہوا اور چاند سے نور ہزاروں آئینوں میں، غرض کہ حقیقت محمدیہ علی صاحبها الصلوۃ والسلام والتحیۃ واسطہ جملہ کمالات عالم وعالمیان ہے یہی معنی لَولاکَ لَمَا خَلَقْتُ الاَفلاک (۱) اور اول مَا خَلَقَ اللہ نوری اور انا نبی الانبیاء وغیرہ کے ہیں۔ اس احسان وانعام میں جملہ عالم شریک ہے علاوہ اس کے آپ کی ذات مقدس کو ارواح مؤمنین سے وہ خاص نسبت ہے کہ جس کی وجہ سے آپ باپ روحانی جملہ مؤمنین کے ہیں اور یہ احسان بھی ابتداء عالم سے آخر تک کے مؤمنین کو عام ہے علاوہ اس کے مؤمنین امت مرحومہ کے ساتھ ماسوا اس کے اور بھی خاص علاقہ ہے جو کہ اور امم کے مؤمنین کو نہیں۔

(الشہاب الثاقب۔ ص:۴۷)

ابلیس کو آنحضرت ﷺ سے اعلم کہنے والا شخص کافر ہے

﴿س﴾

جو شخص ابلیس لعین کو حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام سے اعلم کہے اس کے لیے کیا حکم ہے۔

---

۱) حدیث لولاک لما خلقت الافلاک قال الصنعانی رحمه الله : انه موضوع کذافی الخلاصة لکن معناه صحیح فقد روی الدیلمی : عن ابن عباس رضی الله عنهما مرفوعاً : اتانی جبریل علیه السلام فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنة ولولاک ما خلقت النار وفی روایة ابن عساکر لولاک ما خلقت الدین۔ موضوعات الکبری الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعه۔ ملاعلی القاری مکتبہ قدیمی ص:۱۹۴ حدیث نمبر ۷۵۴

﴿ج﴾

حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے متعدد فتاوی میں یہ تصریح فرمائی کہ جو شخص ابلیس لعین کو رسول مقبول علیہ السلام سے اعلم اور اوسع علماً کہے وہ کافر ہے۔ (الشہاب الثاقب ص ۸۸)(۱)

ذکر ولادت شریعہ کے متعلق وہابیہ اور دیو بندیوں کے موقف میں فرق

﴿س﴾

ذکر ولادت شریفہ کے بارے میں وہابیہ اور اکابر دیو بند کے خیالات میں کیا فرق ہے۔

﴿ج﴾

وہابیہ نفس ذکر ولادت حضور سرور کائنات علیہ السلام کو قبیح و بدعت کہتے ہیں اور علی ہذا القیاس اذکار اولیاء کرام رحمہم اللہ کو بھی برا سمجھتے ہیں اور یہ جملہ حضرات (اکابر دیو بند) نفس ذکر ولادت شریفہ کو جبکہ بروایات معتبرہ ہو مندوب اور مستوجب برکت فرماتے ہیں البتہ ان قیود کو منع فرماتے ہیں جن کو جہلاء زمانہ نے زیادہ کر کے لازم ٹھہرالیا ہے اور ان کی وجہ سے شرعاً کوئی قباحت پیدا ہو (۲)۔ (الشہاب الثاقب: ص ۶۷)

---

۱) عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم امرهم . الى ان قالت ثم يقول: ان اتقاكم اعلكم بالله تعالى أنا صحيح البخاری كتاب الايمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمكم بالله تعالي (قديمی كتب خانه) وقال ابن الحجرؒ فی شرحه قول صلی اللہ علیہ وسلم (انا اعلمكم بالله تعالى) ظاهر فی ان العلم بالله تعالى درجات وان بعض الناس فيه افضل من بعض وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم منه أعلى الدرجات، وان العلم بالله يتناول ما بصفاته وما بأحكامه وما يتعلق بذلك. فتح الباری ۹۶/۱ كتاب الايمان وقال التهانویؒ: وان سيدنا وشفيعنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم أعلم الخلق وافضلهم امداد الفتاوى ۳۲۷/۶ مکتبہ دارالعلوم کراچی

۲) الحمد لله في الواقع نفس ذکر ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی منکر نہیں ہو سکتا بلکہ وہ مندوب اور مستحسن ہے۔ مگر بوجہ الحاق امور نامشروعہ جیسا کہ مروجہ زمانہ حال ہے بدعت وحرام ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیجئے مگر جیسا کہ قرون ثلثہ میں نہ مجلس مولود منعقد ہوتی تھی نہ ذکر ولادت پر قیام ہوتا تھا۔ ہم سب مامور کئے گئے ہیں اتباع سلف صالحین پر نہ کہ اتباع خلف پر امام علامہ ابن الحاج رحمہ اللہ جو بڑے اکابرین ومتسندین سے ہیں، مَدْخَلْ میں فرماتے ہیں: ومن جملة ما احدثوه من البدع من اعتقادهم ان ذالك من اكبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه فی شهر الربيع الاوّل من المولد وقد احتوى ذالك على بدعٍ و محرمات الى ان قال وهذه المفاسد مترتبة على فعل المولد اذا عمل بالسماع فان خلامنه وعمل طعام فقط ونوى به المولد ودعى اليه الاخوان من كل ما تقدم ذكره فهو بدعة بنفس نية فقط. لان ذالك زيادة فی الدين (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مشرک کا جھوٹا پاک ہے

﴿س﴾

آیت کریمہ ﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ﴾ سے مشرکین کا ناپاک ہونا معلوم ہوتا ہے تو کیا ان کا جھوٹا اور پینہ وغیرہ ناپاک ہے؟

﴿ج﴾

مشرکین بے شک نجس ہیں مگر علت حکم آیۃ حسب سلیقہ عربیہ کو مشتق کو محکوم علیہ قرار دینا ماخذ اشتقاق علت قرار دینا ہے۔ لہٰذا علتِ نجاست شرک ہوگا جو کہ نجس معنوی ہے۔ اسی بناپر اگر مشرک سات سمندر سے غسل دیا جائے تب بھی بوجہ شرک وہ نجس رہے گا حالانکہ تین مرتبہ غسل سے نجاست ظاہری زائل ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مشرک کا سور (جھوٹا) وغیرہ پاک ہے(۱)۔ (مکتوبات ۱/۱۵۸)(۲)

لیلۃ البراءۃ سے کون سی رات مراد ہے

﴿س﴾

سورہ دخان میں لیلۃ مبارکہ سے مراد کون سی شب ہے اور شب براءت میں کیا اعمال مستحب ہیں۔

بقیہ پچھلے صفحہ سے۔ولیس من عمل السلف الماضین واتباع السلف اولی ولم ینقل من احد منهم انه نوی المولود ونحن نتبع السلف فیسعنامأ وسعهم انتهی ! اور مولانا عبدالرحمنؒ حنفی المغربی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ھیں۔ ان عمل المولود بدعة لم یقل به ولم یفعله رسول اللهﷺ والخلفاء والائمة۔ وکذافی شرعة الالهیه وقال نصیر الدین الماروی شافعیؒ، بیجواب سائل ! لا یفعل لانه لم ینقل عن السلف الصالح وانما احدث بعد قرون الثلثة فی الزمان الطالح ونحن لا نتبع الخلف فی ما اعمل السلف لانه یکفی بهم الاتباع فای حاجة الی الابتداع۔ قال شیخ الحنابلة شرف الدین : ان ما یعمل بعض الامراء فی کل سنة احتفالاً لمولودهﷺ فمع اشتماله علی التکلفات الشنیعة بنفسه بدعة احدثه من یتبع هواه ولا یعلم ما امرهﷺ صاحب الشریعة ونهاه۔ وکذافی القول المعتمد۔ وکذا فی الشامی وفی الهندیه۔ وفی التفسر المظهری وتفسر معالم التنزیل وفی الکبیری شرح منیة المصلی وفی فتح القدیر وفی المرقاة وفی المدارج النبوة وفی وصیت نامه شاه ولی الله (فتاوٰی رشیدیه مکمل میوب کتاب البدعات مجلس میلاد کی ابتداء۔ مکتبه ادارہ اسلامیات کراچی ص۱۱۸)

۱) فسور آدمی مطلقاً ولو جنباً او کافراً او امرأةً الخ طاهر یعنی مشرک حسی طور پر نجس نهیں هے۔ کتاب الطهارت ۱/۲۲۲ مطلب فی سور۔ مکتبه رشیدیه جدید

﴿ج﴾

شب براءت ایک مبارک رات ہے اور راجح یہ ہی ہے کہ سورۂ دخان کی آیۃ اِنا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین۔ فیھا یفرق کل امر حکیم۔ امراً من عندنا انا کنا مرسلین۔ رحمۃ من ربك انه ھو السمیع العلیم (۱)۔ سے مراد ارجح الاقوال پر یہی شب براءت ہے (۲) اس رات میں جناب رسول اللہ ﷺ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ بقیع میں تشریف لے جا کر اہل بقیع کے لیے دعا فرمائیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغیر خبر کئے ہوئے دبے پاؤں بقیع میں تشریف لے گئے اور اہل بقیع (مقبرہ مدینہ منورہ) کے لیے دعا فرمائی اس دن کے روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا گیا۔ اس لیے اگر ہو سکے تو ۱۴۔۱۵ کو روزہ رکھیں (۳) اور درمیانی شب میں جس قدر ممکن ہو نوافل اور تسبیح سے اس شب کو معمور کریں اور بلا اجتماع مقبرہ میں جا کر اہل قبور کے لیے دعا کریں ان اعمال کے علاوہ (بقیہ رسوم) بدعات سیۂ اور قبائح ہیں۔ (مکتوبات ۱/۲۲۴۔۲۲۵)

حدیث بدأ الاسلام غریباً کی تشریح

﴿س﴾

ایک سوال جس میں حدیث بدأ الاسلام غریباً و سیعود کما بدا کی تحقیق وتشریح معلوم کی گئی ہے۔

﴿ج﴾

بدأ الاسلام غریباً الحدیث کا ترجمہ یہ کرنا کہ اسلام غریبوں سے پھیلا اور پھر غریبوں میں لوٹ آوے گا لغت عربی کے خلاف ہے۔ ہماری اردو زبان میں غریب کا ترجمہ مسکین اور فقیر سے کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ شخص غریب ہے جس کے پاس مال و دولت نہ ہو مگر عربی میں یہ معنی نہیں ہیں اور واقعہ بھی یہ ہی ہے سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو مکہ معظمہ میں بہت بڑے تاجروں اور مالداروں میں سے

---

۱) سورۃ الدخان آیت نمبر ۲ تا ۵ پارہ نمبر ۲۵

۲) برکت (خیر کثیر) رات میں اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ اسی رات میں قرآن مجید نازل ہوا۔ جو تمام دینی اور دنیوی منافع کا ضامن ہے اسی رات میں ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ مبارک رات سے مراد شب قدر ہے۔ (تفسیر مظہری اُردو جلد ۱۰/ ۳۹۰ مکتبہ ایچ، ایم، سعید)

۳) ابن ماجہ کی حدیث میں صرف ۱۵ شعبان کے روزہ کا ذکر ہے۔ اس موقع پر دو روزوں کی صراحت احقر کو کہیں نہیں ملی (مرتب)

تھے (۱)۔ غریب عربی میں اوپرے شخص کو کہا جاتا ہے یعنی وہ شخص جو کہ مشہور و معروف نہ ہو لوگ عام طور سے اس کو جانتے اور پہچانتے نہ ہوں خواہ وہ مالدار ہو یا مسکین و نادار اسی وجہ سے مسافر کو غریب کہتے ہیں کیوں کہ وہ بدیشی ہونے کی وجہ سے لوگوں کی پہچان میں نہیں آتا۔ جو چیز نادر الوقوع ہوتی ہے اس کو بھی غریب کہتے ہیں، کیونکہ قلیل الوقوع ہونے کی وجہ سے وہ مشہور و معروف نہیں ہوتی اور اس میں غرابت و ندرت آجاتی ہے لوگ اس سے مانوس نہیں ہوتے (۲)۔ نیز اس حدیث میں اسلام کو ذوالحال قرار دیا گیا ہے جو کہ مجموعہ احکام عقائد و اقرار و اعمال سے عبارت ہے یعنی دین اسلام غریب تھا نہ کہ اہل اسلام، اگر اہل اسلام کی غربت مراد ہوتی جیسا کہ اردو والے اور آپ کے یہاں کے لوگ کہتے ہیں تو جانب ذوالحال میں لفظ اہل کہا جاتا یا بدا المسلمون کہا جاتا اور جانب حال میں غربا کہا جاتا۔ بہرحال بہترین توجیہ حدیث کی یہ ہے کہ دین اسلام اور اس کے عقائد و اعمال سے لوگ ابتداء میں بیگانہ اور غیر مانوس تھے وہ عام انسانوں کی نگاہوں میں اوپرا اور غیر معروف و غیر محبوب تھا۔ پھر اس سے رفتہ رفتہ لوگوں کو جناب رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد اور روحانی تصرف کی وجہ سے انس اور محبت پیدا ہوئی اور تمام فضا بدل گئی ہر طرف ہر قوم میں مذہب اسلام مقبول ہو گیا یدخلون فی دین اللہ افواجا (۳) کا سماں بندھ گیا اور جو قومیں مسلمان نہیں ہوئی تھیں وہ بھی اصول اور قواعد اسلامیہ کو پسند کرنے لگیں اور اپنے یہاں کم و بیش اسلامی اصول و اعمال کو داخل کر لیا دین اسلام کا چاروں طرف ڈنکا بج گیا اور ہر کہ و مہ میں عزیز و محبوب ہو گیا۔

پھر آخر زمانہ میں یہ فضا بدل جائے گی اور رفتہ رفتہ لوگوں کے مزاج ماؤف ہو جائیں گے اور اسلام سے بیگانگی لوگوں میں اس قدر بڑھ جائے گی کہ وہ مثل ابتداء کے اوپرا اور غیر مانوس بن جائے گا جیسا کہ آج کل مشاہدہ ہو رہا ہے غیر مسلم تو متنفر تھے خود مسلمان بھی اصول و قواعد و اعمال سے متنفر نظر آتے ہیں۔ دیکھو اہل پاکستان کو وہ اسلامی دستور بنانے پر بھی راضی نہیں ہیں۔ ان کو کفار اور یورپ والی قوموں اور مشرکین کی باتیں پسند ہیں مگر جناب رسول اللہ ﷺ کی صورت و سیرت اور ان کی سنتوں سے نفرت ہے۔ یہ حقیقتاً نتیجہ اس کا ہے

---

۱) ذکر تقدم اسلامہ: قال حسان بن ثابت وابن عباس واسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم وابراہیم النخعیؒ اول من اسلم ابوبکرؓ: وقال یوسف بن یعقوب بن الماجشون ادرکت أبی ومشیختنا، محمد بن المنکدر و ربیعہ بن أبی عبدالرحمن وصالح بن کیسان، وسعد بن ابراہیم وعثمان بن محمد الاخنسی، وہم لا یشکون ان اول القوم اسلاماً ابوبکر، وعن ابی عباس: قال: اول من صلی ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ کتاب: صفۃ الصفوۃ لعبد الرحمن بن جوزی، بذکر: العشرۃ المبشرون بالجنۃ ۹۰/۱ (بیروت دار الحدیث القاہرۃ)

۲) الغریب، العجیب، غیر مالوف، المنجد فی اللغۃ ۵۴۷ (مؤسسۃ انتشارات دار العلم بیروت)

۳) سورۃ النصر آیت: ۳۰/۲

کہ دین اسلام اور اس کے قواعد واصول ان کی نگاہوں میں غیر مانوس اور وحشی بن گئے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مادی امراض کا حال وبا کے زمانہ میں ہوتا ہے وبا کے زمانہ میں ہوا بگڑ جاتی ہے اور ہر انسان کا مزاج کم وبیش بگڑ جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ جب تشریف لائے تو روحانی وبا پھیلی ہوئی تھی آپ نے قوت روحانی سے فضاء کو بدلا انسانی امزجہ رفتہ رفتہ صحیح وسالم ہوئے اور ان کو روحانی عمدہ غذا محبوب و مانوس ہوگئی اب اس زمانہ میں پھر وہی وبا پھیل رہی ہے اور لوگوں کے مزاج ماؤف ہوتے چلے جاتے ہیں جس طرح صفراء کے غلبہ اور بلغم وغیرہ اخلاط ردیہ کے غلبہ کے وقت میں عمدہ سے عمدہ غذا سے لوگوں کو نفرت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس زمانہ میں لوگوں کو اعمال وعقائد صحیحہ سے نفرت ہوتی جارہی ہے توسیعود غریبا کا سماں اس وقت پیش آرہا ہے تو بشارت دی جاتی ہے فطوبی للغرباء یعنی ان اوپرے اور غیر مانوس لوگوں کو خوش ہو جانا چاہیے کہ وہ حقیقت میں اس زمانہ میں مثل ان صحابہ کرام کے ہوتے جاتے ہیں جو ابتداء اسلام میں دین حق کی تابعداری کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں مثل خار کھٹکتے تھے آج یہ دیندار مسلمان بھی حقیر وغیر مانوس ہو کر نظروں میں خار بنے ہوئے ہیں۔

غرض کہ اس توجیہ پر لفظ غریب کے معنی اوپرے اور غیر مانوس و بیگانہ کے ہونگے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ غریب بمعنی تنہا اور قلیل اور اکیلے کے ہیں۔ مجمع البحار ۳/۱۱ میں ہے ”ان الاسلام بدأ غریبا ای کان فی اول امرہ کوحید لا اھل عندہ لقلۃ المسلمین وسیعود ای یقلون فی آخر الزمان فطوبی ای الجنۃ للغرباء ای للمسلمین فی اوّلہ وآخرہ لصبرھم علی اذی الکفار ولزومھم الاسلام“ اس توجیہ پر حال تشبیہ بلیغ کی صورت میں واقع ہوگا بخلاف توجیہ اول کے کہ وہاں حالت حقیقی تھی۔ بعض حضرات نے غریب کی توجیہ نزاع قبائل کے ساتھ کی ہے یعنی ہر قبیلہ کے اِکا دُکا لوگ، بعضوں نے غریب مہاجر مراد لیا ہے یعنی ایمان کی۔ ابتداء مہاجرین سے ہوئی اور آخر میں بھی انہیں میں لوٹ آئے گا جب کہ ایمان تمام دنیا سے سمٹ کر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں قرار پکڑے گا۔ دوسری توجیہ کی بناء پر امام نووی رحمہ اللہ قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں وظاھر الحدیث العموم وان الاسلام بدا فی احاد من الناس وقلۃ ثم انتشر وظھر ثم سیلحقہ النقص والاختلال حتی لا یبقی الا فی احاد وقلۃ ایضاً کما بدا وجاء فی الحدیث تفسیر الغرباء وھم النزاع من القبائل ۱/۸۴ (۱)

مذکورہ بالا تفصیل سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جو توجیہ غریب کے بمعنی نادار اور مفلس کی جارہی ہے وہ غلط ہے اگر چہ یہ بات واقعی ہے کہ مفلسوں اور کم سرمایہ دار لوگوں میں بہ نسبت مالداروں کے تدین اور اخلاص زیادہ

---

۱) صحیح المسلم ۱/۸۴ باب بیان الاسلام بدأ غریباً و سیعود غریباً الخ۔ (قدیمی)

ہوتا ہے مگر یہ اخیر زمانہ سے مخصوص نہیں ہے ہر زمانہ میں یہی ہوتا رہا ہے البتہ اسلام کی شوکت کے زمانہ میں تدین امراء اور اغنیاء میں بھی بہت کثرت سے پایا گیا اور اب بہت کم ہے۔ واللہ اعلم

(مکتوبات ۸۱/۳۔۸۴)

سادات کو سید کہنے کی وجہ

﴿س﴾

سادات اپنے کو سید کیوں کہتے ہیں۔

﴿ج﴾

آپ کا والا نامہ آیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادوں کو ابنی هذا سيدو لعل الله يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين [1] میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا اور دونوں صاحبزادوں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے لیے فرمایا سیدا شباب اهل الجنة [2] (اہل جنت کے جوانوں کے سردار امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ہیں) اس کی وجہ سے صاحبزادوں کو سید کہا جانے لگا پھر ان کی اولاد کو بھی یہی لقب دیا جانے لگا جیسے قاضیوں کی اولاد کو قاضی اور راجاؤں کی اولاد کو راجہ اور بادشاہوں کی اولاد کو شاہ زادہ کہا جاتا ہے شیوخ کی اولاد کو شیخ کہتے ہیں چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں [3] اور قاعدہ یہ ہے کہ ماں باپ کو چھوٹی اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی جتنی اور صاحبزادیوں سے نہیں تھی۔

آپ نے فرمایا ہے کہ فاطمة بضعة يريبني ما اربها ويوذيني ما آذاها [4] (فاطمہ میرے جسم کا

---

۱) مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری شریف ۵۶۹/۲ " الفصل الاوّل باب مناقب اهل بيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مکتبہ قدیمی)

۲) وعن ابی سعید رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الحسن والحسين سيد اشباب اهل الجنة رواه الترمذی ۲۱۷/۲ ایضاً مشکوٰۃ شریف ۵۷/۲ الفصل الثانی باب مناقب اهل بيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (قدیمی)

۳) عبدالرزاق ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ فاطمۃ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں اور سب میں زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تھی۔ ابو عمر نے کہا ان صاحبزادیوں میں سب سے بڑی زینب رضی اللہ عنہا تھی۔ پھر رقیہ رضی اللہ عنہا ان کے بعد کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کے بعد فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ

۴) مشکوٰۃ شریف ۵۶۸/۲ بحوالہ بخاری شریف و مسلم شریف الفصل الاوّل باب مناقب اهل بيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مکتبہ قدیمی کتب خانہ)

ٹکڑا ہے جس چیز سے ان کو تکلیف ہوتی ہے مجھ کو تکلیف ہوتی ہے اور جو چیز ان کو ستاتی ہے مجھ کو بھی ستاتی ہے) یہ ارشاد اس وقت فرمایا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کا ارادہ کیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے شادی کا ارادہ ترک کردیا تھا اور جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں دوسری شادی نہیں کی (۱)۔ مسلمان ہمیشہ اسی بنا پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے محبت کرتے رہے اور احترام کی نظر سے دیکھتے رہے سیدوں کا رتبہ آج یہ ہے کہ اگر کوئی سید صحیح النسب اور متقی پرہیزگار شریعت پر مضبوطی سے چلنے والا ہے تو سب کی عزت سے زیادہ عزت اور احترام کا مستحق ہے (۲) اور اگر صحیح النسب نہیں ہے یا متقی و پرہیزگار شریعت کا تابعدار نہیں ہے تو نہ مستحق مسلمانوں کے احترام کا ہے اور نہ اس کے لیے نجات اخروی کا اطمینان ہے۔ بلکہ اس کے لیے آخرت میں زیادہ خطرات ہیں اگر اس نے جھوٹ نسب سادات اختیار کیا ہے تو لعنت خداوندی کا مستحق ہے اور اگر باوجود صحیح النسب ہونے کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور حکم قرآن و حدیث سے بغاوت کی ہے تو بہت زیادہ عتاب کا مستحق ہے۔

''نزدیکاں را بیش بود حیرانی'' بڑوں کی اولاد کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے جیسے کہ تابعداری کرنے پر ان کے مرتبے بھی بہت بڑے کئے جاتے ہیں۔ (مکتوبات ۲/۳۴۱-۳۴۲)

چند سوال وجواب

﴿س﴾

(۱) آپ فرماتے ہیں وہ کیا خاص عمل ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوجائے۔

﴿ج﴾

ذکر خداوندی، حدیث قدسی میں آیا ہے انا جلیس من ذکرنی اس بارہ میں اس معنی کی بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ (۳)

---

۱) تفصیل کے لیے دیکھئے سیرت المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ص/۱۴۱ مصنفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مکتبہ مجلس نشریات اسلام)

۲) سیرت المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ص/۴۰۷

۳) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا نبی اللہ او صنی الی ان قال علیك بذکر اللہ تعالیٰ فانہ نورلك اخرجہ البیھقی فی سنن الکبری ۲/۱۵۲ (بیروت)

﴿س﴾

آپ فرماتے ہیں کہ کس طرح دعا کرنے سے قبول ہوتی ہے، دعا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

﴿ج﴾

تضرع اور زاری اور دل لگا کر مانگنے سے اور حلال مال اپنے اوپر صرف کرنے سے اور جلد بازی نہ کرنے سے، اللہ تعالیٰ سے مایوس نہ ہونے سے۔ (۱)

﴿س﴾

وہ کیا عمل ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ رزق میں کمی کر دیتا ہے؟

﴿ج﴾

کفرانِ نعمت۔ (۲)

﴿س﴾

آپ فرماتے ہیں وہ کیا عمل ہیں جن سے مال و دولت زیادہ کر دی جاتی ہے؟

﴿ج﴾

شکرگذاری اور تقویٰ۔ (۳)

﴿س﴾

آپ فرماتے ہیں کہ کس عمل سے اللہ تعالیٰ بندہ کو دنیا میں بے عزت، ذلیل و خوار کنگال بنا دیتا ہے؟

---

۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة) سورۃ الاعراف/۵۵ ترجمہ تم لوگ اپنے پروردگار سے دعاء کیا کرو تذلل ظاہر کر کے اور چپکے چپکے بھی معارف القرآن ۵۷۶/۳ (ادارۃ المعارف)

۲) اول من یدعی الیہ الجنۃ الحامدون للہ تعالی علی کل حال (رواہ البیہقی ۱۵۲/۴ بیروت)

۳) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال جاء رجل الی النبی ﷺ او صنی فقال علیک بتقوی اللہ فانہ جماع کل خیر الحدیث رواہ البیہقی ۱۵۲/۴ الکبری بیروت

﴿ج﴾

تکبر وانانیت اور کمزوروں کو ستانا۔(۱)

﴿س﴾

کیا ازل سے اب تک اللہ جو کرتا آیا ہے، وہ اللہ اب جانتا ہے؟

﴿ج﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے، جن کو وہ کرتا آیا ہے ازل سے ابد تک کی تمام چیزیں اس کے علم میں ہیں۔(۲)

﴿س﴾

اب سے کل ابد میں اللہ خود جو کرے گا وہ اللہ تعالیٰ اب جانتا ہے؟

﴿ج﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور جو کچھ وہ ابد تک کرے گا اس سب کو اب بھی جانتا ہے، اور پہلے بھی جانتا تھا اور آیندہ بھی جانتا رہے گا۔(۳)

﴿س﴾

کیا اللہ ازل سے ابد تک کا سب کچھ جانتا ہے؟

﴿ج﴾

ہاں ازل سے ابد تک کا سب کچھ جانتا ہے۔(۴) (مکتوبات ۲/۱۹۰۔۱۹۱)

---

۱) عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: يقول عزوجل الكبرياء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحد منهما ادخلته النار وفی رواية قذفته فی النار مشكوة المصابيح كتاب الآداب، باب الغضب والكبر، الفصل الاوّل ۴۳۳ قديمی

۲) وقال تعالى: قل لا يعلم من فی السموات والارض الغيب الا الله (النمل ٦٥)

۳) وقال تعالى: وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هو ويعلم ما فی البر والبحر (انعام ٥٩)

۴) قل لا يعلم من فی السمٰوات والارض الغيب الا الله النمل ٦٥

حدیث رد اللہ علی روحی کا مفہوم

(س)

جب کوئی مسلمان حضور اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ رد اللہ علی روحی یعنی اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتے ہیں۔ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے روضۂ اقدس میں ہر وقت زندہ نہیں ہیں؟ حالانکہ یہ رائے جمہور کی رائے کے خلاف ہے؟

(ج)

(الف) ابوداؤد کی روایت میں رد اللہ علی روحی فرمایا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ما من مسلم یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی اسلم علیه (او کما قال) (۱) اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہوسکتا ہے الی اور علی کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا علی استعلاء کے لیے ہے اور الی نہایت طرف کے لیے ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی، اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے۔

چونکہ آنحضرت ﷺ مدارج قرب ومعرفت میں ہر وقت ترقی پذیر ہیں، اس لیے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کردیتا ہے، چنانچہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہد ہوتی ہیں، مگر جب رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنایا گیا ہے (۲) اس لیے بارگاہ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لیے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطا فرمائی گئی کہ خود سرور کائنات ﷺ کو اس استغراق سے منقطع کر کے درود والے کی طرف متوجہ کردیا جاتا ہے، اور آپ اس کے لیے متوجہ ہو کر دعا فرماتے ہیں۔ (۳)

---

۱) ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ما من احد یسلم علی الارد اللہ علی روحی حتی ارد علیه السلام (ابوداؤد شریف ۳۷۹/۱)

۲) وعن ابی امامة رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ ان اللّٰہ بعثنی هدیً ورحمة للعالمین وأمرنی لمحق المازف والمزامیر والآثار والصلیب وأمر الجاهلية مسند ابوداؤد طیالسی ص۱۵۵، مسند امام احمد بن حنبل ۲۵۷/۵ بیروت

۳) وعن ابن الحمیری رضی الله عنه قال: قال لی عمّار یا ابن الحمیری ألا احدثك عن حبیبی ﷺ قلت بلی قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ یا عمّار " ان للّٰہ ملكاً أعطاء أسماء الخلائق كلها وهو قائم علی قبری دامت الی یوم القیامة فلیس احد من امتی یصلی علی صلاة إلا أسماه باسمه واسم أبیه قال یا محمد علیك فلان فیصلی الرب علی ذالك الرجل بكل واحدة عشر۔ رواه الطبرانی الترغیب الترهیب

(ب) اگر بالفرض وہی معنی لیے جائیں جو آپ سمجھے ہیں اور "علی" اور "الی" میں کوئی فرق نہ کیا جائے تب بھی یہ روایت دوام حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ پر اندرون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو اس لیے دوام حیات لازم آئے گا۔

(ج) سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ (قطب العصر) کے مجموعہ ملفوظات مسمّی بہ "ابریز" میں درج ہے کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ سینہ مبارکہ میں سے نہایت باریک دھاگے نورانی بیشمار نکلے ہوئے ہیں اور ہر مسلمان کے قلب کے ساتھ ایک ایک دھاگے کا تعلق ہے، اور اسی تعلق کی بنا پر وہ اسلام اور ایمان پر ثابت ہے، اگر وہ منقطع ہو جائے تو ایمان باقی نہیں رہ سکتا، اس کشف پر متعدد اہل عصر نے انکار کیا تو سیدی عبدالعزیز نے کہا کہ اچھا مجھ کو اجازت دو کہ میں تم لوگوں کے دھاگے کو توڑ دوں اور تمہارے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں حائل ہو جاؤں، انہوں نے کہا کہ آپ یہ ضرور کریں، چنانچہ سیدی عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کیا تو وہ لوگ اسلام پر قائم نہ رہ سکے، کوئی یہودی کوئی نصرانی کوئی دھریہ ہو گیا[1] معاذ اللہ بناء علی ذلک حدیث مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ شعبہ جو کہ اس درود بھیجنے سے تعلق رکھتا تھا، اس کی طرف روح پر فتوح کی توجہ شدید ہو جاتی ہے اور آنجناب علیہ السلام اس کی طرف مزید اور خصوصی توجہ فرما کر دعا فرماتے ہیں۔

(د) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ نے رسالہ آب حیاۃ ص ۲۳۱ میں اس پر طویل بحث کی ہے جو کہ دقت مضمون اور طول کی وجہ سے اس وقت نقل نہیں کی جاسکتی البتہ اس کے خلاصہ کو نقل کرتا ہوں۔ اس صورت میں معنی حدیث شریف کے یہ ہونگے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ وتجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت ومحبیت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے، ہوش عطا فرما دیتا ہے یعنی مبدأ انکشاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مبدل بانقباض ہو جاتا ہے، اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہو جاتا ہے، اور اپنی ذات اور صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات وصفات سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے چونکہ سلام اعیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں اس لیے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں، اس صورت میں اثبات حیاۃ

---

۱) مصر کے مادرزاد ولی سیدی عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ میں نے کشف میں دیکھا کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد مجمع کثیر انسانوں کا ہے۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ انور سے کچھ دھاگے نکلے آتے ہیں۔ جو ان سے بعض لوگوں کے سینے کے ساتھ چپٹے آتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا یہ وہ خوش نصیب ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سنتے اور سناتے ہیں۔ روضۃ الصالحین اردو شرح ریاض الصالحین ار ۲۷۴ مکتبہ زم زم کراچی

اور دفع مظنۂ ممات بمعنی انقطاع تعلق حیات کے لیے جواب میں اور تکلفات کی حاجت نہ رہے گی، قطع نظر تصدیق وجدانی کے جو واقفان حقیقت مبدا انکشاف کو حاصل ہے، لفظ رد جو خود حدیث میں موجود ہے اس پر شاہد ہے، ہاں ایک شبہ باقی ہے وہ یہ کہ ایک جہاں آپ کا شیدائی ہے، کوئی دم ایسا نہ گزرتا ہوگا جو کوئی آپ پر سلام نہ عرض کرتا ہو اس صورت میں استغراق برائے نام ہی رہا، بلکہ یوں کہو کہ در پردہ اس کا انکار کرنا پڑا۔ یہ شبہ ایسا ہے کہ اور مجیبوں کے جواب پر تو اس کا زوال مشکل ہے ہاں بطور احقر اس کا جواب سہل ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ روح پرفتوح نبوی ﷺ جب منبع اور اصل ارواح باقیہ خصوصاً ارواح مؤمنین امت ٹھہری تو جون سا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔ آخری شعب متناہیہ اور ہیں۔

(الخ ص:۲۳۴)

(۴) ملائکہ سیاحین کی روایت فقط ابن حبان ہی میں نہیں صحاح میں بھی متعدد طرق سے موجود ہے [1] القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع (ﷺ) مصنفہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ میں روایت قوی نقل کی گئی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں کہ میں جب بھی مواجہ شریفہ میں مزار اقدس پر حاضر ہوا روح پرفتوح علیہ السلام کو عظیم الشان تموج میں پایا اور میں نے مشاہدہ کیا کہ زائرین صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کی طرف خصوصی طور پر توجہ فرماتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں اور اسی طرح پر ان لوگوں کی طرف خصوصی طور پر توجہ ہوتی ہے، جو کہ آپ کی مدح کرتے ہیں اور ان سے خوش ہوتے ہیں میں نے دیکھا کہ روح پرفتوح کی موج نے تمام متصل مکان اور فضا کو بھر رکھا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مزار مقدس کے پاس صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو روحانی سماع ہوتا ہے اور باعث جواب و دعا بنتا ہے اور اگر امکنۂ بعیدہ سے صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاتا ہے تو ملائکہ سیاحین جو کہ اس خدمت کے لیے متعین ہیں پہنچاتے ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں اور جواب سے درود پڑھنے والے کو شرف حاصل ہوتا ہے۔ (مکتوبات جلد ا۔ ص:۲۲۶۔۲۳۱)

---

۱) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ من صلی علی عند قبری سمعة ومن صلی علی نائیاً ابلغته (رواه البیهقی فی شعب الایمان الباب الخامس عشر فی تعظیم النبی ﷺ، بیروت حدیث نمبر ۱۵۸۳

کفروشرک اور ظلم وعصیان

﴿س﴾

کفروشرک اور ظلم وعصیان سب ایک ہی درجہ کی چیزیں ہیں یا ان میں فرق ہے۔

﴿ج﴾

(تمہید) کفراورشرک اورظلم اورعصیان سب ایک درجہ کے نہیں ہیں ان میں درجہ بہت مختلف ہیں۔

(الف) سب سے بڑا مرتبہ کفر میں کفر جحودیعنی اللہ تعالیٰ اوراس کی صفات کاملہ ومتواترہ کا انکار کرنا۔ رسالت کا انکار کرنا وغیرہ اور دل اور زبان سے ان کو نہ ماننا، اسی طرح شرک میں سب سے بڑا درجہ شرک صریح کا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اسی کی ذات، صفات، افعال، عبادت میں شریک کرنا اور سب سے ادنی درجہ یہ ہوگا کہ کسی ایسے فعل یا قول کا ارتکاب کیا جائے جو کہ موہم شرک وکفر ہو مگر دل میں یقین کامل اور ایمان صریح موجود ہے۔(۱)

(ب) فقہاء کرام بسااوقات کسی عمل یا قول پر تکفیر کا حکم دیتے ہیں مگر خود ان کی تصریح ہے کہ اگر کسی امر میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض اس کو موجب قرار دیتے ہیں اور بعض نہیں قرار دیتے تو تکفیر کا فتویٰ نہ دینا چاہیے۔ اہل عقائد اور متکلمین نے اس باب میں زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے محققین ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے قول یا فعل میں (۱۰۰) سو احتمالات ہوں۔ ننانوے احتمالات کفر کے ہیں اور ایک احتمال ایمان کا ہے تو تکفیر نہ کرنا چاہیے یعنی اگر کسی نے کوئی ایسا کلام کہا اور ایسا کام کیا جس سے کفر بھی سمجھا جاتا ہے اور اس کے وجوہ بہت سے ہوتے ہیں مگر ایک وجہ ایسی بھی ہو جس سے کفر نہ سمجھا جاتا ہو تو اگر چہ کفر کی وجہیں بہت زیادہ حتیٰ کہ ننانوے فی صدی کی ہوں مگر اس کے کلام اور فعل کو اس وجہ پر حمل کرنا چاہیے جو کہ ایمان کی ہے اور تکفیر نہ کرنا چاہیے حتیٰ کہ بعض محققین نے یہاں تک فرمایا کہ ننانوے لفظ حد بندی کے لیے نہیں ہے اگر کسی کے کلام یا فعل میں ایک ہزار وجہیں ہوں اور نو سو ننانوے معانی اور احتمالات اس میں کفر کے ہیں اور صرف ایک درجہ ایمان کا ہے تب بھی اس کی تکفیر نہ کرنی چاہیے۔ اس باب میں بہت زیادہ احتیاط کو کام میں لانا چاہیے۔ دیکھئے اسلام لوگوں کو کفر سے نکالنے کے لیے آیا ہے، لوگوں کو کافر بنانے کے لیے نہیں آیا، لوگوں نے اس میں بہت زیادہ

---

۱) الکفر لغة : الستر وشرعاً : تکذیبه ﷺ فی شئی مما جاء به من الدین ضرورة الدرالمختار مع ردالمحتار : ۴/۲۲۳ : باب المرتد کتاب الجهاد (مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی)

بے احتیاطی سے کام لے رکھا ہے، نیز اگر کسی سے ایسی چیز سرزد ہوئی اور اس نے اس سے انکار کیا یا ایسی تاویل کی جو کہ اسلامی عقائد پر دال ہے تو فوراً قبول کرنی چاہیے اس میں ردوقدح نہ کرنی چاہیے اور اس انکار اور تاویل کو اس کے ارتداد سے توبہ شمار کرنی چاہیے۔(۱)

(ج) کسی کلام یا فعل کا کلام کفر ہونا دوسری چیز ہے اور شخص کا کافر ہونا دوسری چیز ہے، بسا اوقات انسان سے ناواقفی یا مجبوری یا اور کسی وجہ سے کلمہ کفر کا، یا فعل کفر کا سرزد ہو جاتا ہے، مگر اس کے دل میں حقیقت ایمان موجود ہوتی ہے (۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی (جو ان کے بڑے بھائی اور حقیقی پیغمبر تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش سے نبی بنائے گئے تھے) داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچا اس سے بڑھ کر نبی کی اہانت کیا ہو سکتی ہے مگر انہوں نے اس کو معمولی گناہ بھی نہیں قرار دیا، ہر دو کی عصمت اور نبوت میں کوئی فرق نہیں آیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے الواح تورات کو زمین پر دے پٹکا۔ (جو کہ خود لے کر طور سے آئے تھے اور چالیس دن کے روزے اور اعتکاف کے بعد دی گئی تھی) وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗ اِلَيْهِ (۳) یا ابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا براسی (الایة) (۴)۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے (جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل کا سردار اور اپنا خلیفہ بنا کر یہ وصیت کر گئے تھے کہ ان کی اصلاح کرنا اور اہل فساد کی تابعداری نہ کرنا) فَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (۵) مگر ان کے سامنے قوم نے شرک اور بچھڑا پرستی کی حضرت ہارون نے صرف معمولی طور پر ان کو منع کیا یا قوم انما فتنتم به وان ربکم الرحمن، الآیة (۶) اور لڑنے اور مارنے مرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تا کہ شرک کا مادہ اکھڑ جاتا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، کم از کم گوسالہ کو توڑ ڈالتے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر سرزنش فرمائی اور فرمایا یٰہارون ما منعك

---

۱) لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن ... وفی الدرر وغیرہ: اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر و واحد یمنعه فعل المفتی المیل لما یمنعه الدر المختار ۳۵۳/۶: مطلب الاسلام یکون بالفعل باب المرتد (مکتبه رشیدیه کوئٹه جدید)

۲) واما عمار فاعطاهم ما أرادوا بلسانه مُكْرَهًا، فشكا ذلك الى رسول الله ﷺ فقال له رسول الله ﷺ: كيف تجد قلبك: قال مطمئن بالایمان فقال رسول الله ﷺ "فان عادوا فعد" اخرجه الحاکم ۳۵۷/۲ قدیمی تفسیر قرطبی ۱۹۰/۱۰ سورۃ النحل پارہ ۱۴ (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

۳) سورۃ الاعراف آیت نمبر: ۱۴۹ پارہ نمبر ۸

۴) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر: ۹۴ پارہ نمبر ۱۶

۵) سورۃ الاعراف آیت نمبر: ۱۴۲ پارہ نمبر ۸

۶) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر: ۸۹ پارہ نمبر ۱۶

اذ رأیتھم ضلّوا اَن لّا تتّبعَنِ الآیہ (۱) تو جواب میں فرمایا کہ مجھ کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ تم مجھ پر الزام قائم کرو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرا انتظار نہ کیا۔ انی خشیت ان تقول فرقت الآیہ۔ (۲)

خلاصہ کلام یہ کہ یہ افعال اور اقوال نہایت شدید درجہ کے ہیں مگر چونکہ ان کا صدور محض اللہ تعالیٰ کی انتہائی محبت اور معرفت اور غیرت کے جذبہ میں ہوا تھا اس لیے جانب ایمان ہی معتبر رہی اور کوئی خوف اور محاسبہ نہیں ہوا۔ اکراہ سے کلمہ کفر کہنے کے لیے خود قرآن میں ارشاد ہے: ﴿اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بالایمان﴾ (۳) مولانا فرماتے ہیں:

آنچہ گیرد علتی علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو کافروں نے مجبور کیا اور انہوں نے کلمات کفریہ کہہ دیئے باوجودیکہ ان کا قلب ایمان سے بھرا ہوا تھا اس لیے ان کے کمال میں فرق نہیں ہوا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''رُفِعَ عَن امتی الخطا والنسیان وما استکرھوا علیہ (کشف الخفا ۵۲۲/۱)'' خلاصہ یہ کہ باوجود کمال اور پختگی ایمان کے نادانستگی یا خطا یا جبر و اکراہ وغیرہ کی بناء پر مسلمان سے کفر کے کلمات اور افعال سرزد ہو سکتے ہیں اس لیے احتیاط بہت ضروری ہے۔ (مکتوبات ۷۹/۴۔۸۱) (۴)

تکفیر میں احتیاط لازم ہے

﴿س﴾

مولانا حسین علی صاحب علیہ الرحمہ نے قرب و جوار کے جاہل پیروں اور ان کے متبعین کو غلو فی الدرجات کی وجہ سے مشرک حقیقی کہا ہے اس بارے میں کیا ارشاد ہے۔

﴿ج﴾

ہم ان جہلاء کے (جن کو کافر کہا گیا ہے) کلام میں تاویل کرتے ہیں اور حسن ظن کو ضروری سمجھتے ہیں اور تکفیر کو حتی الوسع غیر ضروری قرار دیتے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فقہاء متاخرین اور قدماء اہل کلام کا اختلاف ہے

---

۱) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر: ۹۲، ۹۳ پارہ نمبر ۱۶
۲) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر: ۹۴ پارہ نمبر ۱۶
۳) سورۃ النحل آیت نمبر: ۱۰۵ پارہ نمبر ۱۴
۴) اخرجہ الترمذی من حدیث انس رضی اللہ عنہ: وقال: ھذا حدیث حسن غریب

فقہاء متاخرین بہت سی جزئیات پر تکفیر کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں اور اہل کلام کا مقالہ ہے لا نکفر احدًا من اھل القبلة ببدعة (۱) اور ان کا اصول ہے کہ اگر کسی کے کلام میں سو احتمالات ہیں ۹۹ احتمالات کفر کے نکلتے ہوں اور ایک احتمال ایسا ہے جس سے اس کا ایمان معلوم ہوتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کرنی چاہیے اور احتمال ایمان کو ترجیح دینی چاہیے حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز اپنے مکتوب انوار القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ متقدمین اہل کلام کا ننانوے احتمالات کو ذکر کرنا تحدیداً نہیں ہے بلکہ تقریباً ہے اگر ہزار احتمالات میں سے ۹۹۹ احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال ایمان کا ہو تو اس کی بھی تکفیر نہ کرنی چاہیے اس لیے وہ احتمال بلیغ عمل میں لاتے تھے میں نے خود حضرت گنگوہی قدس سرہ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب سے میں نے مکتوب انوار القلوب لکھا ہے اس وقت سے روافض کی تکفیر پر جرأت نہیں ہوتی اس پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ان کے ایمان پر بھی تو جرأت نہیں ہوتی تو فرمایا کہ نہ ہو مگر تکفیر نہ ہونی چاہیے۔
(ملفوظات مبارکہ۔ ص ۱۰۹) (۱)

شرک اور اس کے معنی

﴿س﴾

شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام کیا ہیں۔

﴿ج﴾

لفظ شرک عربی زبان کا کلمہ ہے اردو میں اس کا ترجمہ حصہ دار اور ساجھی ہونے کا ہے لفظ مشرک اسی سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ کسی چیز کو ساجھی اور حصہ دار بنانا ہے لفظ شریک حصہ داری اور ساجھا کرنے والے پر بولا جاتا ہے یہ اس کی لغوی حیثیت ہے عرف شرع میں اشراک کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا مساوی اور ہم مرتبہ یا حصہ دار اس کی ذات میں یا صفات خاصہ میں یا افعال خاصہ میں بنایا اور منایا جائے (۲) اس لیے اشراک کی شرع میں چار قسمیں ہوئیں:

---

۱) لا یفتی بکفر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن وفی الدرر وغیرہ اذا کان فی المسئلة وجوہ توجب الکفر وواحد یمنعہ فعل المفتی المیل لما یمنعہ الدر المختار ۳۵۳/۶ مطلب الاسلام یکون بالفعل باب المرتد (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

۲) الشریک ج شرکاء واشراک م شریکة ج شرائک: المشارک یقال (واللّٰہ لا شریک لہ) ای لا یشارک فی ملکہ ولا فی ذاتہ ولا فی صفاتہٖ (المنجد ص ۳۸۴) (بیروت)

①......اول اشراک فی الذات یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرح واجب الوجود (از خود موجود) ازلی (ہمیشہ سے) ابدی (ہمیشہ تک) خود بخود ہونے والا سمجھا جائے۔

②......اشراک فی الصفات یعنی کسی کے لیے وہ صفات مانی جائیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ اور مخصوصہ ہیں اور ان کو وہی درجہ دیا جائے جو کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ہے مثلاً اس میں علم محیط یا ذاتی مانا جائے یا اعتقاد رکھا جائے کہ کوئی دوسرا ہر چیز کو اپنے علم میں احاطہ کئے ہوئے ہے کوئی چھوٹی بڑی چیز کہیں بھی اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے یا یہ عقیدہ رکھا جائے کہ کسی دوسرے کا بھی علم اصلی اور ذاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اصلی اور ذاتی ہے کسی کا دیا ہوا نہیں اسی طرح کسی کو عالم الغیب والشہادہ ماننا وغیرہ وغیرہ۔ اس ہی طرح اس کی صفت ارادہ وصفت سمع اور کلام تکوین صفات ذاتیہ کو کسی کے لیے عام یا ذاتی ماننا ہے۔

③......اشراک فی الافعال یعنی کسی کے لیے وہ افعال ماننے جو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں جیسے احیاء (زندہ کرنا) اماتت (جان سے مارنا) ترزیق (رزق دینا) خلق وایجاد پیدا کرنا موجود کرنا شفا، بیماری کو دور کرنا تصرف فی العوام تمام کائنات میں تصرف کرنا وغیرہ وغیرہ اسی طرح سے کہ کوئی چیز ان افعال سے باہر نہ ہو۔

④......اشراک فی العبادت یعنی وہ امور جو عبارت قرار دیئے گئے ہیں اور ان میں معبود کی انتہائی تعظیم اور عابد کی انتہائی ذلت ہوتی ہے ایسے امور کو کسی غیر خدا کے سامنے بجالانا جیسے غیر اللہ کو سجدہ کرنا رکوع کرنا اس کی نذر ماننا اس کو پکارنا اس عقیدہ سے کہ وہ غیر اس کی پکار کو سنتا اور دستگیری کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ (۱)

(مخطوطات مبارکہ ص ۱۷۰)

---

۱) وانما قلنا : انه حی قیوم ، لانه واجب الوجود لذاته کل ماسواه فانه ممکن لذاته محدث حصل تکوینه وتخلیقه وایجاده علی ما بین کل ذالك فی تفسیر قوله تعالی : الله لا اله الا هو الحی القیوم واذا کان الکل محدثا امتنع کون شی منها ولداً والهًا کما قال ((ان کل من فی السموات والارض الا أت الرحمن عبداً التفسیر الکبیر ال عمران ۲۸ ے ۱۵۶ دارالکتب العلمیه))

واذا ثبت هذا فاعلم ان علماء نا فی اللّٰه تعالی عنهم قالوا : الشرك علی ثلاث مراتب و کله محرم واحله اعتقاد شریك طلب فی الوهیة وهو الشرك الأعظم ، وهو شرك الجاهلیة : وهو المراد بقوله تعالی : ان اللّٰه لا یغفر ان یشرك بِهٖ ویغفر ما دون ذالك لمن یشاء، النساء ۴۸ ـ وَیَلیهٖ فی الرتبة اعتقاد شریك لِلّٰه تعالی فی الفعل وهو قول من قال ان موجود امّا غیر الله تعالی یستقل یا حداث فعل وایجاده وان لم یَسْتَقِدْ کو نه الها کالقدریة مجوس هذا الامة : وقد تبراء منهم ابن عمر فی الحدیث جبریل ویلی هذا الرتبة الا شراك فی العبادة وهو الریاء وهو ان یفعل شیاء من العبادت التی أمر الله تعالی بفلها له لغیره وهذا هو الذی سلیت الایات والاحادیث لبیان تحریمه وهو مبطل الاعمال وهو خفی لا فاشرك فی الربوبیة فان العرب سبحانه هو المالك المدبر المصطی المانع الضاء النافع الخاض الرافع المعز الذل ، فمن شهد ان المصطی او المانع او انصار او النافع او المذل غیره فقد اشرك بربوبیة (مجموعة الفتاوٰی لابن تمیه رحمة اللّٰه علیه ۱/۷۲ بیروت جدید)

توحیدورسالت دونوں پرایمان ضروری ہے

﴿س﴾

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام لانے کے لیے صرف وحدانیت پر ایمان کافی ہے رسالت پر یقین ضروری نہیں۔کیا یہ صحیح ہے۔

﴿ج﴾

ان الذی یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلك سبیلا اولئك هم الکفرون حقاً واعتدنا للکافرین عذاباً مهیناً والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ ولم یفرقوا بین احد منهم اولئك سوف یوتیهم اجورهم وکان اللہ غفوراً و رحیماً (۱)

ترجمہ: جولوگ منکر ہیں اللہ سے اوراس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اوراس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کواور نہیں مانتے بعضوں کواور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافراور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب۔اور جولوگ ایمان لائے اللہ پراوراس کے رسولوں پراور جدانہ کیاان میں سے کسی کوان کوجلد دے گا ثواب اوراللہ ہے بخشنے والامہربان۔

①......آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہوگیا کہ نہ فقط اللہ تعالیٰ اوراس کی وحدانیت کا ایمان بغیر رسول کے ایمان کے معتبر ہےاور نہ فقط رسول پرایمان بغیر اللہ کے،اوراس کی توحید کے ایمان معتبر ہےاور نہ بعض رسولوں پر ایمان اور بعض پرعدم ایمان معتبر ہےاس لیے یہ قول کہ صرف لا الہٰ الا اللہ کا قائل یا عامل قابل نجات ہےاس کو اقرار برسالۃ کی ضرورت نہیں باطل ہے۔(۲)

---

۱) سورۃ النساء پارہ ۶، الایۃ ۱۴۹

۲) المراد " بالضروریات" علی ما اشتهر فی الکتب : ما علم کونه من دین محمد ﷺ بالضرورۃ، بأن تواتر عنه استفاض، وعلمته العامة کالو حدانیة والنبوۃ وختمها بخاتم الانبیاء وانقطاعها بعدہ، وهذا مما شهد اللہ به فی کتابه وشهدت به الکتب السابقة، وشهد به النبیون وشهد به الاموات ایضاً۔ کذلا بن خارجة الذی تک[redacted]بعد الموت و کالبعث والجزاء، ووجوب الصلاۃ والزکوۃ، وحرمة الخمرو نحوها (اکفار الملحدین، لانور شاہ کشمیری) مجموعة رسائل الکشمری ۳/۳۷ (ادارۃ القرآن کراچی)

②...... ہر نص میں بہت سی قیود بوجہ ظہور ملحوظ ہوتی ہے جن کو بسا اوقات ذکر نہیں کیا جاتا اور وہ بالاتفاق ضروری ہوتی ہیں مثلاً اسی حدیث میں قلبی یقین اور تصدیق کا تذکرہ نہیں ہے فقط یہی کہا گیا ہے من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ تو کیا اگر کسی نے یہ کلمہ استہزا اور مذاق کے طور پر یا کسی کے کلام کی نقل کے طور پر کہا تو وہ بھی اس کا مستحق ہوگا یا کسی نے مسلم جیش کے سامنے جانے بچانے کے لیے یہ کلمہ کہا اور قلب میں تصدیق نہیں ہے تو کیا وہ اس اجر کا مستحق ہوگا یا اس کلمہ کہنے کے بعد انکار کر دیا یا کلمہ شرک کا بول دیا یقیناً معلوم ہے کہ وہ توحید نجات کے لیے کافی نہیں ہے اور حسب تصریحات روایات و آیات قید تصدیق قلبی کی ضرور لگانی ہوگی اور عدم انکار کی بھی قید ضروری ہوگی اسی طرح اس روایت میں ایمان بالرسالۃ کی بھی قید لگانی ضروری ہوگی۔ (۱)

جیسا کہ آیت مذکورہ سے ظاہر ہے سورۂ حجرات میں ہے ﴿انما المؤمنون الذین أمنوا باللہ ورسلہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئك ھم الصادقون﴾۔ (۲)

ایمان والے لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنے جان سے وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے...... لفظ انما جو کہ صیغہ حصر ہے یہاں استعمال کیا گیا ہے حدیث جبرئیل علیہ السلام میں اور حدیث وفد عبدالقیس میں ایمان کی تفصیل اور تعریف اسی لیے بیان فرماتے ہوئے ایمان بالرسل والملائکہ والکتب والقیامہ والقدر کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ (۳)

③...... توحید کا دعویٰ تو یہود و نصاریٰ مشرکین عرب اور ہنود ہند سب کرتے ہیں مگر اسی توحید کے ساتھ یہود (عزیز علیہ السلام کو ابن اللہ (۴) اور ید اللہ مغلولۃ (۵) اور ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء (۶) اور تجسیم وغیرہ کے قائل ہیں (۷)۔

---

۱) والایمان ھو الاقرار والتصدیق وذھب جمھور المحققین الی ان الایمان ھو التصدیق بالقلب وانما الاقرار شرط لاجراء الاحکام فی الدنیا لما ان تصدیق القلب أمر لا بدله من علامة " شرح الفقه الاکبر لملاعلی قاری ص ۸۶،۸۵" (قدیمی)

○ وفی حدیث جبریل: قال فأخبرنی عن الایمان قال: ان تومن باللّٰہ تعالی وملائکتہ و کتبه ورسله والیوم الأخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ الخ۔ مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان ۱۱/۱ (قدیمی) صحیح مسلم کتاب الایمان ۲۷/۱ (قدیمی)

۲) سورۃ الحجرات آیۃ نمبر ۱۵ / پارہ ۲۶ / رکوع نمبر ۲

۳) وفی الحدیث: قال اخبرنی عن الایمان: قال ان تومن باللّٰہ وملائکتہ و کتبه ورسله والیوم آلاخر وتومن بالقدر خیرہ وشرہ الخ مشکوۃ المصابیح: کتاب الایمان ۱۱/۱ قدیمی کتب خانہ

۴) سورۃ التوبہ آیت نمبر: ۱۰/۳۰ رکوع: ۱۰

۵) سورۃ المائدہ آیت: ۶/۶۴ / رکوع: ۱۳

۶) سورۃ آل عمران آیت: ۱۸۱ / ۴ / رکوع: ۹

۷) یأھل الکتاب لا تغلو فی دینکم ولا تقولوا علی اللّٰہ الا الحق انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللّٰہ کلمتہ القاھا الی مریم وروح منه فامنوا باللّٰہ ولا تقولو ثلثة انتھوا خیرا لکم انما اللّٰہ اله واحد سبحانه ان یکون له ولد۔ له ما فی السموات وما فی الارض و کفی باللّٰہ و کیلا۔ سورۃ النسآء آیت نمبر ۶/۱۳۰ / رکوع ۳

نصاریٰ اسی توحید کے ساتھ تثلیث اور ابن اور روح القدس اور زوجہ وغیرہ کے قائل ہیں بت پرستان ہندو نرا نکار صرف خدا کے قائل ہوتے ہوئے تاروں اور عبادت غیر اللہ کے قائل ہیں، تجسیم اور حلول وغیرہ ان کے عقائد ہیں کیا ایسی توحید قابل اعتبار ہوگی اس لیے قائل من قال لا الہ الا اللہ ہی سے جو تفسیر توحید منقول ہے وہ ہی موجب نجات ہوگی اور جب اس کی تعلیم کا اعتبار کیا گیا تو تصدیق رسالت لازم آگئی ورنہ وہ توحید حقیقی نہیں لفظی ہے۔ جو کہ قابل اعتبار نہیں، واللہ اعلم۔

④......اسی روایت من قال لا الہ الا اللہ الحدیث کے جملہ طرق اگر جمع کئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ روایت مختصر واقع ہوئی ہے۔ اس میں کچھ اور بھی زیادتی ہے جو کہ راوی نے بوجہ ظہور یا اختصار یا نسیان یا عدم ضرورت بعض اوقات میں چھوڑ دی ہے اور بعض اوقات میں ذکر کر دیا ہے مثلاً مخلصاً من قلبہ [1] بخاری شریف وغیرہ میں اسی روایت میں موجود ہے دوسری روایتوں میں وانی رسول اللہ بھی موجود ہے اسی لیے ائمہ فن فرماتے ہیں کہ جب تک کسی روایت کو اس کے تمام طرق سے نہ دیکھا جائے جب تک معنی متعین کرنے میں غلطی ہوتی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ستر اور اسی تک کی قید لگاتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ روایت مذکورہ کے جملہ طرق کو جمع کئے ہوئے بغیر کسی معنی کو متعین کرنی ناواقفی اور بے اصولی ہے کسی فن میں اس کے اصول اور قوانین کو ترک کر کے داخل ہونا اہل فن کے نزدیک انتہائی غلطی ہوتی ہے جس کو تمام اہل فن ضروری مانتے ہیں مگر افسوس کہ طبابت، ڈاکٹری، انجینئری، نقشہ نویسی، تاریخ سائنس وغیرہ میں تو قاعدہ یہ ضروری قرار دیا ہے مگر فن حدیث وفقہ میں ہر ناواقف بغیر اصول وقوانین رائے زنی ضروری سمجھتا ہے اور اپنی رائے کے خلاف کی تحمیق کرتا ہے۔ (مکتوبات ۱/۲۱۱۔۲۱۳)

ایمان فرعون



شیخ اکبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ فرعون آخری وقت میں ایمان لے آیا تھا کیا یہ رائے صحیح ہے۔

---

1) وعن انس رضی اللّٰہ عنہ: قال کان رسول اللّٰہ ﷺ یقول: الاسلام علانیۃ والایمان فی القلب قال ثم یشیر بیدہ الی صدرہ ثلاث مرات قال ثم یقول التقوی ھاھنا اخرجہ الاحمد بن حنبل فی مسندہ ۳/۱۳۴ (بیروت)

﴿ج﴾

ایمان فرعون کے بارے میں جو کچھ شیخ اکبر نے لکھا ہے وہ جمہور کی رائے کے خلاف ہے(۱)، استدلال کی سخافت سے شبہ ہوتا ہے کہ غالباً یہ قول ان کا نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ بعض علماء کا قول ہے کہ ملاحدہ نے ان کی کتاب میں اپنی طرف سے زیادہ کر دیا ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس مقالہ پر رد کے لیے ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے، جس کو عرصہ ہوتا ہے، میں نے مدینہ منورہ زید شرفا میں دیکھا تھا، یہ نہیں معلوم کہ وہ چھپ گیا ہے یا نہیں استدلال میں اولاً امرأۃ فرعون (۲) کا قول پیش کیا گیا ہے مگر یہ استدلال نہایت کمزور ہے۔ جس وقت یہ قول ان سے صادر ہوا اس وقت تک وہ خود بھی ایمان نہیں لائی تھیں پھر ان کا عالم الغیب ہونا یا امور مستقبلہ پر مطلع ہونا کسی وقت میں بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کا کشف والہام کسی زمانہ میں شرعی حجت ہو سکتا ہے، پھر کس طرح یہ قول قابل استدلال ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر محض ان کے قول کو نقل فرمایا ہے، اس کی تصحیح اور تصدیق نہیں فرمائی، یہ عادت خداوندی اقوال صحیحہ اور باطلہ دونوں میں جاری ہے، نیز قرۃ العین ہونا محبوبیت سے کنایہ ہے جو کہ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ محبةً منی (۳) (اور ڈالدی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے) کا نتیجہ تھا۔ اس لیے ہر مومن اور غیر مومن کے اس زمانہ طفولیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام محبوب اور قرۃ عین تھے اس سے ایمان فرعون پر استدلال نہایت ہی کمزور ہے بالخصوص جب کہ اس کے خلاف قواعد کلیہ اور آیات جزئیہ دونوں کھلے بندوں دلالت کر رہی ہوں، علی ہذا القیاس اس کو آیۃ قرار دینا بھی اسلام پر دال نہیں ہر وہ شے جس سے جناب باری عز اسمہ کے صفات وافعال وذات پر کسی وجہ سے استدلال ہو سکتا ہو وہ آیۃ ہو سکتی ہے اس میں ذی روح ہونے کی شرط بھی نہیں ہے چہ جائے کہ اسلام مشروط ہو۔

قواعد کلیہ شرعیہ جو کہ قطعی طور پر اس کے بطلان کے شاہد ہیں

فلما رأوا باسنا قالوا اٰمنّا بالله وحده و کفرنا بما کنا به مشرکین فلم یك ینفعهم ایمانهم

---

۱) وقوله تعالی (آلن وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین) استفهام انکار ونص علی عدم قبوله تعالی منه ذلك، لانه، واللّٰه اعلم! وقد ارسله غیر واحد من السلف کابراهیم التیمیؒ: وقتادة، ومیمون بن مهران ویقال ان الضحاك بن قیس خطب به الناس۔ وفی بعض الروایات ان جبریل قال ما بغضت احداً بغضي لفرعون حین قال: انا ربکم الاعلی، ولقد جعلت ادسّ فی فیه الطین حین قال ما قال البدایةُ والنهایة : مبدأ الخلیقه وقصص الانبیاء۔ ذکر هلاك فرعون وجنوده ابن کثیرؒ۔ ۵۴/۲ (رشیدیه کوئٹه)

۲) ایضاً البدایة والنهایه لابن کثیرؒ ۲۹/۲ وتفسیر ابن کثیرؒ ۴۲۷/۲ بیروت

۳) سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۳۹ پارہ نمبر ۱۶: رکوع نمبر ۱۱

لما رأوا بأسنا سنة الله التی قد خلت فی عبادہ وخسر ھنالك الكافرون۔ (پ۲۴ع۱۴)(۱)

ترجمہ: پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو بولے ہم یقین لائے اللہ اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جن کو شریک بتلاتے تھے پھر نہ ہوا کہ کام آئے ان کو یقین لانا ان کا جس وقت دیکھ چکے ہمارا عذاب رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے اس کے بندوں میں اور خراب ہوئے اس جگہ منکر۔

اس آیت سے قاعدہ کلیہ اور سنت الٰہی کا پتہ چلتا ہے کہ عذاب الٰہی کے دیکھنے کے بعد ایمان معتبر نہیں۔ (۲)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّا احسوا باسنا اذاھم منھا یرکضون لا ترکضوا وارجعوا الی ما اترفتم فیه ومساکنکم لعلکم تسئلون۔ قالوا یاویلنا انا کنا ظالمین فما زالت تلك دعواھم حتی جعلنا ھم حصیدا خامدین۔ (۳)

ترجمہ: پھر جب آہٹ پائی انہوں نے ہماری آفت کی تب لگے وہاں سے بھاگنے، مت بھاگو اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا، اور اپنے گھروں میں شاید تم کو کوئی پوچھے کہنے لگے ہائے خرابی ہماری ہم تھے گنہگار، پھر برابر یہی رہی ان کی فریاد یہاں تک کہ ڈھیر کر دیئے گئے کاٹ کر بجھے پڑے ہوئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فلولا كانت قرية أمنت فنفعها ايمانها الا قوم يونس لما أمنوا كشفنا عنهم عذاب الخزی فی الحيوة الدنيا ومتعنا هم الى حين۔ (۴)

ترجمہ: سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لائی پھر کام آتا ان کو ایمان لانا مگر یونس کی قوم، جب وہ ایمان لائی اٹھا لیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگانی میں اور فائدہ پہنچایا ہم نے ان کو ایک وقت تک۔

الغرض عذاب کے دیکھنے کے بعد ایمان لانا نفع نہیں دیتا، اس قاعدہ کلیہ سے صرف قوم یونس علیہ السلام کو مستثنیٰ

---

۱) سورة المؤمن آیت نمبر ۸۵/۲۴ رکوع ۱۵

۲) جس وقت روح نکل رہی ہو اور نزع کا عالم ہو وہ وقت دنیا کی زندگی میں شمار نہیں اس وقت کا کوئی عمل بھی شرعاً معتبر نہیں اس سے پہلے پہلے ہر عمل معتبر ہے تفسیر معارف القرآن۔ لمولانا محمد شفیع رحمہ اللہ سورة یونس (ادارة المعارف کراچی)

۳) سورة الانبیاء آیت نمبر ۱۷/۱۱: رکوع: ۲

۴) سورة یونسؑ آیت نمبر ۹۷: ۱۱: رکوع: ۱۳

قرار دیا گیا ہے (۱)، جس کی وجہ یہ تھی کہ حقیقتاً ان پر عذاب نہیں آیا تھا، بلکہ حضرت یونس علیہ السلام کی جلد بازی کی بنا پر صورت عذاب نمودار کی گئی تھی، ادھر حضرت یونس علیہ السلام پر اس جلد بازی پر عتابات متعددہ وارد کئے گئے، اسی قاعدہ کلیہ کو سورہ نساء میں مندرجہ ذیل کلمات کے ساتھ مشرح فرمایا گیا ہے۔

ولیست التوبة للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدهم الموت قال انی تبت الان ولا الذین یموتون وهم کفارٌ اولئك اعتدنا لهم عذاباً الیما (۲)

ترجمہ: اور ایسوں کی توبہ نہیں جو کئے جاتے ہیں برے کام یہاں تک کہ جب سامنے آ جاوے ان میں سے کسی کے موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ایسوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں حالت کفر میں ان کے لیے تو ہم نے تیار کیا ہے عذاب دردناک۔

جس نے صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ موت حاضر ہو جانے کے وقت میں (جب کہ علامات موت ظاہر ہو جائیں اور انسان کو عالم الغیب کی اشیاء دکھائی دینے لگیں) توبہ مقبول نہیں ہے، نہ عذاب دنیوی دور ہوتا ہے اور نہ عذاب آخرت سے رستگاری ہوتی ہے، نیز ان آیات نے صاف طور پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ فرعون جس نے ادراک غرق اور عذاب الٰہی کے مشاہدہ کے بعد ایمان کے کلمات کہے وہ ایمان دار عنداللہ اور عندالشرع نہیں ہوا، اور اس کی توبہ مقبول نہیں ہوئی، ادراک غرق کا مرتبہ تو رویت عذاب الٰہی اور رویت باس خداوندی سے بعد کا ہے جبکہ رویت ہی سے ایمان کا نفع دینا ممنوع ہو جاتا ہے، تو ادراک عذاب سے بدرجۂ اولی ممنوع ہوگا (۳)۔

---

۱) قال علماءُ التفسیر: بعث اللّٰه تعالی یونس الی اهل ((نینوی)) من أرض الموصل فدعاهم الی عزّوجلّ، فکذّبوه وتمردوا علی کفرهم وعنادهم، فلما طال ذلك علیه من امرهم خرج من بین أظهرهم، ووعدهم حلول العذاب بهم بعد ثلاث۔ وقال ابن مسعود، ومجاهد، وسعید بن جبیر، وقتادة، وغیر واحد من السلف والخلف: فلما خرج من بین ظهرانیهم وتحققوا نزول العذاب بهم، قذف اللّٰه فی بین کل بهیمةٍ وولدها، ثم عجوا (بالدعا) الی اللّٰه عزوجلّ وضرحوا وتضرّعوا الیه، وتمسکنوا لدیه، وبکی الرجال والنساء والبنون والبنات والأمهات، وجاءت الانعام والدوابُّ والمواشي، فرغت الابل وفصلانها وخارت البقروأ ولادها وثغت الغنم وحملا نها، وکانت ساعة عظیمةٌ هائلة، فکشف اللّٰه العظیم بحوله ورأفتِه ورَحمته عنهم العذاب الذی کان قد اتصل بهم بسببه ودار علی رؤوسهم کقطع اللیل المظلم، ولهذا قال تعالی (فلولا کانت قریة امنت فنفعها ایمانها) یونس: ۹۸، البدایة والنهایة لابن کثیرؒ ۱/ ۲۳۰: قصه یونس (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

۲) سورۃ النساء آیت نمبر ۱۷: ۴: رکوع: ۳

۳) اس سے ثابت ہوا کہ عین موت کا ایمان لانا شرعاً معتبر نہیں اس کی مزید تشریح اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول فرماتے رہتے ہیں۔ جب تک غرغرہ موت کا وقت نہ آجائے (ترمذی شریف) تفسیر معارف القرآن ۲/ ۵۶۴

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون اور فرعونیوں کے لیے بددعا میں ارشاد فرمانا: فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم (۱) خود اس کے لیے شاہد عدل ہے۔ اگر ایسے وقت میں ایمان نافع ہوتا تو اس بددعا کے کوئی معنی نہیں تھے، حالانکہ یہ دعا مقبول ہوئی اور فرمایا گیا قد اجیبت دعوتکما اور اس بددعا کا اثر بھی تھا کہ فرعون نے مرتے وقت تک ایمان قبول نہ کیا (۲)، بہر حال ان آیات سے جو حکم اور قاعدۂ خداوندی مفہوم ہوتا ہے وہ نہایت قوی ہے، اور فصوص الحکم میں جو استدلال ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کوئی بھی وقعت اور قوت نہیں رکھتا غور فرمایئے۔

فرعون کے متعلق آیات خصوصیہ بھی جمہور ہی کی تائید کرتی ہیں

۔ سورۂ ہود، میں فرمایا جاتا ہے:

ولقد ارسلنا موسی بأیٰتنا وسلطان مبین الی فرعون وملائه فاتبعوا امر فرعون وما فرعون برشید یقدم قومه یوم القیامه فاوردهم النار وبئس الورد المورود واتبعوا فی هذه لعنةً ویوم القیامة بئس الرفد المرفود۔ (۳)

''اور البتہ ہم بھیج چکے ہیں موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح سند دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس پھر وہ چلے حکم پر فرعون کے اور نہیں بات فرعون کی کچھ کام کی آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچائے گا ان کو آگ پر اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہاں میں لعنت اور دن قیامت کے بھی برا انعام ہے جو ان کو ملا

آیات مذکورہ بالا میں یقدم قومه الخ کے جملہ پر غور کریں، اگر اس کا ایمان عنداللہ معتبر ہوتا ہے تو دوزخ کے وارد کرنے میں وہ سب سے آگے آگے کیوں ہوتا اور دنیا و آخرت میں لعنت کیوں اس پر کی جاتی، بالخصوص صاحب فصوص رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی بنا پر فقبضه طاهراً ومطهرا لیس فیه شئی من الحیف لانه قبضه عند ایمانه قبل ان یکتسب شیئا من الاثام۔ والاسلام یجب ما قبله (۴) (فرعون دنیا سے طاہر اور

---

۱) سورۃ یونس آیت نمبر ۸۷ : ۱۱ : رکوع ۱۳ : ۱۳

۲) قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کو سحر کہہ کر نظر انداز کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ: مهما تاتینا به من آیة لتسحرنا بها فما نحن لك بمومنین۔ سورۃ یونس آیت ۱۳۲: پارہ نمبر ۱۱: رکوع نمبر ۵ (معارف القرآن ۴۴/۴)

۳) سورۃ ھود آیت نمبر ۹۵ تا ۹۷: رکوع نمبر ۹: پارہ ۱۲

۴) یقدم قومه الخ یعنی انه یتقدم الی النار اذهو رئیسهم یقال: قَدَمَهم یقدمهم وقدوما اذا تقدمهم الخ۔ تفسیر قرطبی ۸۰/۹ سورۃ هود بیروت

مطہر مرا اس کے اندر کوئی گناہ نہیں رہا کیوں کہ اس کی موت قبل اس کے کہ کچھ گناہ کرے ایمان کے ساتھ ہو گئی اور اسلام ماقبل گناہوں کو محو اور قطع کر دیتا ہے) تو اس آیت کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے اور بالکل ہی مناقضہ لازم آتا ہے۔

نوٹ: یہ تاویل کرنا کہ ضمیریں صرف ملاء کی طرف راجع ہیں، فرعون اس میں داخل نہیں ہے خلاف عربیت اور خلاف لسان عربی ہے، بالخصوص جبکہ یقدم اور قومہ کی ضمیر خصوصیت کے ساتھ فرعون ہی کی طرف راجع ہوتی ہے، اس لیے آئندہ کی ضمیریں مجموعہ کی طرف ہی عائد ہونگی، نیز یہ تاویل کہ وہ اپنی قوم کو داخل فی النار کرادے گا مگر خود داخل نہیں ہوگا بالکل غلط ہے اگر اس کا امر بالمعصیت معصیت نہیں رہا تھا اور اسلام نے حسب ارشاد مجب ماقبلہ گذشتہ کو محو کر دیا تھا تو پھر یہ جزا یقدم قوم الخ کیوں دی گئی، اور وہ اغوا کار کیوں بنایا گیا، اور جب کہ وہ طاہر اور مطہر لیس فیه شئی من الحیف ہے تو قیامت میں یہ معاملہ کیوں ہے؟ ایسے لوگوں کے لیے تو ارشاد کیا گیا ہے لایسمعون حسیسها نیز دوزخ کی گرمی اور تغیظ، زفیر و شہیق وغیرہ مسیرۃ سبعین سنۃ تک پہنچتی ہے کیا اس ایرادقوم میں وہ عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا؟

سورہ قصص میں ہے۔

(واستکبر هو وجنوده فی الارض بغیر الحق وظنوا انهم الینا لا یرجعون فاخذناه وجنوده فنبذناهم فی الیم فانظر کیف کان عاقبة الظالمین وجعلناهم ائمة یدعون الی النار ویوم القیامة لا ینصرون واتبعنا هم فی هذه الدنیا لعنة ویوم القیامة هم من المقبوحین۔) (۱)

ترجمہ: ''اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئیں گے۔ پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پھر پھینک دیا ہم نے ان کو دریا میں۔ سو دیکھ لیا کیسا انجام ہوا گنہگاروں کا اور کیا ہم نے ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور قیامت کے دن ان کو مدد نہ ملے گی اور پیچھے رکھ دی ہم نے ان پر اس دنیا میں پھٹکار اور قیامت کے دن ان پر برائی ہے۔''

ان آیات میں غور فرمایئے، استکبار کی معصیت میں فرعون کی نسبت خاص طور پر ذکر کی گئی ہے اور پھر مابعد کی ضمیریں مجموعہ کی طرف عائد کی جارہی ہیں، نیز ائمة یدعون الی النار کا حقیقی مصداق خود فرعون ہوتا ہے، اس کے ملاء کے لوگ تو ثانیاً و بالعرض ہوں گے اور ان سب کو قیامت میں مقبوح فرماتے ہیں، کیا ایمان اور اس کے آثار کے ہوتے ہوئے یہ جزائیں مترتب ہو سکتی ہیں؟

---

۱) سورۃ القصص آیت نمبر ۳۸ تا ۴۱: رکوع نمبر ۴: پارہ نمبر ۲۰

(فوقاہ اللہ سیئات مامکروا وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیھا غدواً وعشیا ویوم تقوم الساعۃ أدخلوا آل فرعون اشد العذاب) (۱)

ترجمہ: ''پھر بچالیا موسیٰ کو اللہ نے برے داؤں سے جو وہ کرتے تھے اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ان کو صبح اور شام اور جس دن قائم ہوگی قیامت حکم ہوگا داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں۔''

اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاویل کہ آل فرعون میں خود فرعون داخل نہیں ہے، قرآن کے محاورہ کے خلاف ہے فرمایا جاتا ہے، اعملوا آل داؤد شکر الایہ میں بالاتفاق حضرت داؤد علیہ السلام مخاطب ہیں اسی طرح ولقد اخذنا آل فرعون بالسنین الایہ میں فرعون بھی بالاتفاق اس مواخذہ میں داخل ہے۔ (۲)

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے پایہ کے بزرگ ہیں اور بہت بڑے محقق ہیں اس لیے یہ قول یا تو در حقیقت ان کا ہے ہی نہیں، بلکہ ان کی تصانیف میں ملاحدہ نے چھپا کر داخل کر دیا ہے جیسا کہ امام العارفین شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے اور اگر ان کا قول ہی ہو تو یقیناً اس میں ان سے خطا ہوئی ہے وہ بڑے ہیں مگر معصوم نہیں ہیں اس لیے جمہور کا قول صحیح ہے۔

حدیث قوی میں وارد ہے کہ اس کے اس قول کے وقت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریا میں سے گارا نکال کر اسکے منہ میں بھر دیا کہ کہیں رحمت خداوندی اس کی نگراں کار نہ بن جائے۔ (مخافۃ ان تدرکہ الرحمۃ) (۳)

یہ فعل ان کا یقیناً بغض فی اللہ ہی کی بنا پر ہو سکتا ہے جو کہ اعلیٰ درجات ایمان میں سے ہے مگر جو ہستی کہ لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون کے مصادیق کی امام اور عند ذی العرش مکین مطاع اور امین ہو بغیر مرضی خداوندی کب ایسا فعل کر سکتی ہے؟ لہٰذا یہ جملہ تاویلات غیر مرضی اور غیر قابل التفات ہیں قدرت خداوندی میں کلام نہیں واقعات سے بحث ہے واللہ اعلم رحمت الٰہی کی وسعت جو نصوص سے معلوم ہوتی ہے وہ اسی پر منحصر نہیں ہے۔ (مکتوبات ۱/۲۱۳۔۲۱۹)

---

۱) سورۃ مومن: ۴۴/۱۶: رکوع ۶: ۲۴

۲) سورۃ اعراف: پارہ نمبر ۹

۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (فلما قال فرعون ء امنت انه لا اله الا الذی ء امنت به بنو اسرائیل) قال: قال لی جبریل: لورأیتنی وقد اخذت من حال البحر فدسته فی فیه مخافة ان تناله الرحمة) رواہ ترمذی رقم (۳۱۰۷) فی تفسیر، باب سورۃ یونس وھو حدیث صحیح بطرقه) البدایه النھایه ۲/۵۵ (رشیدیه)

کیا گائے کا گوشت جناب رسول اللہ ﷺ نے تناول فرمایا ہے

﴿س﴾

گائے کے گوشت کو کیا آنحضرت ﷺ نے تناول فرمایا ہے۔

﴿ج﴾

سفرِ حج میں جناب رسول اللہ ﷺ کا ازواجِ مطہرات کی طرف سے گائے ذبح فرمانا اور پھر گوشت کو ان میں تقسیم کرنا صحاح میں موجود ہے (۱) جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے باری والی زوجہ کے یہاں جب کھانا کھایا ہوگا تو یہ گوشت بھی کھایا ہوگا اس کی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں ان کے یہاں کھانا اور بھی قرینِ قیاس ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی روایت (۲) جس میں صراحتاً لحم بقر کا تناول فرمانا ذکر کیا گیا ہو یاد نہیں آتی کتابیں موجود نہیں ہیں کہ زیادہ تفحص کر کے جواب دوں۔ (مکتوبات ۱/۱۹۶)

حدیث اولیائی تحت قبائی کا مطلب

﴿س﴾

اولیائی تحت قبائی لا یعر فھم غیری کے معنی و مطلب کیا ہیں۔

﴿ج﴾

حدیث **اولیائی تحت قبائی لایعر فھم غیری** کے متعلق وجہ اشتباہ درج نہیں کی گئی بظاہر وجہ اشتباہ یہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کو ہم لوگ بھی جانتے ہیں اس لیے **لایعر فھم غیری** کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

① ...... اس لیے عرض ہے کہ یہ قضیہ سور کلیہ سے خالی ہے۔ اس لیے مہملہ ہوگا جو کہ قوت جزئیہ میں ہوتا ہے

---

۱) مسلم شریف ۱/۳۲۴

۲) مسلم شریف میں یہ روایت ہے۔ واتی النبی ﷺ بلحم بقر فقیل ھذا ما تصدق به علی بریرۃ الخ (مسلم شریف ۱/۳۴۵) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے دسترخوان پر گائے کا گوشت پیش کیا گیا ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ آپ نے اسے تناول فرمایا ہوگا۔ نیز ایک غزوہ سے واپسی میں آپ نے گائے ذبح فرمائی اور سب شرکاء سفر نے اسے نوش کیا، مسلم شریف میں ہے امر ببقرۃ فذبحت فاکلوا منھا (مسلم شریف ۲/۲۹) ایضاً سنن ابی داود ۱/۲۵۱ باب ھدی البقر

یہ اشکال جب ہوتا کہ کہا جاتا جمیع اولیائی تحت قبائی الخ اس جزئیہ کے صدق میں کوئی کلام نہیں ہے کیوں کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ہے۔

② ......دوسرا جواب یہ ہے کہ مدار ولایت ظاہری اعمال پر نہیں ہے فرمایا جاتا ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین أمنوا و کانوا یتقون۔ لھم البشری فی الحیاۃ الدنیا وفی الأخرۃ لا تبدیل لکلمات اللہ ذالك ھو الفوز العظیم (یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہونگے جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے ان کے لیے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بدلتی نہیں اللہ کی باتیں یہی ہے بڑی کامیابی)۔(۱)

تفسیر اولیاء میں ایمان اور تقویٰ کو ذکر فرمایا ہے اور دونوں قلبی امور میں سے ہیں ایمان کا قلبی ہونا ظاہر ہے فرماتے ہیں قالت الاعراب أمنا قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم الأیـــہ (کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ تم ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے اور ابھی نہیں ایمان گھسا تمہارے دلوں میں)۔(۲)

اور تقویٰ کے لیے ارشاد ہے:الا ان التقوی ھھنا واشار الی قلبھا او کما قال علیہ السلام۔(۳)

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا یاد رکھو تقویٰ یہاں ہے اور آپ نے اپنے سینہ مبارک کی جانب تین بار اشارہ فرمایا۔"

اعمال ثمرات اور نتائج امور قلبیہ اور ان سے صادر ہونے والے ہوتے ہیں جن کی دلالت قطعی نہیں امور قلبیہ کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے عام لوگ تو صرف ظاہر کی بناء پر کسی کی ولایت کی شہادت دے سکتے ہیں جو محض ظنی دلیل ہے۔ بسا اوقات اس میں غلطی اور فاحش غلطی ہوتی ہے۔اے بسا ابلیس آدم روئے ہست الخ البتہ اولیاء کاملین کو قلبی امور پر اطلاع ہو جاتی ہے مگر یہ بھی علم یقینی نہیں عقائد میں تصریح ہے کہ کشف والہام ورویاء صالحہ غیر انبیاء علیہم السلام کے ظنی اور غیر حجت شرعیہ ہیں اگر چہ مشہور ہے کہ ولی را ولی می شناسد۔

③... مدار ولایت حقیقت میں موجودہ اعمال اور احوال اور صفات ظاہرہ یا باطنہ پر نہیں ہے بلکہ حسن خاتمہ پر ہے فرمایا جاتا ہے ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔(۴)

---

۱) سورۃ یونس:۶۱ تا ۶۳:رکوع نمبر ۱۱ پارہ نمبر ۱۱
۲) سورۃ الحجرات:۱۳:رکوع ۲ پارہ ۲۶
۳) التقوی ھھنا ولیشیر الی صدرہ ثلاث مرار: مسلم شریف ۳۱۷/۲ (مکتبہ قدیمی)
۴) سورۃ آل عمران:۱۰۲/۴ رکوع:۲

④ ...حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالخواتیم۔ (۱) (او کما قال علیه السلام)

اور فرمایا جاتا ہے ان الرجل یعمل بعمل اهل الجنة حتی لا یکون بینه وبین الجنة الاذراع واحد فیسبق علیه الکتاب فیعمل بعمل اهل النار فیکتب من اهل النار (الحدیث) (۲) (بیشک ایک شخص اہل بہشت کا کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور بہشت کے درمیان میں ایک ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر جو لکھی جا چکی ہے اس پر غلبہ کرتی ہے پس وہ دوزخیوں کا کام کرتا ہے اور جہنمی لکھ دیا جاتا ہے)۔

بنا بریں خواہ کیسے ہی تقویٰ پر انسان ہو اور کیسے ہی اعمال صالحہ اور کشف و کرامات کا مظہر ہو کسی کے متعلق ولایت حقیقیہ کا فتویٰ نہ عامی دے سکتا ہے نہ کوئی ولی دے سکتا ہے جب تک کہ خاتمہ کا علم نہ ہو جائے اور یہ مخصوص بعلم اللہ ہے یا وحی سے پیغمبر کو علم کرا دیا جاتا ہے جیسا کہ مبشرین بالجنۃ کے متعلق واقع ہوا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں من کان منکم مستنا فلیستن بمن مات فان الحی لا یؤمن علیه الفتنة۔ (۳) اس لیے کوئی شخص بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کو نہیں پہچان سکتا بلعم باعور اور برصیصا وغیرہ کے احوال معروف و مشہور ہیں کس قدر کرامات و کشوف اور فیوض کے مالک تھے مگر آخر الامر کیا ہوا۔

⑤ ......حدیث شریف لا یعرفهم غیری فرمایا گیا ہے۔ لا یعلمهم نہیں فرمایا گیا۔ اور معلوم ہے کہ معرفت ہر علم کو نہیں کہتے ہیں جو کہ مسبوق بالعلم ہو اور اس وجہ سے اس شخص کو کہا کرتے ہیں کہ پہچان لیا جس کو پہلے سے جانتے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے سب لوگوں کے احوال کو جانتے ہیں اس لیے وہی پہچان سکتے ہیں کہ کون ولی ہوگا اور کون نہ ہوگا۔ ملائکہ مقربین اور اولیاء اللہ وغیرہ نہیں پہچان سکتے ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ اولئك عنها مبعدون الأیه (۴) (جن کے لیے پہلے ہی سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اس سے دور رہیں گے) اولئك یسارعون فی الخیرات وهم لها سابقون۔ (۵)

ترسم زگنہ نیست کہ او غفار است
از سابقہ روز ازل می ترسم

اگر چہ اطلاق لفظ عارف جناب باری عز اسمہ پر ایہام کی وجہ سے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ انسانوں میں اس کا اطلاق ادراک بعد الذہول پر بھی ظاہر ہوتا ہے وهو محال علی الله عزوجل اور بھی

---

۱) بخاری شریف ۹۷۸/۲

۲) بخاری شریف ۹۷۶/۲، مسلم شریف ۳۳۲/۲ بتغیر یسیر

۳) مظاہر حق قدیم ۹۳/۱

۴) سورۃ الانبیاء: ۱۰۰/۱۷: رکوع ۷

۵) سورۃ المومنون: ۱۸/۶۰: رکوع ۳

ادراکات جزئیہ پر ہوتا ہے جس سے ایہام ہوتا ہے کہ معاذ اللہ کلیات کا علم اس کو نہیں ورنہ فی ذاتہ یہ اطلاق جناب باری عزاسمہ پر ممنوع نہیں تھا جیسا کہ روایات میں لفظ مذکور بصیغہ فعل ماضی یا فعل مضارع وغیرہ موجود ہے۔

⑥..... حصر اس روایت میں اضافی ہو یعنی استغراق حقیقی نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو عام لوگ نہیں پہچان سکتے اگرچہ خاص خاص لوگ بتعلیم اللہ پہچان جاتے ہوں یا بالذات کوئی نہیں پہچانتا بلکہ بتعلیم اللہ تعالیٰ و بتعریفہ پہچان سکتے ہیں۔ واللہ اعلم (مکتوبات ۱/۱۶۹۔۱۷۱)

خلق اللہ آدم علی صورتہ کے معنی

﴿س﴾

خلق اللہ آدم علی صورتہ کے کیا معنی ومفہوم ہیں؟

﴿ج﴾

①..... یہ روایت بہت قوی ہے بخاری شریف کی روایت ہے مگر معلوم ہے کہ حسب قواعد عربیہ ضمیر کو اقرب مراجع کی طرف لوٹانا چاہیے اور وہ فقط آدم ہے[۱]۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی صورت پر پیدا کیا ایسا نہیں ہوا جیسا کہ عام آدمیوں میں ہو رہا ہے سورۂ حج میں یاایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقنا کم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة الآية[۲] (اے لوگوں اگر تم کو دھوکا ہے جی اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر قطرے سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنی ہوئی سے الی آخر) سورۂ مومنون میں ہے ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ثم جعلناه نطفة فی قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة الاية[۳] (اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی) سورہ مرسلات میں ہے الم نخلقكم من

---

۱) معنٰی ان اللّٰہ تعالیٰ خلق آدم علیہ السلام علی صورتہٖ: فذلك علی ماجآء فی الحديث عن النبی ﷺ: للعلماء فيه وجهان: منهم من يرى للحديث سبباً: هو ان رجلاً ضرب غلامه فرآه النبی فنهاه وقال: ان اللّٰه تعالى خلق آدمَ على صورته: وتأولو عود الضمير على المضروب الخ (كتاب الاملاء فی اشكلات الاحياء احياءُ علوم الدين للغزالی رحمه الله (مكتبه رشيديه كوئٹه ۵/۸۵)

۲) سورة الحج: ۱۷/۱۴: رکوع ۱

۳) سورة المومنون: ۱۸/۱۱: رکوع ۱

ماءٍ مھین الآیۃ (۱) (کیا ہم نے نہیں بنایا تم کو ایک بے قدر پانی سے) الحاصل تمام انسانوں کی خلقت تدریجی ہے مگر حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت دفعی ہے اسی بناء پر روایت موجودہ میں بعد کو فرمایا ہے طولہ ستون ذراعا الحدیث (۲) اب اس تقریر پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔

② ... صورتہ کی ضمیر حضرت آدم علیہ السلام ہی کی طرف راجع ہو اور مراد ان کی صورت روحانیہ ہو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جسمانی اور مادی حیثیت ایسی ہی دی گئی جیسی ان کو روحانی صورت عطا کی گئی تھی، تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسانی ارواح بھی واقع میں مرکب ہیں بسیط و نسمہ یعنی روح حیوانی، نفس ناطقہ، روح ملکوتی سے مرکب ہے۔ اور اس میں مادہ شیطانی اور مادہ ملکی وغیرہ بھی رکھا گیا ہے اس میں عالم علوی کی تمام موجودات کا عنصر اسی طرح رکھا ہوا ہے جس طرح اس کے جسم میں عالم سفلی کے تمام مواد خاک، نار، ماء، ہوا، نفس جمادی، نفس نباتی، نفس حیوانی وغیرہ موجود ہیں، خلاصہ یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں وہ سب چیزیں اور قوتیں پیدا کی گئیں جو کہ اس کی روح میں کائن اور مستتر تھیں، اس کی روح میں قوت باصرہ تھی، اس کو آنکھ دی گئی اس میں قوت بطش تھی، اس کو ہاتھ دیئے گئے و علیٰ ہذا القیاس، اس کی روح میں قوت حاسہ تھی اس لیے اس کے جسم میں قوت حاسہ رکھی گئی، اس کی روح میں قوت واہمہ تھی اس کے دماغ میں یہ قوت رکھی گئی۔ اس کی روح میں قوت بہیمیہ تھی اس کے جگر میں یہ قوت رکھی گئی علی ہذا القیاس، اس کو قلب دیا گیا تاکہ قوت سمعیہ کا مرکز ہو، اس کو دماغ دیا گیا تاکہ قوت عقلیہ کا تخت سلطنت بنے، وھکذا۔ غرض یہ کہ مبدأ فیاض سے انسان پر فیض کامل کیا گیا اور اس کی باطنی اور ظاہری دونوں طرح تکمیل فرمائی گئی ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی (کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اس کو جس کو میں نے بنایا اپنے ہاتھوں سے) ارشاد فرمایا گیا ہے:

یہاں مخلوق ہے جس میں باطنی تکمیل ہے مگر ظاہری نہیں جیسے فرشتے وغیرہ یا ظاہری تکمیل ہے مگر باطنی نہیں، جیسے حیوانات اور پہاڑ نباتات وغیرہ، بخلاف انسان کے کہ وہ خلاصۂ موجودات اور عالم اصغر بنایا گیا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (۳) (ہم نے بنایا آدمی کو خوب سے خوب اندازے پر) اس لیے اس پر بوجھ تشکر کا سب سے زیادہ رکھا گیا اور اسی وجہ سے عدم شکر پر عذاب بھی زیادہ اور سب سے زیادہ رکھا گیا، قاعدہ ہے کہ جس پر زیادہ انعام ہوتا ہے اس سے باز پرس بھی زیادہ ہوتی ہے ثم رددناہ اسفل سافلین الایہ (۴)

---

۱) سورۃ المرسلات: ۲۹/۲۰: رکوع ۱

۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ: قال: قال رسول اللہ ﷺ کل من یدخل الجنۃ علی صورۃ آدم علیہ السلام وطولہ ستون ذراعًا (رواہ بخاری ۹۱۹/۲) (قدیمی)

۳) سورۃ التین: ۳۰/۴

۴) سورۃ التین: ۳۰/۵

(پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے) اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہی مستحق خلافت ربانیہ قرار دیا گیا، شہنشاہ کی نیابت ہر شخص کو نہیں دی جاتی۔

③......حضرت آدم علیہ السلام کی روح ارواح میں سب سے زیادہ جامع اور خوب صورت پیدا کی گئی جس پر بشارت خلافت اور مجلس ملائکہ میں اس کو پیش کرنا بتلاتا ہے، اسی طرح ان کو جسم بھی تمام اجسام سے خوب صورت اور مکمل دیا گیا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم [1]۔ شاعر کہتا ہے۔

ما انت مادحها یا من یشبهها
بالشمس والبدر لابل انت هاجیها

اے مادح تو محبوبہ کی تعریف کرتا اور اس کو سورج اور ماہ کامل سے تشبیہ دیتا ہے یہ تو تعریف نہیں ہوئی بلکہ اس کی ہجو ہے۔

من این الشمس خال فوق وجنتها
ومضحك من نظام الدرفی فیها

بھلا سورج کے گالوں پر سیاہ تل اور اس کے منہ میں موتیوں کی لڑی کہاں ہے۔

من این للبدر اجفان مکحلة
بالسحرو الغنج یجری فی حواشیها

بھلا بدر کامل میں وہ سرگیں آنکھیں کہاں جو جادو اور ناز کے ساتھ گردش کرتی رہتی ہیں۔

فارسی شاعر کہتا ہے:

من ماہ ندیدم کلہ دارد
من سرو ندیدیم قباپوش

④......اگر ضمیر صورتہ کی لفظ جلالہ کی طرف راجع کی جائے اگرچہ یہ طریقۂ شائعہ عربیہ کے خلاف ہے تاہم کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جیسے ال اتفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر الآیہ [2] اور لتعزروہ وتوقروہ وتسجوہ بکرة واصیلا [3] ضمیر تسبحوہ ما بعد مذکور کی طرف راجع ہے تو البتہ اشکال وارد ہوتا ہے۔ کیوں کہ جناب باری عز اسمہ صورت اور شکل سے منزہ ہے لیس کمثلہ شئی ذی

---

۱) سورة التین: ۳۰/۵
۲) سورالانفال آیت: ۷۳: رکوع: ٦: پارہ نمبر ۱۰
۳)

صورت کے لیے "محاط بحد" یا محدود ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ بشکل شئی محیط ہے وہ محاط نہیں ہوسکتا" تو اس کا جواب یہ ہے کہ صورۃ اس جگہ بمعنی صفت ہے، جیسے مسائل عقلیہ غیر مادیہ کے لیے کہا جاتا ہے صورۃ المسئلۃ کذا و کذا ای صفتھا کذا و کذا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی تمام صفات کمالیہ میں سے حصہ دیا، ان کے ظلال وعکوس بتمامہا اس میں رکھ دیئے اور مخلوقات سب کو جامع نہیں ہیں جس طرح آئینہ مظہر نور شمس ہے اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام مظہر جملہ صفات کمالیہ جناب باری عز اسمہ بنائے گئے اور اسی لیے اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ ہوسکے۔ کسی کا نائب وہی شخص ہوسکتا ہے جو کہ منیب کے صفات خاصہ کا کم وبیش حامل ہو آفتاب کا نائب چاند یا ستارے یا شمع چراغ ہوسکتے ہیں۔ شجر حجر نہیں ہوسکتے۔ (مکتوبات ۱/۱۷۲، ۱۷۴)(۱)

الولایۃ افضل من النبوۃ کے معنی

﴿س﴾

الولایۃ افضل من النبوۃ کے کیا معنی ہیں نبوت سے ولایت کیونکر افضل ہوسکتی ہے۔

﴿ج﴾

①..... الولایۃ افضل من النبوۃ کسی حدیث کا جملہ نہیں ہے بعض اکابر طریقت کی طرف نسبت کیا جاتا ہے کسی قطعی اور منصوص مجمع علیہ امر کے خلاف کسی شخص کا بھی قول معتبر نہیں ہوسکتا۔

②..... ہم کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اس بزرگ نے یہ قول حالت سکر میں فرمایا ہے یا حالت صحو میں؟ ظاہر ہے کہ سکر کا قول قابل اعتماد نہیں ہوسکتا۔

③..... اس جملہ میں یہ نہیں کہا گیا کہ اولی افضل من النبی جو کہ مجمع علیہ اور قطعی کے خلاف ہے بلکہ الولایۃ افضل من النبوۃ کہا گیا ہے۔

④..... ولایۃ النبی افضل من نبوتہ۔ اس سے مراد لیا جاتا ہے اور غالباً یہی معنی مراد ہیں کیونکہ ہر نبی

---

۱) ولهذا قال له موسى عليه السلام حين اجتمع هو واياه في الملأ الأعلى وتناظرا: انت آدم ابوبشر الذى خلقك الله بيده، ونفخ فيك من رُوحه، وأسجدَ لك ملائكته، وعلَّمك اسماء كل شيء۔ وهكذا يقول اهل المحشر يوم القيامة وقال ابن عباس رضي الله عنهما: هي هذه الأسماء التي يتعارف بها الناس: انسان، ودابة، وأرض، وسهل، وبحر وجبل وجمل وحمار، وأشباه ذلك من الأمم وغيرها البداية والنهاية لابن كثير رحمة الله تعالىٰ عليه باب ما ورد في خلق آدم عليه السلام (مكتبه رشيديه كوئته)

کومراتب ولایت طے کر لینے ضروری ہیں۔ اگر چہ وہ نہایت قلیل زمانہ بلکہ آن واحد میں ہو جائے۔ فکل نبی ولی ولاعکس۔ چونکہ ولایت سیر الی اللہ فقط یا سیر فی اللہ کے ساتھ یا سیر فی اللہ فقط سے عبارت ہے اور نبوت سیر من اللہ الی العباد کا نام ہے اس لیے ذاتی حیثیت سے ولایت اعلیٰ اور اکمل ہوئی کہ اس میں توجہ الی المحبوب الحقیقی اور حضور حاصل ہے بخلاف نبوت کے کہ وہاں پر توجہ الی غیر المحبوب الحقیقی والی العباد کرنی ہوتی ہے اور اس کا انہماک اور اس کے فرائض کا ادا کرنا غفلت یا کم از کم بے توجہی کا باعث ہوتا ہے۔ اذا فرغت فانصب (۱) اور واذکر ربك اذا نسیت اور اِن لك فی النهار سبحا طویلا (۲) وغیرہ ان کے شواہد ہیں۔ انه لیغان علی قلبی الحدیث اس کا مستدل ہے ایک عاشق صادق قوی العشق کے لیے محبوب کی طرف سے منہ پھیرنا اور غیروں میں الجھنا کس قدر شاق ہے اہل عشق سے پوچھیے:

ہر آنکہ غافل ازوے یک زباں است
ہما ندم کافر است اما نہان است
مبادا غائبی ، پیوستہ باشد
در اسلام بروے بستہ باشد
ازسر بالین من برخیز اے ناداں طبیب
در مندے عشق رادارو بجز دیدار نیست

اہل جنت کو کوئی نعمت رویت باری عز اسمہ کے برابر نہ معلوم ہوگی اس لیے ذاتی حیثیت سے فضیلت ولایت ہی میں ہے۔ مگر چونکہ نبی مامور ہے کہ مخلوق کو کھینچ کر بارگاہ محبوب حقیقی تک لائے اور ان کو پروانۂ شمع محبوب بنائے اس لیے وہ خلاف جذبۂ طبیعت اطاعةً للحبیب دن ورات جور و جفا وشدائد مکارہ جھیلتا ہے اور معلوم ہے کہ جس قدر اس کو عشق تام ہوگا اسی قدر توجہ الی الغیر میں تکلیف اور گرانی ہوگی:

بھنورالو بھی پھول کا کلی کلی رس لیت
کانٹا لاگے پریم کا ہرت پھرت جی دیت (۳)

لقد اخفت فی الله وما یخاف احد ولقد او ذیت فی الله ولم یوذ احد (۴) (جس قدر مجھ کو

---

۱) سورۃ الانشراح آیت: ۷: پارہ ۳۰
۲) سورۃ المزمل آیت ۷: رکوع نمبر ا: پارہ ۲۹
۳) یہ ہندی کا شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تتلی کو پھول سے رس چوسنے میں اگر کانٹے سے بھی سابقہ پڑے تو وہ خوشی خوشی پھولوں کی محبت میں اسے جھیل لیتی ہے۔
۴) ترمذی شریف ۲/۷۰

اللہ کے راستے میں تکلیف دی گئی کسی نبی کو نہیں دی گئی، اور جس قدر مجھ کو اللہ کے راستے میں ڈرایا گیا کسی اور نبی کو نہیں ڈرایا گیا) قول حضرت سرور کائنات علیہ السلام ہے۔ یاایھا النبی بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته۔ قول خداوندی ہے اس سے یہ شبہ بھی زائل ہو جاتا ہے کہ بعض بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بظاہر آنجناب علیہ السلام سے زیادہ تر تکلیف پہنچائی گئی حضرت زکریا اور حضرت نوح علیہم السلام کے واقعات ظاہر ہیں۔ بہر حال اگر یہ مراد ہے کہ اس پیغمبر کا مقام ولایت اس کے مقام نبوت سے افضل ہے اگر چہ بحیثیت امتثال حکم محبوب حقیقی مقام نبوت میں خارجی اور عارضی فضیلت اس قدر آجائے کہ وہ پہلے سے بھی بڑھ جائے۔ تب تو جواب ظاہر ہی ہے۔

⑤ .....اور ممکن ہے کہ نفس مقام کی فضیلت بتلانی منظور ہو کہ مقامِ ولایت میں مقام نبوت سے ذاتی طور پر افضیلت ہے اگر چہ خارجی طور پر مقامِ نبوت کی فضیلت مقام ولایت کی فضیلت سے بڑھ جائے ۔قد یوجد فی النھر مالا یوجد فی البحرو الله اعلم۔ (مکتوبات ۱/ ۱۷۶۔۱۷۹)

انا مدینة العلم کی تحقیق

﴿س﴾

انا مدینة العلم وعلی بابھا کی حدیث کے متعلق حضرت والا کی کیا تحقیق ہے۔

﴿ج﴾

① .....انا مدینة العلم یا انا دار الحکمة وعلی بابھا نہ تو صحیحین میں ہے اور نہ روایت ذکر کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں۔

② ..... ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے(۱) جس میں حسن لغیرہ ہونے کا بھی احتمال ہے اور ممکن ہے کہ کسی نے اس کی تصحیح بھی کی ہو۔ کتابیں ہمارے پاس موجود نہیں ہیں کہ ان کا انکشاف کیا جاتا تاہم یہ حدیث ان روایات سے مقابل ہونے کی طاقت نہیں رکھتی جو بالاتفاق صحیح ہیں۔ پس بوقت تعارض ساقط سمجھی جائے گی۔

---

۱) ترمذی میں اس روایت کی تحسین نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ اسے غریب قرار دیا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ ھذا حدیث غریب منکر روی بعضھم ھذا الحدیث عن شریك ولم یذکروا فیه عن الصابحی ولا نعرف ھذا الحدیث عن احد من الثقات غیر شریك (ترمذی ۲/ ۲۱۴ قوت المغتذی حاشیه ترمذی اس حدیث کی سند اور دیگر طرق پر مفصل کلام کیا گیا ہے) وقال علامة القاری: حدیث: انا مدینه العلم الخ الی انه قال: انه کذب لا اصل له وکذا قال ابو حاتم ویحی و سعید۔ موضات الکبریٰ ص ۱۷، حدیث ۲۵۱ (قدیمی کتب خانه) وایضاً فی الفتاوٰی حقانیه ۲/ ۲۰۰۔

③......اگر اس کے مفہوم میں تعارض نہ ہوتو البتہ قابل اعتماد قرار دی جاسکتی ہے مگر جب ہم لفظ مدینہ اور لفظ باب میں غور کرتے ہیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ مدینہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بہت سے مکانات مجتمع ہوں۔ ایک مکان بلکہ دس پندرہ مکان والی آبادی کو مدینہ نہیں کہا جاتا۔ خود لفظ مدینہ کا لغوی مفہوم بھی اجتماع پر دلالت کرتا ہے اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس علمی مدینے میں بہت سے علمی گھر ہونگے۔ اور بہت زیادہ آبادی اس کے اندر ہوگی۔ ادھر دروازہ خواہ مکان کا ہو یا شہر کا ہمیشہ خارج ہوا کرتا ہے۔ شہر کا اندرونی حصہ یا مکان کا اندرونی حصہ شمار نہیں کیا جاتا اور کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ من وجہ خارج ہو اور من وجہ داخل ہو۔ اس بناء پر اور صحابہ کرام بالخصوص ان کے خواص (رضی اللہ عنہم) اس مدینۃ العلم کے اندر والے ہونگے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بحیثیت باب اندر داخل نہیں ہوں گے، لہٰذا ان کی فضیلت دیگر صحابہ پر ثابت نہ ہوگی ہاں باہر سے آنے والوں یعنی غیر صحابہ پر ممکن ہے کہ فضیلت ثابت کی جائے کہ ان کو اس مدینے میں بغیر توسط حضرت علی کرم اللہ وجہہ داخل ہونا ممکن نہیں اس لیے اشکال کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

④......کیا دنیا میں کوئی مدینہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جس کا ایک ہی دروازہ ہو آخرت میں جنت اور دوزخ کے لیے بھی متعدد ابواب کہے گئے ہیں۔ جہاں کا انتظام انتہائی قوت والا ہے اور دنیا میں تو حوائج شدیدہ اور کمزوری انتظامات ہمیشہ اسی کے متقاضی ہوتے رہے ہیں کہ ہر سور البلد اور ہر شہر کے ابواب متعدد ہوا کریں۔ ورنہ اہل شہر سخت تنگیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اسی لیے مدینۃ العلم کے لیے بھی متعدد دروازے ہونے چاہئیں اس روایت میں اس کی نفی کہاں ہے کہ اس کے لیے سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوئی دوسرا دروازہ نہیں ہے۔ لہٰذا شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

⑤......''انا مدینة العلم، العلم ''اصل الف ولام میں عہد خارجی ہے، جس کے معنی علی طریق الاصولیین والبیانیین فرد معین کا ارادہ کرنا ہے خواہ اس کا تعین عبارۃً ہو یا حضوراً یا عملاً یا حساً لہٰذا کیوں نہیں ممکن ہے کہ کسی خاص علم کا ارادہ فرمایا گیا ہو، اور اس کے حاصل کرنے کے لیے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ ذریعہ ہوں، جملہ علوم روحانی یا مادی شرائع سے تعلق رکھتے ہوں یا طریق تصوف سے عبادات کے علوم ہوں یا معاملات وغیرہ وغیرہ سب کا ارادہ کرنا محلی باللام الخارجی سے کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے حالانکہ باتفاق الاصولیین والبیانیین اصل عہد خارجی ہے، استغراق کا ارادہ صرف اس وقت میں کیا جاسکتا ہے کہ عہد خارجی ممتنع ہو جائے اور واقعہ بھی یہی ہے، جناب رسول اللہ ﷺ کے علوم متنوعہ تمام صحابہ کرام سے پھیلے، صرف تصوف کا نشوونما حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ دنیا میں جس قدر بھی سلاسل طریقت ہیں سب کا مرجع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی ہے نقشبندیہ کا ایک سلسلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، مگر اس میں انقطاع بہت زیادہ ہے اتصال والا طریقہ ان کا بھی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دریوزہ گر ہے، بناء علیہ اس حدیث کو اسی پر محمول کرنا لازم ہے کہ علم باطن اور تصوف میں داخل ہونے کے لیے پسماندوں اور بعد میں آنے والوں کے لیے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ وسیلہ ہیں، صراط مستقیم میں حضرت سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (ص ۵۸)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ را ایک نوع تفضیل بر حضرات شیخین ہم ثابت است وآں تفضیل محب تکثرت اتباع ایشاں ووساطت مقامات ولایت بل سائر خدمات است مثل قطبیت وغوثیت وابدالیت وغیرہ ہمہ از عہد کرامت عہد حضرت مرتضیٰ تا انقراض دنیا ہمہ بواسطۂ ایشاں است کہ ودر سلطنت سلاطین را امارت امراء ہم امت ایشاں را دخلے است کہ بر سیاحین عالم ملکوت مخفی نیست الخ۔

اس قسم کی تفضیل حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں بھی بکثرت موجود ہے بہر حال مراد اس جگہ پر عموم نہیں ہوسکتا نہ تو قواعد اس کے حامی ہیں نہ واقعات۔ واللہ اعلم

(مکتوبات ۱/۱۷۹۔۱۸۲)

علم حدیث کی تعریف

﴿س﴾

علم حدیث کی کیا تعریف ہے۔

﴿ج﴾

علم حدیث کی تعریف حسب ذیل ہے:

"علم یعرف به احوال مانسب الی النبی علیہ السلام قولاً أو فعلاً أو تقریراً أو صفةً" علم حدیث وہ علم ہے جس سے ان چیزوں کے احوال معلوم ہوتے ہیں جو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کیے گئے ہوں بطور قول کے یا فعل کے یا تقریر کے یا صفت کے یہی تعریف راجح اور قوی ہے (۱)، بعض حضرات نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی داخل کیا ہے اوران کے اقوال وافعال کو بھی حدیث میں شمار کیا ہے۔ (مکتوبات ۱/۹۹)

---

۱) ھو علم یشتمل علی اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وافعاله، أو نقل کل ما أضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قول او فعل او تقریر او صفةٍ خلقية نقلاً دقیقاً وروایتها وضبطها و تحریر الفاظها فی قول مؤرخی علم حدیث (مقدمه، المستدرك علی الصحیحین، الحاکم النیسابوری ۱/۱۵) (قدیمی)

وحی کیا ہے

﴿س﴾

وحی کا اطلاق کس پر ہوتا ہے کیا احادیث طیبہ کو بھی وحی کہہ سکتے ہیں۔

﴿ج﴾

جبکہ قرآن شریف میں وارد ہے "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ [۱] ان علینا جمعه وقرانه ثم ان علینا بیانه [۲]" تو پھر اس میں دارمی وغیرہ کی روایت کی کیا حاجت ہے کہ حدیث کے وحی ہونے میں اس کو تلاش کیا جائے اور اس کی صحت وسقم سے بحث ہو جو کچھ بھی جناب رسول اللہ ﷺ از قسم تفسیر کلام اللہ اور از قسم دینیات ارشاد فرمائیں گے وہ سب وحی ہے۔ ہاں بعض وحی اس قسم کی ہیں کہ جس کے الفاظ بھی القاء فرمائے گئے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جس کے معنی القاء کیے گئے اور الفاظ میں اختیار دیا گیا ان معنی کو جناب رسول اللہ ﷺ اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، پھر وہ الفاظ دو قسم کے ہیں بعض وہ ہیں جن کی نسبت جناب باری عز اسمہ کی طرف ہے۔ اور اکثر وہ ہیں جن کی نسبت جناب باری عزوجل کی طرف نہیں ہے۔ اول الذکر قرآن کریم ہے۔ ثانی حدیث قدسی ہے ثالث عام احادیث قولیہ ہیں، سب واجب التسلیم ہیں۔ مگر فرق ثبوت کے درجات میں ہے، قرآن جناب رسول اللہ ﷺ سے تواتراً منقول ہے یعنی اس کے نقل کرنے والے ہر زمانے میں اس قدر نفوس کثیرہ رہے ہیں جن میں جھوٹ بولنے یا غلطی کرنے کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اس لیے اس کا منکر کافر ہے اور اس کو ماننا عقلاً ونقلاً ضروری ہے، اور احادیث خواہ قدسیہ ہوں یا غیر قدسیہ ہوں ان کے نقل کرنے والے اتنے کثیر نفوس نہیں ہیں اس لیے ان میں احتمال جھوٹ یا غلطی کا آتا ہے، اس لیے قطعی الثبوت نہ ہوں گی اور ان کا منکر کافر نہ ہوگا، یہ تو فرق ہمارے لیے ہے صحابہ کے لیے نہیں۔ ان کے لیے قرآن کریم اور ارشادات نبویہ سب قطعی الثبوت ہیں وہ اگر ایک حدیث کے بھی سننے کے بعد منکر ہوں تو کفر لازم ہو جائے گا۔ پھر اگر ایسے لوگ ناقل اور راوی ہیں جن کے احوال ایسے پاکیزہ اور عمدہ ہیں جن سے جھوٹ کا احتمال بالکل چھوٹ جاتا ہے تو غلبۂ ظن سچائی اور واقعیت ثبوت کے پیدا ہو جانے کی بناء پر اس حدیث کو مقبول اور صحیح [۳] یا حسن [۴] کہا جاتا ہے

---

۱) سورۃ النجم آیت نمبر: ۳،۴ پارہ ۲۷

۲) سورۃ القیامہ آیت: ۱۹: رکوع نمبر ۱: پارہ ۲۹

۳) ھو الحدیث الذی یتصل اسنادہ بنقل العدل الضابط عن العدل الضابط الی منتھاہ الخ

۴) ھو ما عرف مخرجه اشتھر رجاله (مقدمه فی الحدیث النبوی وعلومه) (مستدرك علی الصحیحین ۱۷۸)

اور اگر ان کے اقوال ایسے نہیں ہیں تو حدیث ضعیف یا مردود قرار دی جاتی ہے، پھر اگر صحیح حدیث ہم معنی متواتر طریقے پر ہوں اگرچہ الفاظ میں تواتر نہ پایا جاتا ہو اس حدیث کو متواتر بالمعنی کہا جاتا ہے، عذاب قبر وغیرہ کی روایت ایسی ہی ہے، انہیں میں اعداد رکعات وغیرہ کی روایات ہیں ان پر ایمان لانا واجب ہوگا اور کفر ہوگا اگرچہ الفاظ کا انکار ایسا درجہ نہ رکھے گا۔

جو ارشادات نبویہ حسب عادت بشری ہوں ان کا تعلق دینیات اور تفسیر کلام اور تبلیغ عن اللہ سے نہ ہو جیسے روز مرہ کے بشری کاروبار دنیاویہ وغیرہ میں کلمات ہوتے رہتے ہیں، ان کا تعلق وحی سے نہ ہوگا، وہ حسب طبیعت بشریہ مثل دیگر بشر آپ ﷺ سے صادر ہوں گے، انہیں کو کھجور کے متعلق والی حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ”انتم أعلم بأمور دنیاکم الخ“ ہر حدیث کی وحی کے لیے نزول جبریل علیہ السلام ضروری نہیں، وحی کے اقسام آٹھ یا نو ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ اور انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہیں الہام اور کشف بھی وحی ہے۔

(مکتوبات ۱/۹۹۔۱۰۱)

تدوین حدیث

﴿س﴾

کیا یہ بات صحیح ہے کہ احادیث مبارکہ کی تدوین تین صدی بعد ہوئی ہے۔

﴿ج﴾

یہ بات بالکل غلط ہے کہ علم حدیث کی تدوین تین صدی کے بعد ہوئی، علم حدیث کی تدوین تو آنحضرت علیہ السلام ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی تھی (۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے احادیث کے لکھنے کی اجازت دے دی تھی وہ لکھا کرتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”مجھ سے زیادہ احادیث نبویہ کا حافظ کوئی دوسرا بجز عبداللہ بن عمرو بن العاص نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔“ (۲)

---

۱) عصر الصحابة رضی اللہ عنهم۔ الحديث بين التدوين والحفظ : شاهد الصحابةُ رسول الله ﷺ ورافقوه ولازموه وسمعوا منه، وحفظوا ما سمعوه، حتى أنهم كانوا يحرصون على التناوب في السماع كي لا يغيب عن احدهم امر من امور الوحي۔ فاذا غاب احدهم لأمر طارئ۔ او سفر، اخبره الآخر (مقدمة في الحديث النبوي ﷺ وعلومه) مستدرك على الصحيحين ۱/۱۷

۲) بخاری شریف۔ ج: ۱ ص:۲۲

جناب رسول اللہ ﷺ نے جب حجۃ الوداع میں منی میں اپنا نہایت جامع اور فصیح خطبہ پڑھا، جس میں اجمالاً تمام شرائع اسلامیہ کو ذکر کیا گیا تھا، تو ابوشاہ نے اس کے لکھوا دینے کی استدعا کی آپ نے ارشاد فرمایا اس کو لکھ دو۔ (۱) زکوٰۃ حیوانات اور نقود وغیرہ کے متعلق جناب رسول اللہ ﷺ نے تفصیلات اپنے عاملوں کو لکھوا کر دیں، جو کہ کتابِ ابن حزم وغیرہ کے نام سے مشہور ہے، دیت کے اقسام اور ان میں اونٹوں کی عمریں وغیرہ درج ہیں جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا آپ کے پاس کتاب اللہ کے علاوہ کوئی چیز جناب رسول اللہ ﷺ سے موجود ہے؟ فرمایا کہ نہیں مگر جو کاغذ ہماری تلوار کے میان میں موجود ہے، پوچھا گیا اس میں کیا ہے؟ کہا: دیت کے اونٹوں کی عمریں اور احکام اہل ذمہ وغیرہ۔ (بخاری ج:۲ص۔۱۰۲۰)

غرض یہ کہ تسوید احادیث زمانہ نبوی علیہ السلام میں شروع ہوگئی تھی جو کہ صحابہ کرام کی توجہ سے ترقی پذیر ہوتی رہی (اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کو منضبط کر دینے کی بنا پر پورے اطمینان اور وثوق کے ساتھ اس پر توجہ ہوگئی) مگر یہ تحریریں محض یادداشت اور مسودہ کے طور پر تھیں کوئی ترتیب نہ تھی۔

اسلام کی نشر واشاعت کی مصروفیت، اشتغال بالجہاد کی شدید اہمیت کی بنا پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے حافظہ پر اعتماد کر رکھا تھا۔ مگر اسی زمانہ صحابہ میں تابعین میں اہل قلم اور اہل حفظ ایسے ایسے نشو ونما پا جاتے ہیں جنہوں نے ان متفرق مسودوں کو محفوظ فی الصدور احادیث کو ابواب پر ترتیب دینا اور بڑے بڑے دفاتر تیار کرنا شروع کر دیا تھا، ابن شہاب زہری اور محمد ابن ابی بکر بن حزم اور ان کے ہم عصر بڑے بڑے ائمہ تابعین ہر ہر مرکز میں بکثرت موجود ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ خلافت سو ہجری ہے، یعنی بعد وفات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نوے برس پر انہوں نے بہت سے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا تھا، بہت بڑے علامہ عظیم القدر، خلیفہ راشد ہیں، انہوں نے اپنے عہد خلافت میں نشر واشاعتِ حدیث کا نہایت عظیم الشان اور غیر معمولی انتظام کیا۔ ان کے زمانہ خلافت میں علم حدیث کی بے بہا ترقی ہوئی اور اس وقت سے علم حدیث کی تدوین کتابوں کی صورت میں شروع ہوگئی۔ امام مالک رحمہ اللہ کی جو کہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے محمد بن اسحاق اور واقدی وغیرہ کی کتاب المغازی ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق کی ضخیم ضخیم تصنیفات نہایت کثرت سے فقہ اور حدیث میں کی گئیں۔ امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی تصانیف بھی اسی زمانہ کی ہیں جن میں فقہ کے ساتھ احادیث بکثرت مذکور ہیں، امام محمد رحمہ اللہ کی موطا اور کتاب الآثار اور سیر کبیر اور سیر صغیر مبسوط وغیرہ کتب ظاہر الروایت ملاحظہ فرمائیے، اوزاعی رحمہ اللہ کی

---

۱) بخاری شریف۔ جز۱۔ ص:۱۰۲۰

تصانیف نیز سفیان ثوری اعمش طبری وغیرہ رحمہم اللہ نے نہایت بڑی بڑی کتابیں لکھیں۔ ہاں ان کتابوں میں یہ بات ضرور تھی کہ احادیث نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور فتاویٰ بھی بکثرت ہوتے تھے۔ فقہی استخراجات اور استدلالات بھی ہوتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کی "کتاب الام" اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی امالی وغیرہ ایسے مضامین سے بھری ہوئی ہیں، ان حضرات نے سنہ ۱۰۰ھ کے بعد عموماً ابتدائی صدی میں یہ ذخائر جمع کر دیئے ہیں پھر اسی دوسری صدی کا آخری زمانہ آتا ہے جس میں ایسے بڑے بڑے اولوالعزم حضرات پیدا ہو جاتے ہیں جو کہ ان سابقہ مؤلفات کو چھانتے ہیں اور فقط صحیح اور مرفوع احادیث کو جمع کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ سنہ ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان سے بہت پہلے پیدا ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ نے "الجامع الصحیح" مشہور کتاب تصنیف کی امام احمد رحمہ اللہ ان کے استاذ ہیں انہوں نے اپنے مسند کو خاص طور پر ترتیب دیا اور اُسی دوسری صدی کے آخری زمانہ میں امام طحاوی رحمہ اللہ، علی ابن المدینی رحمہ اللہ اور ابن معین رحمہ اللہ، یحییٰ ابن سعید القطان رحمہ اللہ، دارمی رحمہ اللہ وغیرہ ہیں جن کی تصانیف کثرت سے ہیں، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تدوین حدیث کا ابتدائی دور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے ہی حسب الحکم شروع ہو جاتا ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کی ترتیب کے بعد اس میں ترقی ہو جاتی ہے، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ میں عام طور پر تسوید اور ترتیب ابواب جاری ہوگئی اور روز افزوں ترقی کے ساتھ آخری صدی تک میں بڑی بڑی کتابیں مرتب اور مہذب ہو کر وجود میں آگئیں، ہر حدیث کے معلم کے یہاں املاء کا طریقہ جاری تھا ان محدثین کی جو کہ پہلی ہی صدی اور زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشہور بالروایت اور تدریس حدیث ہیں تاریخ میں ملاحظہ فرمایئے صرف یہی طریقہ نہیں تھا کہ احادیث مجمع تحدیث میں سنا دی جائیں اور ان کی تفسیر کر دی جائے بلکہ عموماً قلم دوات اور کاغذ کے ذریعہ ہر طالب علم کے پاس استاذ کی مرویات کا ایک ضخیم خزانہ جمع ہو جاتا تھا جس کی یادگار معجمات ہیں معجم صغیر و کبیر و اوسط طبرانی اسی کی یادگار ہیں ہاں ان معجمات میں استاذ کی جملہ روایات رطب و یابس لکھی جاتی تھیں امام مالک رحمہ اللہ نے اولاً یہ قدم اٹھایا کہ ان روایات کی چھان پھوڑ اور کانٹ چھانٹ کی اور اسی وجہ سے ان کی کتاب مؤطا طبقہ محدثین میں بہت زیادہ مقبول ہوئی اور عام شہرہ ہو گیا کہ (اصح الکتب تحت ادیم السماء بعد کتاب اللہ المؤطا) مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بنا پر کہ اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال اور فتاویٰ اور تابعین کے اقوال بکثرت درج ہیں اور اس وجہ سے کہ اس میں عموماً روایات حفاظ مدینہ منورہ کی ہی پائی جاتی ہیں دوسری تصنیف کی ضرورت سمجھی اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ ظہور پذیر ہوئیں۔ جو کہ تیسری صدی کی ابتدائی یادگار ہیں بہر حال یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ تدوین حدیث تیسری صدی کے بعد ہوئی۔ (مکتوبات ۱۔۹۶۔۹۹)

تصورِ شیخ

﴿س﴾

سوال دریافت طلب یہ ہے کہ ابھی ابھی ایک فتویٰ سامنے آیا ہے جس میں یہ مسئلہ آتا ہے کہ تصور شیخ کو امر محدث اور شرک قرار دیا گیا ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔

﴿ج﴾

تصور: کسی صورت کو ذہن میں جمانے اور حاصل کرنے کو لغت میں کہتے ہیں خواہ وہ صورت جاندار کی ہو یا غیر جاندار کی، خواہ معمولی شخص کی ہو یا غیر معمولی شخص کی، کسی بزرگ اور ولی کی ہو یا مرشد اور ماں باپ کی، خواہ اس صورت سے کسی کو نفع کی امید ہو یا نہ ہو۔ مگر عرف میں تصور شیخ کسی مقدس اور بزرگ کی صورت کو ذہن میں دھیان لانے اور جمانے کا نام ہے، بالخصوص اپنے مرشد کے شخص اور چہرے کو خیال میں جمانے اور حاصل کرنے کو تصور شیخ کہتے ہیں، ذہن میں اپنے مرشد کی تصویر اور تمثال کو جمانا اور حاصل کرنا بالاتفاق جائز ہے بلکہ مفید بھی ہے (۱)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا ہے، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمثال اور سراپا کو اپنے ماموں "ہند بن ہالہ رضی اللہ عنہ سے بار بار پوچھ کر کے اپنے ذہن میں جمایا ہے (۲) اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ وغیرہ علیہم الصلوۃ والسلام کی شکل وصورت ولباس وغیرہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ذکر فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابر کی صورت اور شکل کو مخاطبین کے دماغ میں میں تمثل اور جگہ دینا مقصود ہے۔

تصور شیخ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں

(۱) حدثنا سفیان بن وکیع ثنا جمیع بن عمیر بن عبدالرحمٰن العجلی املاء علینا من کتابہ قال اخبرنی رجل من بنی تمیم من ولد ابی ہالۃ زوج خدیجۃ یکنٰی ابا عبداللہ عن ابن

---

۱) لان غایۃ التصوف حصول القرب والرضا من اللّٰہ تعالی فی الدنیا والاخرۃ، وحصول بشاشۃ الایمان ومخالطتہا بالقلب فی الدنیا، وہی المعروفۃ عندہم بالنسبۃ مع اللّٰہ وہذہ النسبۃ لا تکاد تحصل الا بصحبۃ المشایخ الکمل الذین استنارت قلوبہم بنور ہذہ السنۃ العظمی وہی التی لم تزل تنتقل من قلب الی قلب (اعلاء السنن، باب الذاکر والدعا ۱۸/۴۵۴) (ادارۃ القرآن کراچی)

۲) عن الحسن بن علی رضی اللہ عنہما قال سألت خالی ہند ابن ابی ہالۃ رضی اللّٰہ عنہا وکان وصافاً عن حلیۃ رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا اشتہی ان یصف لی منہا شرح شمائل الترمذی لمولانا زکریا رحمۃ اللّٰہ تعالی علیہ (ایم ایم سعید)

ابی ھالة عن الحسن بن علی قال سألت خالی ھند ابی ھالة و کان وصافاً عن حلیة رسول الله ﷺ وأنا اشتھی أن یصف لی شیئا أتعلق به فقال۔ (۱)

(۲) عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالی عنھما أن رسول الله ﷺ قال عرض علی الأنبیاء فاذا موسیٰ علیه السلام ضرب من الرجال کأنه من رجال شنوءة ورأیت عیسیٰ بن مریم علیه السلام فاذا اقرب من رأیت به شبھا عروة بن مسعود ورأیت ابراھیم علیه السلام فاذا أقرب من رأیت به شبھا صاحبکم یعنی نفسه الکریمة ورأیت جبرئیل علیه السلام فاذا أقرب من رأیت به شبھا دحیة (۲)۔

(۳) عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالی عنھما عن النبی ﷺ قال رأیت لیلة اسری بی موسیٰ رجلا آدم طوالا جعدا کأنه من رجال شنوءة ورأیت عیسیٰ رجلا مربوعا مربوع الخلق الی الحمرة والبیاض سبط الرأس ورأیت مالکا خازن النار والدجال فی آیات اراھن الله ایاہ فلا تکن فی مریة من لقائه (۳)

(۴) عن سمرة قال قال رسول الله ﷺ أتانی اللیلة آتیان فاتینا علی رجل طویل لا اکاد اریٰ رأسه طولا وانه ابراھیم علیه السلام۔ (۴)

(۵) عن مجاھد انه سمع ابن عباس رضی الله عنھما وذکروا له الدجال بین عینیه مکتوب کافر أوك ف ر۔ قال لم اسمعه ولکنه قال اما ابراھیم فانظروا الی صاحبکم واما موسی فجعد آدم علی جمل احمر مخطوم بخلبة کأنی انظر الیه انحدر فی الوادی یکراہ (۵)

(۶) عن ابی ھریرة رضی الله تعالی عنهؓ قال قال رسول الله ﷺ لیلة اسری بی لقیت موسیٰ قال فنعته فاذا رجل حسبته قال مضطرب رجل الرأس کانه من رجال شنوءة قال ولقیت عیسیٰ فنعته النبی ﷺ فقال ربعة احمر کأنما خرج من دیماس یعنی الحمام۔ (۶)

(۷) عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما قال قال النبی ﷺ رأیت عیسیٰ و موسیٰ

---

۱) خصائل نبوی اردو شرح شمائل الترمذی لمولانا زکریا رحمه الله ص : ۱۱ مکتبة الشیخ
۲) المصدر السابق ص : ۱۳
۳) بخاری شریف، الجزء نمبر ۱۳، باب ذکر الملائکة ۵۷۸/۱ (مکتبه رحمانیه)
۴) بخاری شریف باب قول عزوجل : واتخذ اللّٰه ابراھیم خلیلاً ۵۹۲/۱ (رحمانیه)
۵) بخاری شریف۔ باب قول الله عزوجل : واتخذ اللّٰه ابراھیم خلیلاً ۵۹۱/۱ (رحمانیه)
۶) بخاری شریف۔ باب قول الله عزوجل : واذکر فی الکتاب مریمؑ الخ ۶۱۰/۱ (رحمانیه)

وابراهيم فاما عيسىٰ فاحمر جعد عريض الصدر واما موسىٰ فآدم جسيم سبط كأنه من رجال الزط۔ (۱)

(۸) قال عبدالله ذكر النبي ﷺ يوما بين ظهري الناس المسيح الدجال فقال ان الله ليس بأعور الا ان المسيح الدجال اعورُ العين اليمنى كان عينيه عنبة طافية وار انى الليلة عند الكعبة فى المنام فاذا رجل آدم كا حسن ماترى من آدم الرجال تضرب لمته بين منكبيه رجل الشعر يقطر رأسه ماء واضعاً يديه على منكبي رجلين وهو يطوف بالبيت فقلت من هذا فقالوا هذا المسيح ابن مريم۔ (۲)

اس قسم کی روایتیں صحاح میں بکثرت ہیں جن سے نہ صرف تصور شیخ کی اباحت نکلتی ہے بلکہ اس میں بہتری اور اولویت بھی معلوم ہوتی ہے اور کسی نہ کسی قسم کے فیض اور نفع کا ترشح ہوتا ہے ورنہ شارع علیہ السلام کی طرف سے یہ معاملہ نہ کیا جاتا بلکہ ممانعت ظاہر ہوتی انہی منافع کی وجہ سے زمانہ سابق میں اہل فراست اور مقدس حضرات نے تصور شیخ کو معمول بہ قرار دیا اور مقصد سمجھ کر اس سے عظیم الشان منافع کی اسکیم بنائی۔

حضرت قطب عالم مولانا الحاج امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اپنے خلیفہ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرماتے ہیں۔

واگر فراغ باشد بعد نماز صبح و یا مغرب یا عشاء علیحدہ در حجرہ وغیرہ بہ نشینند و دل را از جمیع خیالات خالی کردہ متوجہ بایں جانب شوند و تصور کنند کہ گویا پیش شیخ خود نشستہ ام و فیضان الٰہی از سینہ او بسینہ می آید بایں حیثیت اگر دل بچسپد ذوق و شوق دست دہد فبہا والا ذکر نفی و اثبات بجہر متوسط مشغول باشند یک دو ساعت کم و زیادہ شغل دارند۔ (مرقومات امدادیہ ص ۲۵۰ و ۲۵۱)

نیز ایک دوسرے والا نامہ میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:

''واگر بعد نماز صبح و یا مغرب فرصت باشد لحہ دو لحہ مراقب باشند و چناں خیال کنند کہ گویا پیش مرشدِ خود نشستہ ام و از قلب مرشد بہ قلب من چیزے می آید و انشاء اللہ تعالیٰ ایں جانب ہم خیال باں طرف خواہد کرد اگر فضل الٰہی شامل حال است فائدہ خواہد شد خاطر جمع دارند۔'' (ص ۲۵۵)

حضرت شاہ ولی اللہ ارشاد فرماتے ہیں: قالوا والركن الأعظم ربط القلب بالشيخ على وصف المحبة والتعظيم وملاحظة صورته قلت ان لله مظاهر كثيرة فما من عابد غبيا كان اوزكيا

---

۱) بخاری شریف۔ تحت باب قول الله عزوجل واذكر فى الكتاب مريمُ الخ ۱/۴۱۲ (رحمانیه)

۲) المصدر السابق ج۱/۴۱۲ (رحمانیه)

الا وقد ظهر بحذائه صار معبودا له في مرتبته ولهذا السر نزل الشرع باستقبال القبلة والاستواء على العرش وقال رسول الله ﷺ اذا صلى احدكم فلا يبصق قبل وجهه فان الله تعالى بينه وبين قبلته وسأل رسول الله ﷺ جارية سوداء من أنا فاشارت باصبعها تعني الله ارسلك فقال هي مومنة فلا عليك أن لا تتوجه الا الى الله ولا تربط قلبك الا به ولو بالتوجه الى العرش وتصور النور الذي وضعه عليه وهو أزهر اللون كمثل لون القمر او بالتوجه الى القبلة كما أشار اليه النبي ﷺ فيكون كالمراقبة بهذا الحديث (۱)

ترجمہ: مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ رکن اعظم دل کا لگانا اور گانٹھنا ہے مرشد کے سامنے محبت اور تعظیم کی صفت پر اور اس کی صورت کاملہ ملاحظہ کرنا، میں کہتا ہوں حق تعالیٰ کے مظاہر کثیرہ ہیں سو کوئی عابد غبی ہو یا ذکی مگر اس کے مقابل ظاہر ہو کر اس کا معبود ہو گیا ہے بحسب مرتبہ اس کے اور اسی کے بھید کے سبب سے روبقبلہ ہونا اور استواء علی العرش کا شرع میں نازل ہوا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے مونہہ کے سامنے نہ تھوکے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ ہے اس کے درمیان اور اس کے قبلہ کے درمیان میں اور آں حضرت ﷺ نے ایک کالی لونڈی سے پوچھا میں کون ہوں تو اس نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا مراد اس کی یہ ہے کہ خدا نے تجھ کو بھیجا ہے پس فرمایا آپ ﷺ نے کہ یہ ایمان دار ہے، تو اے سالک تجھ پر کچھ مضائقہ نہیں ہے اس میں کہ تو متوجہ نہ ہو مگر اللہ ہی کی طرف اور اپنا دل نہ لگائے مگر اسی سے اگرچہ ہو عرش کی طرف متوجہ ہو کر اور اسی کے نور کا تصور کر کے جس کو حق تعالیٰ نے عرش پر رکھا ہے اور وہ نہایت روشن رنگ ہے چاند کے رنگ کے مانند یا قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر، چنانچہ نبی ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس حدیث کا گویا مراقبہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔ مصنف نے حاشیہ پر فرمایا کہ حق تعالیٰ کی عالم مثال میں تجلی ہے، تو ہر شخص اپنی استعداد کے موافق اس کو ادراک کرتا ہے۔

مترجم کہتا ہے تجلی اور عالم مثال کی حقیقت کتب صوفیہ میں مفصل مذکور ہے یہ رسالہ مختصر اس کی تفصیل کے لائق نہیں۔

حضرت مولانا نعیم اللہ صاحب نقشبندی بہرائچی اپنی مشہور کتاب معمولات مظہریہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ''اس کتاب میں حضرت مرزا جان جاناں مظہر صاحب شہید نقشبندی دہلوی قدس سرہ کے احوال اور تعلیمات مذکور ہیں۔'' (معمولات مظہریہ ص ۵۷، ذکر طریق کیفیت رابطہ)

---

۱) شیخ کے ساتھ ربط قلب کے عنوان کے تحت یہ عبارت مذکور ہے۔ پانچویں فصل ۶۸ شفاء العليل ترجمه القول الجميل حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ایچ ایم سعید کراچی)

حضرت محترمی مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ العزیز دررسالہ "سررشتہ دوست" می فرمایند سوم طریقہ ذکر رابطہ بہ پیرے کہ مقام مشاہدہ رسیدہ باشد و بتجلیات ذاتیہ متحقق گشتہ دیدار روئے بمقتضائے "هم الذين اذا روا ذكر الله" فایدۂ ذکر دہد و صحبت وے بموجب ہم جلساء اللہ نتیجہ صحبت مذکور دہد پس چوں دولت دیدار و صحبت چنیں عزیزے دست دہد واثر آنرا بخودی نماید چنداں کہ تواند نگاہ دارد واگر دراں معنی فتوری واقع شود باز بصحبت وے مراجعت نماید تا ببرکت وے ایں معنی پرتو انداز و ہمچنیں مرۃ بعد اخری تا آں زماں کہ آں کیفیت ملکۂ وے گردد واگر چنانچہ آں عزیز غائب باشد صورت وے درخیال گرفتہ بجمیع قوائے ظاہری و باطنی متوجہ قلب صنوبری گردد و ہر خاطرے کہ درآید نفی کند تا کیفیت غیبت و بے خودی روئے نماید و بتکرار ایں معاملہ ملکہ گردد و ہیچ طریق ازیں اقرب نیست بسیار باشد کہ مرید را قابلیت آں باشد کہ پیر از روئے تصرف دراول صحبت وے را بمرتبہ مشاہدہ رساند چوں دریافت صحبت چنیں، عزیزے دریں روزگار اعزمن الکبریت الاحمر است می باید کہ یکے ازاں دو طریقے کہ پیش تر مذکور شد یعنی طریقہ مراقبہ وطریق نفی اثبات اشتغال دارد و از بیان ایں طریق ثلاثہ معلوم شد کہ توجہ بقلب صنوبری کہ در عرف ایں طائفہ آنرا وقوف قلبی خوانند در جمیع اوقات ضروری است و حضرت خواجہ احرار قدس اللہ سرہ العزیز از لوازم می شمردہ اند۔ لیکن معمول خانقاہ شمسیہ چنیں بود کہ در صورت غیبت آں عزیز صورت مثالیہ اش را در محاذی خود تصور نمودہ منتظر آں کیفیت معہودہ کہ در حضور وے حاصل می باشد چوں آں کیفیت کہ در حضور وے است بعد او دست دید خود را دراں بدوز د ہر گاہ دراں فترت واقع شود ہمچناں بعمل آرد تا آں کیفیت ملکہ گردد و ملک او شود۔ واللہ اعلم (ص ۵۷۔۵۸)

یہ طریقہ تصور شیخ اسلاف کرام سے جاری اور مثمر نتائج قویہ چلا آتا تھا مگر بعد کو لوگوں نے افراط اور غلو سے کام لیا اور ایسی ایسی چیزیں ملائی اختیار کیں جو کہ ضرر دینے والی اور صراط مستقیم سے دور کرنے والی ہیں۔ چنانچہ حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز فتاویٰ رشیدیہ میں مختلف مقامات پر تحریر فرماتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد اول ص ۲)

(س)

تصور کرنا پیر کا یا استاذ یا مرشد وغیرہ کا جائز ہے یا نہیں۔

(ج)

کسی کا تصور کرنا بطور خیال کے کچھ حرج نہیں مگر رابطہ جو مشائخ میں مروج ہے کہ اس کو مشائخ نے کسی علاج کے واسطے تجویز کیا تھا اگر اسی حد پر ہے کہ جس حد پر بزرگوں نے کیا تھا تو چنداں دشوار نہیں گو ترک اس کا بھی اولیٰ

ہے کہ مختلف فیہ بین العلماء ہے اور ایسا ضروری بھی نہیں کہ بدون اس کے کام نہ چل سکے اور جو اس حد سے بڑھ جاوے ناجائز ہے۔ (۱)

﴿س﴾

تصور شیخ جو صوفیہ چشت کا معمول ہے اور اقوال حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور مجدد صاحب رحمہم اللہ اس کے مؤید ہیں اور مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اس کو حرام اور کفر و شرک بتاتے ہیں۔ آپ کے نزدیک نفس تصور شیخ جائز ہے یا حرام اور کفر و شرک ہے۔

﴿ج﴾

نفس تصور جائز ہے اگر کوئی امر ممنوع اس کے ساتھ نہ ہو۔ جیسا تمام اشیاء کا آدمی خیال و تصور کرتا ہے مگر جیسا اس کے ساتھ تعظیم اس شکل کا کرنا اور متصرف باطن مرید میں جاننا مفہوم ہوا تو موجب شرک کا ہوگیا۔ لہٰذا قدما اس کی تجویز کرتے تھے کہ اس میں خلط معصیت کا نہ تھا اور متاخرین نے اس کو حرام کہا تو یہ حکم کا اختلاف بسبب اختلاف زمانہ کے ہوا ہے۔ (۲)

﴿س﴾

• تصور کرنا اولیاء اللہ کا مراقبہ میں کیسا ہے اور یہ جاننا کہ جب ہم ان کا تصور باندھتے ہیں تو وہ ہمارے پاس موجود ہو جاتے ہیں اور ہم کو معلوم ہوتے ہیں ایسا اعتقاد کرنا کیسا ہے۔

---

۱) لما قال شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ قالوا: والرکن العظیم ربط القلب بالشیخ علی وصف المحبۃ والتعظیم ملاحظۃ صورتہ (شفاء العلیل ترجمہ قول جمیل ص۸۰ پانچویں فصل) وقال العلامۃ الشکارپوریؒ۔ واذا غاب الشیخ عنہ یخیل صورتہ فی خیالہ بوصف المحبۃ والتعظیم فانہ یفید فائدۃ صحبۃ (قطب الارشاد ص۵۵۸ الفصل العاشر)

۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تصور شیخ کوئی خاص شغل نہیں۔ بلکہ اس کی حقیقت وہی ہے جو لغۃً مفہوم ہوتی ہے۔ محل کا وہ وقت ہے کہ ذکر کے ساتھ خطرات فاسد کا ہجوم ہوا اور دفع کرنے سے مندفع نہ ہوتے ہوں تو منتہی اس کا علاج زیادت توجہ الی اللہ المذکور سے کرتا ہے۔ کیونکہ جب نفس کو ایک طرف توجہ تام ہو جاوے گی حسب قاعدہ فلسفی، النفس لا توجہ الی شیئین فی آن واحد دوسری طرف نہ رہے گی اس سبب سے تصور شیخ نافع سمجھا گیا ہے کہ وہ محسوس بھی ہے اور محبوب بھی ہے۔ (امداد الفتاوی ۵/۸۷ ادار العلوم کراچی) وکذا فی الفتاوی رشیدیہ از تالیفات رشیدیہ کتاب السلوک ص ۱۹۸، (ادارہ اسلامیات لاہور)

﴿ج﴾

ایسا تصور درست نہیں اس میں اندیشہ کا شرک کا ہے۔

﴿س﴾

تصور شیخ و شغل برزخ جو برائے جمعیت خاطر دافع خطرات مشائخ زمانہ کرتے ہیں اور اس کو رکن طریقت و واجبات سے جانتے ہیں کہ بدون اس کے حصول فیوض و برکات محال ہیں لہٰذا ایسی صورت میں یہ شغل کرنا کیسا ہے۔ اور قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں کسی صحابی و تابعین وائمہ دین رحمہم اللہ سے ثابت ہے یا نہیں کیوں کہ جب ایسا ضروری ہو تو صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح اس فعل سے محروم رہے ہوں گے اور جو زمانہ خیر القرون میں اس کا وجود نہ تھا تو پھر کس طرح ایسا ضروری مذکور سوال ہو سکتا ہے گو عقیدہ شرک تک نہ پہنچا ہو۔

﴿ج﴾

اس شغل میں متاخرین صوفیہ نے غلو کیا ہے اور شرک تک نوبت پہنچی لہٰذا متاخرین علماء نے اس کو منع فرمایا اور اب علماء متاخرین کے قول پر عمل چاہیے۔ اس شغل کی کچھ ضرورت نہیں اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس شغل کا کچھ اثر تھا۔

ان فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس تصور شیخ میں شرعاً ممانعت نہیں ہے بلکہ جو چیزیں اس میں ناجائز داخل کی گئی ہیں وہ ممنوع ہیں انہیں کے اقتران کی وجہ سے اس میں قباحت آتی ہے لہٰذا مطلقاً تصور شیخ کو حرام یا شرک قرار دینا غلط فہمی اور غلط گوئی ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ العزیز فرماتے ہیں۔ (مکتوبات ہفتم تصور شیخ فیوض قاسمیہ، ص: ۳۰) ''وقت یاد خداوند جل وعلیٰ اگر شیخ را رابطہ خود تصور کند چہ باک کہ محمد رسول اللہ ﷺ پس از لا الہ الا اللہ ہمیں جانب مشیر است وایں بداں ماند کہ کسی را با کسے کارے افتد کہ نظر عنایت یادداشتہ باشد و بار کار خود برانداختہ۔ پس چناں کہ مرد حاجت مند را بہ تقاضائے ضرورت وقت تدبیر و جانفشانی بائے خود یا دمحتاج الیہ ضروری است و بوجہ مداخلت آں ذکر نیاز بہ او لازم، و توسل بہ او واجب ہمچناں طالبان خدا را یاد خداوند متعالیٰ ضروری است و نیاز بہ رہبران دین راہ لابدی و وقت عرض نیاز اقرار بعدم استحقاق و نفی لیاقت خود لازم۔ وبدیں وجہ توسل آں مقرباں واجب بالجملہ ایں چنیں تصور شعبہ از اعتقاد شفاعت است یا پرتو اعتقاد رسالت و ہمیں است کہ ایں تصور را اکابر طریقت رابطہ و وسیلہ نام نہادہ اند آرے اگر تصور مستقل است واز مفہوم ربط و توسل عاری آں را مسقط اشارہ ماندہ۔ التماثیل اللتی انتم لہا عاکفون۔ تصور باید فرمود گو فیما بین افراد ایں قسم تصور

باعتبار اعتقاد استقلال فرق باشد بالجملہ بخیال۔ مقتضائے باخدائش نتواں گفت و از یاد خدا دل محو یاد پیر را خبر نہ باشد شائبہ از تماثیل مشار الیہا دارد گو صاحب تصور پیر را حسب اعتقاد اسلام بندہ محتاج اعتقاد کردہ باشد چہ یاد اصلی از حقوق خداوندیست چنانچہ بر ماہران قرآن و حدیث مخفی نہ خواہد بود چوں ذکر بیاد وگران داد ازیں وجہ دل خود را از یاد خداوندی پرداخت و باز ازیں کار خود را بنظر استحسان دید لاجرم رہ کساں رفت کہ خود را واقف کردہ اند چوں ایں صورت تصور حاصل شیخ اول است آنانکہ علی الاطلاق منع کردہ اند یا ہمیں قسم را معمول بہ یافتند یا رخنہ بندی شریعت و طریقت مد نظر داشتند و ہر چہ کردند بجا کردند اما حقیقت حال ایں است کہ ایں پراگندہ حال بعرض رسانید۔ واللہ اعلم (فیوض قاسمیہ ص ۳۰)

مرشدوں کی نسبت یہ خیال غلط ہے کہ وہ ہر قدم ساتھ رہتے ہیں اور ہر دم آگاہ رہتے ہیں یہ خدا ہی کی شان ہے گہہ و بے گاہ بطور خرق بعض اکابر سے ایسے معاملات ظاہر ہوتے ہیں اس سے جاہلوں کو یہ دھوکہ پڑا ہے۔ تصور میں صورت کا خیال امر فضول ہے جیسے کسی کے تذکرہ کے وقت کسی کا خیال آتا ہے۔ ایسا ہی تصور شیخ ہے مگر تصور کرو تو اپنے آپ کو اپنی جگہ اور شیخ کو اپنے وطن میں اور اس کے ساتھ یہ خیال رہے کہ اوپر سے کچھ فیض آتا ہے۔ (فیوض قاسمیہ ص ۴۸ در بارۂ تصور شیخ)

مذکورہ بالا تصریحات سے صراط مستقیم کی مندرجہ ذیل عبارت کی بھی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

فائدہ: از جملہ اشتغال مبتدعہ شغل برزخ است کہ در متاخرایں اکثر طرق اشتہار یافتہ بلکہ کلام بعض اکابر ہم براں مشتمل گردیدہ و تصویر شغل مذکور ایں است کہ برائے دفع خطرات و جمعیت ہمت صورت شیخ را کما ینبغی بہ تعین و تشخص در خیال خاطر می کنند و خود باادب و تعظیم تمام بہمگی ہمت خود متوجہ باں صورت می شوند کہ گویا باآداب و تعظیم بسیار و بروئے شیخ نشستہ اند و دل بالکل باں سو متوجہ سازند و حال ایں شغل از احوال تصویر معلوم می تواں کرد چہ ساختن گناہ کبیرہ عظیمہ است و نگاہ کردن دراں خصوصاً بہ تعظیم و توقیر البتہ حرام و قول حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ قوم خود را فرمودند ماھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون۔ باطلاق خود دلالت دارد و بر آں کہ عکوف پیش تماثیل ممنوع است و معنی عکوف لزوم حضور است با ایستادہ بتعظیم باادب و محبت و شک نیست کہ ہر کہ با صورت ظاہری ایں عمل کند البتہ آثم و گنہگار است و تفاوت در عمل آں آثم و گنہگار و شغل ایں طالب راہ حق ہمیں و رواست کہ دراول تصویر رنگیں بر قرطاس یا مثل وے خواہد بود و در ثانی تصویر تمام صورت بلون جلد و اشعار و خط و خال در صحیفۂ خیال خواہد بود ہر چند بظاہر صورت پرستی نیست لیکن در باطن صاف صورت پرستی است صورت قرطاسی آں قدر دقائق تصویر را حکایت نمی کند کہ صورت خیالی می کند باوجودے کہ ہر دو بے جان اند پس در معنی تصوری صورت خیالی از صورت قرطاسی چہ فرق ہر دو نہ می تواند شد مگر بایں کہ در صورت اول در انتظام ظاہر شرع

تخلل راہ می باید ودرصورت ثانی انتظام ظاہری را آسیبے نمی رسد لیکن قبح کہ بہ نسبت تاثیرش درنفس فاعل ایں کار است درصورت دوم ازیداز صورت اولی است پس بایں وجہ می باید کہ حرام باشد وقطع نظر ازیں معنی رواج شغل برزخ ناقصاں رابصورت اولی می رساند وتصاویر ظاہری ساختہ آں حرکات تعظیمہ کہ پیش اہل صوری کنندرو بروئے آں تصاویر معمل می آرند صاف بصورت صنم پرستاں می شوند ودرمنجر شدن شغل برزخ بایں عمل کہ صریح حرام است شبیہ نیست پس ایں ہم باید کہ حرام بود ودر شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بنا بر پیش بندی صورت پرستی تصویر سازی مطلقاً ممنوع شدہ ودرشرائع دیگر بنا بر بعضے اغراض صحیحہ مثل دریافت حال شکل وشمائل مردہ یا زندہ غائب درست بود پس وقتیکہ شارع ایں قدر احتیاط را پیش گرفتہ شغل برزخ را حرام وقبح پندارندو ہر کہ بر سیرت پیغمبر ﷺ بخوبی آگاہی دارد خواہد دانست کہ اگر استفتائی ایں امر دراں زمانہ متبرکہ می شد البتہ ازاں منع می فرمودند وتحریم آں ظاہر می شد۔ص:۱۱۸۔۱۱۹

خلاصہ یہ ہے کہ خطرات کے دور کرنے اور خیالات کو جمع کرنے اور ہمت کو قوی بنانے کی عبادات میں جس قدر اہمیت ہے وہ محتاج بیاں نہیں ہے اور چونکہ تصور شیخ کی تاثیر اس امر میں انتہائی درجہ پر مفید ہے فان الشیخ فی قومہ کالنبی فی أمتہ اس لیے تجربہ اور نصوص نے اکابر امت کو اس طریقہ کے جاری کرنے پر آمادہ کیا تھا امت کو اس سے بے شمار فوائد حاصل ہوئے جیسا کہ مولانا عبدالرحمان جامی رحمہ اللہ کے ارشاد سے ظاہر ہے مگر چونکہ متاخرین غلط کاروں نے اس میں محظورات اور ناجائز اشیاء داخل کر دیں۔ مثلاً شیخ کو ہر جگہ حاضر و ناظر اعتقاد کرنا یا اس کے تصور اور توجہ الی الشیخ میں اس قدر منہمک ہو جانا کہ مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی سے مستغنی اور غافل ہو جائیں یا شیخ کو مثل کعبہ ہر نماز میں قبلہ اور متوجہ الیہ بنالینا، یا باطن مرید میں شیخ کو متصرف سمجھنے لگنا یا اس صورت کی اور شیخ کی حد سے زیادہ تعظیم کرنے لگنا یا اس سے ناعاقبت اندیشوں اور احمقوں کا صورت پرستی حقیقی اختیار کرنا جیسے مختلف مبتدع پیروں کے یہاں رائج ہو گیا ہے اس لیے سمجھدار اکابرین پر لازم ہو گیا کہ اس پر فکر فرمادیں اور ذریعۂ شرک وکفر کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں بہر حال یہ امر مطلقاً ممنوع ہے نہ مطلقاً ضروری ہے۔ فتویٰ دینے اور عمل کرنے میں غور وفکر اور سوچ سمجھ سے کام لینا چاہیے۔ واللہ اعلم (مکتوبات:۲۲۱/۴۔۲۳۶)

مساجد میں کیا کیا امور جائز ہیں

۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں مساجد میں دینی وملی اجتماعات کے انعقاد کے متعلق ایک استفتاء ملک کے اہم علماء اور مراکز افتاء کو بھیجا گیا تھا۔ جو سہ روزہ الجمعیۃ دہلی کے شمارہ ۱۶ جلد ۱۶، ۲ رجمادی الاولی ۱۳۵۱ھ کی اشاعت میں شائع ہوا تھا، اس استفتاء کے جواب میں ملک کے مقتدر علماء ومفتیان کرام نے فتاویٰ تحریر فرمائے۔ جو الجمعیۃ کی متعدد اشاعتوں میں شائع ہوئے۔ اسی ضمن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کا

درج ذیل مفصل فتویٰ قسط وار شائع ہوا، اس کی پہلی قسط ۲۷ر جمادی الثانیہ ۱۳۵۱ھ مطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۹۳۲ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ اور آخری قسط کی اشاعت مع تصدیقات دیگر علماء ۲ر شعبان ۱۳۵۱ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۳۲ء کو ہوئی۔ مولانا معزالدین احمد قاسمی ناظم امارت شرعیہ ہند شکریہ کے مستحق ہیں جن کی توجہ سے یہ قیمتی فتویٰ حاصل ہوسکا۔ (مرتب)

مساجد و معابد کے متعلق ایک شرعی مسئلہ

حضرات علماء کرام سے استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین حسب ذیل مسائل میں شرعی واسلامی حکم کیا ہے۔

① ...... مساجد محلہ و جوامع میں نماز باجماعت اور نماز جمعہ اور خطبہ جمعہ کے علاوہ وعظ و تقریر اور کوئی اسلامی جلسہ اسلام اور مسلمانوں کے دینی یا دنیوی مفاد و اغراض کے لیے کرنا جائز ہے یا نہیں اور کیا اس میں مساجد کی کوئی توہین ہے۔

② ...... کیا یہ صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں مسجد نبوی اور مسجد کوفہ اور مسجد شام میں اہل اسلام کا اجتماع تمام مہمات امور اور امت مسلمہ کے اجتماعی کاموں کے لیے ہوا کرتا تھا، مشورہ ہوتا تھا، تقریریں ہوتی تھیں۔ خلفاء اربعہ کی بیعت عامہ بھی مسجد نبوی میں ہوئی۔ وفود و سفراء بھی مسجد نبوی میں آتے تھے، دشمنان اسلام سے جنگ کے لیے مسجد میں مسلمانوں کو جمع کر کے سمجھایا جاتا تھا اور ان کو آمادہ کیا جاتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو کیا آج کل مساجد میں مسلمانوں کو ظالموں کے ظلم سے آگاہ کرنا اور رفع ظلم کی ہدایت کرنا اور مسلمانوں کو آزادی کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی عزت کے تحفظ کا درس دینا کیا اس سنت سنیہ کی اتباع نہیں ہے۔

③ ...... جو شخص امور بالا کو مسجد میں روکے یا روکنے کی سعی کرے تو کیا وہ ایک شرعی و مذہبی حکم میں مداخلت بیجا کا مرتکب نہیں ہے اور کیا وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

④ ...... اگر کوئی شخص یا چند لوگ مساجد میں ایسے جلسوں کو روکنا چاہیں جن میں حکومت کے ان مظالم کو بیان کیا جائے جو اس نے اسلام اور مسلمانوں پر کیے ہیں اور مظالم بیان کر کے ان مظالم سے نجات حاصل کرنے کی تلقین کی جائے تو کیا اس شخص یا ان چند لوگوں کا یہ فعل کسی طرح پر جائز ہوگا اور یہ روکنا خاص کر جب کہ محض حکومت کے خوف یا اس کی خوشنودی کے لیے ہو۔

⑤ ...... اگر اس قسم کے عام جلسے حکومت کے خوف یا خوشی کے لیے کسی ایک مسجد میں روکے گئے تو کیا

قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر جو اکثر مساجد میں بیان کی جاتی ہیں جن میں ظالموں کی مذمت اور ظالموں کے مقابلہ کی تعلیم وتلقین بھی ہوتی ہے اور دیندار علماء حقانی قرآن مجید کے ان اصول تعلیم کو واقع حال پر منطبق کر کے بتائیں تو کیا اس خوف اور خوشنودیٔ حکام کے لیے ان کو بھی بند کیا جاسکے گا؟

⑥......اگر کسی مسجد میں جہاں عموماً اسلامی جلسے ہوا کرتے ہیں اگر کسی جلسے میں کسی ایسے شخص کی تقریر سے کوئی فساد ہو جس کی بداعمالیوں کے باعث اس کی تقریر لوگ سننا نہیں چاہتے ہیں تو اس صورت میں اس شخص کو اس مسجد میں تقریر سے روکا جائے گا۔ یا اس مسجد میں اسلامی جلسوں ہی کو بند کر دیا جائے گا؟ شرعی اصول سے کیا تدبیر ہونی چاہیے؟ خصوصاً جب کہ جلسوں کا بند کرنا ایک اسلامی سنت جاریہ اور اسلامی حق کو پائمال کرنے کے علاوہ سخت فتنہ کا موجب بن سکتا ہے اور اس کا قرینہ غالب ہے۔

⑦... اگر کسی مسجد کا امام فاسق و فاجر ہو اور اکثر مقتدی اس کی بے دینی سے نالاں ہوں مگر امام اس قدر ضدی ہو کہ وہ امامت سے باز نہ آئے اور عوام تنگ آکر مشتعل ہو جائیں اور مسجد میں مار پیٹ ہو جائے تو ایسی صورت میں قیام امن اور احترام مسجد کے لیے اس امام کو علیحدہ کیا جائے گا یا یہ حکم بھی دیا جاسکتا ہے کہ سرے سے اس مسجد میں نماز و اذان ہی بند کر دی جائے شرعی حکم صحیح کیا ہوگا۔

⑧... اگر کسی مسجد کی انتظامی کمیٹی جس کو مسلمانوں نے نہیں قائم کیا ہے از خود مسجد میں اسلامی جلسوں کو روکے یا حکومت کے اشارہ سے منع کرے تو کیا یہ مذہبی مداخلت نہیں ہوگی اور کیا مسلمان اس کمیٹی کے حکم کو تسلیم کر لیں خصوصاً جب کہ مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فتنہ کا باعث بھی ہو۔

⑨......اگر کسی مسجد پر کسی ظالم نے قبضہ کر کے مسلمانوں کو اس مسجد کے اسلامی حقوق سے باز رکھا ہو اور پھر کسی مسلمان نے اس ظالم کو کچھ روپیہ دے کر مسلمانوں کے لیے واگذاشت کرالیا ہو مگر اس کے ساتھ ظالم نے کچھ ایسی شرط بھی کی ہو جو اسلامی اصول سے صحیح نہ ہو مثلاً یہ کہ مسجد میں کوئی اسلامی جلسہ نہ ہو یا کوئی وعظ و تقریر نہ ہو تو کیا یہ شرط باطل نہیں ہے اور اس شرط باطل کی پابندی کسی طرح مسلمانوں پر عائد ہوسکتی ہے۔

⑩... اگر ہندوستان میں کسی اسلامی مسجد پر جو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہوتی ہے اور وہ کسی شخص یا حکومت کی ملکیت نہیں ہوتی ہے کوئی حکومت کافرہ غاصبانہ قبضہ کرے تو کیا یہ قبضہ شرعاً درست ہوگا نیز ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کے اس مشہور اعلان عام کے بعد (کہ ہندوستان میں کسی مذہب میں مداخلت نہیں کی جائے گی ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کے مطابق ہندوستان میں حکومت ہوگی) حکومت کسی مسجد پر قبضہ قائم رکھے اور پھر کسی مسجد کے متعلق بہت کافی روپیہ لے کر واگذاشت کرے تو کیا اس روپیہ کی واپسی حکومت پر از روئے حق و انصاف لازم ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

براہ کرم مدلل و مفصل جواب سے سرفراز فرمائیں۔

(منشی) تصدق حسین احمد جعفری

الجواب

الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى

امابعد! ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سوالات مذکورہ کے تفصیلی جوابوں سے پہلے ہم چند ضروری اوراہم امور عرض کردیں جن سے جوابات کے لیے کافی اور مفید مواد حاصل ہو جائے۔ کتب احادیث وسیر کی اوراق گردانی کرنے والے اوردفاتر فقہ وتفسیر پر غائرانہ نظر ڈالنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ: مساجد کے بیشتر احکامات کا مدار مسجد نبوی "على صاحبها الصلوٰة و السلام" پر ہے مسجد حرام کے بعد تمام مساجد سے اس کا مرتبہ بلند تر امت محمدیہ کے نزدیک مسلم ہے (۱) بلکہ امام مالک رحمہ اللہ اوران کے موافقین تو اس مسجد کو مسجد الحرام سے بھی بالاتر مانتے ہیں۔ اگرچہ مسجد قبا کی بنیاد اس سے پہلے رکھی گئی تھی مگر (۲) مدینہ منورہ میں سب سے پہلے جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسی مسجد کی بنیاد رکھی (۳)۔ سب سے پہلے افضیلت کا امتیاز اسی کو ملا۔ مساجد کے لیے احکام شرعیہ میں امامت کا تاج بھی اسی کے سر پر رکھا گیا۔ یہ ہی مسجد عموماً احکام مساجد کے لیے مشعل ہدایت تسلیم کی گئی ہے جناب رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اور تابعین عظام (رحمہم اللہ) کی ابتداء سے آماجگاہ اور مطمح نظر یہی مسجد رہی۔ یہیں سے اسلام اور مسلمانوں کا ہر قسم کا عروج ہوا، اسی وجہ سے احکام مساجد کے لیے اسی مسجد سے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔ یہ مقدس مسجد زمانہ سعادت اوراس

---

۱) عن ابن عمر رضي الله عنهما: عن النبي ﷺ قال: صلاة في مسجدي هذا أفضل من الف صلاة فيما سواه من المساجد الا المسجد افضل ۱/۱۰۱: ترمذی شریف باب ماجا في اي المساجد الحرام باب ماجاء في فضل الصلاة في المسجد الحرام ومسجد النبي ﷺ (قديمي)

۲) انه ﷺ: قال صلاة في مسجد قباء كعمرة۔ ابن ماجه عن سهل بن حنيف، باب ماجاء في الصلاة في مسجد قباء

۳) عن الحسن: قال: لما بنى رسول الله ﷺ المسجد اعانه عليه اصحابه وهو معهم يتناول اللبن حتى اغبر صدره الخ۔ فصل في بناء مسجده الشريف البدايه والنهايه ۳/۲۹۰ (رشيديه)

○ ایضاً تفصیل کے لیے سیرت مصطفیٰ لمولانا محمد ادریس رحمہ اللہ ۱/۴۴۲ فصل نمبر ۳ تعمیر مسجد نبویؐ (مکتبہ خلیل)

○ وقال تعالى! (لمسجد اُسس على التقوى من اول يوم احق ان تقوم فيه، رقم الاية ۱۰۸، التوبه رُوى ان النبي ﷺ سئل: اى مسجد هو! قال مسجدي هذا، رواه مسلم / كتاب الحج: باب بيان ان المسجد الذى اُسس على التقوى هو مسجد النبي ﷺ، حديث ۱۳۹۸ الشفا بتعريف حقوق المصطفى ج ۲/۹۴/ مکتبہ وحیدی پشاور۔

کے بعد زمانہ ہائے خیر القرون میں صرف دارالصلوٰۃ والعبادات ہی نہیں رہی جیسا کہ بعض کوتاہ فہم خیال کرتے ہیں۔ بلکہ یہ مسجد نہایت عظیم الشان تعلیم گاہ ''دارالعلوم'' بھی بنائی گئی (۱)۔ جس میں ہر قسم کے علوم تعلیم دیئے جاتے تھے اگر کبھی قرآن شریف اور اس کے وجوہ قرأت وتجوید کی تعلیم ہوتی تھی۔ تو کبھی معانی الفاظ قرآنیہ اور وجوہ تفسیر اور مقاصد وحکم آیات پر بحث کی جاتی تھی، اگر کبھی عبادات بدینہ اور ان کے اقسام وقوانین زیر بحث آتے تھے تو کبھی عبادات مالیہ اور ان کے انواع واحکام وعلل زیر نظر ہوتے تھے۔ اگر کبھی عقائد قلبیہ اور تصدیقات باطنیہ پر تقریر ہوتی تھی تو کبھی تہذیب اخلاق اور درستی رسوم وعادات پر روشنی ڈالی جاتی تھی، اگر کبھی تدبیر منزل اور حسن معاشرت کی تدریس ہوتی تھی تو کبھی سیاسیات مدنیہ اور انتظامات ملکیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اگر کبھی قوانین تعزیرات وحدود اور قواعد احتساب وحبس تادیب ارباب جرائم ومنکرات زیر بیان آتے تھے تو کبھی قواعد معاملات بیع وشراء، رخص، کفالۃ، اقالہ، شرکت، مضاربت، سلم، صرف، ربوٰ، تجارت وصنعت وغیرہ وغیرہ زیر تقریر آتے تھے۔ اگر کبھی فصل خصومات، قضاء قاضی، قطع منازعات، عدالت واحکام صلح، صلح خصوم، شہادت، ایمان وغیرہ کے احکام تعلیم دیئے جاتے تھے تو کبھی دشمنان ملک وملت کے ساتھ جنگ اور جہاد، صلح وامان اسیر و استرقاق، عتق وکتابت، استیلاء وتدبیر کے قواعد کی پرزور تقریر سے مسجد شریف گونجتی ہوئی نظر آتی تھی۔ اگر کبھی تواریخ امم ماضیہ اور سیر انبیاء وصالحین پر روشنی ڈالی جاتی تھی تو دوسرے وقت میں عرب کے ایام قدیمہ اور زمانۂ جاہلیت کی عبرتناک باتیں بیان کی جاتی تھیں۔ اگر کبھی خراج اور باج گذاری، عشر اور زکوٰۃ ٹیکس وغیرہ کی تدریس ہے تو کبھی اقوام عالم اور ان کے وفود وسفراء کے ساتھ معاملات اور طرز معیشت کی تعلیم ہے کبھی روحانیات کی تعلیم ہوتی ہے تو کبھی مادیات کی۔ کبھی علم طب اور علاج کے طرق ذکر کیے جاتے ہیں تو دوسرے وقت مبدأ ومعاد کے مسائل زیر بحث ہوتے ہیں۔ غرض کہ نوع انسانی کے جس قدر بھی شعبہ ہائے زندگی اجتماعی یا انفرادی ہیں اور جن کے لیے اس زمانہ میں علیحدہ علیحدہ تعلیم گاہیں اور مدارس قائم ہیں اور جن کے لیے علیحدہ علیحدہ تصانیف اور کتابیں لائبریریاں اور اساتذہ وغیرہ مقرر کیے جاتے ہیں یہ سب علوم وفنون اسی عظیم الشان درسگاہ میں اسلام کا معلم اول حاوی علوم اولین وآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حلقہ ہائے علمیہ اور منبر سے تعلیم دیتا رہا۔

---

۱) اصحاب صفہ ارباب توکل اور اصحاب تبتل کی ایک جماعت تھی۔ جو لیل ونہار تزکیہ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم پانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتی تھی۔ نہ ان کو تجارت سے کوئی مطلب تھا اور نہ زراعت سے کوئی سروکار تھا۔ یہ حضرات اپنی آنکھوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پرانوار کے لیے اور کانوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات قدسیہ کے سننے کے لیے اور جسم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور معیت کے لیے وقف کر چکے تھے۔ سیرت مصطفیٰ باب تحول قبلہ ۱/۲۷۹ (مکتبہ خلیل)

اسی جامعہ کلیہ میں نو یا دس برس تعلیم پا کر تمام عالم کے جملہ فنون اور علوم میں نہ صرف اساتذہ بنے بلکہ انہوں نے اپنی سچی عملی کارروائیوں سے تمام عالم کو جگمگا دیا۔(۱)

②......اسی طرح یہ مسجد مقدس ''دار القضاء والاحکام'' (۲) بھی رہی۔ جس میں ہر قسم کے مقدمات خواہ دیوانی کے ہوں یا فوجداری کے، خواہ مال کے ہوں یا آئین ملکی وفوجی کے، خواہ احتساب کے ہوں یا سیاسیات عامہ کے، ایک سب سے بڑے قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کئے جاتے تھے مدعی اور مدعی علیہ حاضر ہوتے تھے شہود اور گواہ لائے جاتے تھے حسب قواعد قسمیں لی جاتی تھیں صلح کرائی جاتی تھی۔ دعاوی اور خصومتیں باقاعدہ سنی جاتی تھیں فیصلہ کیا جاتا تھا۔ مجرموں کو سزائیں سنائی جاتی تھیں وغیرہ وغیرہ۔

③......اسی طرح یہ مسجد مقدس ''دار الارشاد والتسلیک'' (خانقاہ) بھی رہی جس میں سب سے بڑا مرشد روحانی اپنے انتہائی روشنی والے قلب اور بے حد مزکی اور قوی روح سے مسترشدین کے قلوب اور جوارح باطنیہ کا تصفیہ اور تجلیہ کرتا تھا۔ اس طرح بے نظیر مرشد نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو تمام اولیاء اللہ اور عارفین کا سردار بنا دیا۔ کوئی صوفی اور کوئی ولی زمانہ مابعد یا ماقبل میں ان کے اشراق اور صفاء قلب کو نہ پہنچ سکا۔

④......اسی طرح یہ مقدس مسجد ''دار الوعظ والتذکیر'' رہی جس میں کبھی ترغیب الی الحسنات والامور المعروف پر خطبہ پڑھا جاتا تھا اور کبھی ترہیب عن مصائب الدنیا وعن عذاب الآخرہ پر لکچر دیا جاتا تھا۔ کبھی بشارت کا سماں نظر آتا ہے تو کبھی انذار کا میدان کھلا ہوا ہے۔ کبھی عدل وانصاف اطاعت وفرمانبرداری کی طرف ان کے فضائل بیان کر کے بلایا جاتا ہے تو کبھی ظلم وعدوان نافرمانی اور عصیان کی قباحتیں بیان کر کے ان سے نفرت دلائی جاتی ہے، کبھی دشمنوں کے مظالم اور برائیاں بیان کر کے ان کے خلاف جہاد اور جنگ پر آمادہ کیا جاتا ہے اور کبھی دوستوں کی بھلائیاں اور ان کے احسانات گنوا کر ان کی طرف مائل کیا جاتا ہے یہ طریقہ تذکیر وترغیب، وعظ و نصیحت، انذار وتبشیر، تنفیر وتحبیب وغیرہ کا ہمیشہ منبر اور حلقہ ہائے مسجد ہی میں عموماً اخیر تک جاری رہا۔

⑤......اسی طرح یہ مقدس مسجد ''دار الوفود والسفراء'' بھی رہی جس میں مختلف قبائل کے وفود ''خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم'' ٹھہرائے جاتے تھے اور ان سے ہر قسم کے معاملات پر گفتگو ہوتی تھی۔ قبیلہ ثقیف کا مشہور وفد ''ڈیپوٹیشن'' اسی میں ٹھہرایا گیا۔ اور جب کہ بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے آیت ﴿انما المشرکون نجس﴾ کی وجہ سے جو کہ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی شبہ کیا تو آپ ﷺ نے نجاست قلبی کی تفسیر سے اس شبہ کا ازالہ فرما دیا۔

⑥......اسی طرح یہ مقدس مسجد ''دار الاقامہ (بورڈنگ)'' بھی رہی ہے جس میں وہ طلبائے علوم اور مستر

---

۱) بخاری ۱/۱۳۱: باب التقاضي والملازمة في المسجد

۲) بخاری ۱/۳۶۸: باب القضاء واللعان في المسجد بين الرجال والنساء۔ (رحمانیہ)

شدین معارف جن کے پاس گھر بار اور مسکن نہ تھا اور جو کہ دور دراز سے استفادہ کے لیے آتے تھے دن ورات رہتے تھے اہل صفہ کا مقر یہیں تھا۔

⑦......اسی طرح یہ مقدس مسجد ''دارالمشورہ'' بھی رہی جس میں ہر قسم کے ضروری امور اور احکام پر حسب ارشاد ''وشاورھم فی الامر'' اور ''امرھم شوریٰ بینھم'' مشورہ لیا جاتا تھا قصہ افک، واقعہ اسارائے بدر، غزوۂ احد، واقعہ وفد ہوازن وغیرہ میں یہیں مشورہ سے تصفیہ کیا گیا۔

⑧... اسی طرح یہ مقدس مسجد ''دارالاساریٰ (حوالات)'' بھی رہی ثمامہ بن اثال حنفی رضی اللہ عنہ کو ان کے مسلمان ہونے سے قبل ایک ستون سے باندھا گیا تھا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ایک جرم کی پاداش میں اپنے آپ کو اسی میں باندھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔(۱)

⑨......اسی طرح مساجد ''دارالتفتیش'' بھی تھیں جن میں تفتیش احوال اور رجال وتنقید شکایات وغیرہ بھی ہوتی تھی اہل کوفہ کی شکایات پر جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے جرائم مزعومہ کی تفتیش کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت (کمیشن) کوفہ بھیجی ہے تو اس نے وہاں کی ہر ہر مسجد میں جا کر لوگوں سے پوری پوری تحقیق کی ہے بخاری شریف میں ہے۔

فارسل معه رجلا او رجالاً الی الکوفة یسأل عنه اهل الکوفة ولم یدع مسجداً الاسأل عنه ویثنون علیه معروفاً حتی دخل مسجداً لبنی عبس فقام رجل منهم یقال له أسامة ابن قتادة یکنی ابا سعدة فقال اما اذ نشدتنا الك۔ (بخاری ج۱،ص۱۰۴)

⑩......اسی طرح یہ مقدس مسجد ''دارالقسمة'' بھی رہی۔ مسلمانوں کے لیے جو اموال خراج، جزیہ بدل صلح، وہدایا، صدقات وغیرہ باہر سے آتے تھے وہ اس مقدس عبادت گاہ میں تقسیم کئے جاتے تھے۔ بحرین کا مشہور ومعروف خراج جو کہ اپنی مالی حیثیت سے اس زمانہ میں نہایت گراں مایہ تھا اور جس کی مقدار ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھی اسی مسجد میں تمام وکمال تقسیم کیا گیا اور جب تک اس میں ایک حبہ بھی باقی رہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود وہاں بیٹھے اور تقسیم کرتے رہے۔ اسی مسجد میں کھجوروں کے خوشہ لٹکا دیئے جاتے تھے تاکہ دارالطلبہ (صفہ) کے مساکین طلبہ اس میں سے روزانہ پکی ہوئی کھجوریں کھالیا کریں۔(۲)

⑪ ...اسی طرح یہ مقدس مسجد ''دارالمفاخرہ والمشاعرہ'' بھی رہی اس میں اشعار حقہ اور قصائد صحیحہ جن

---

۱) بخاری باب الاسرا والغریم یربط فی المسجد ۱/۳۲۲ (رحمانیه)

۲) بخاری باب ذکر البیع والشرآء علی المنبر فی المسجد ۱/۱۳۱ (رحمانیه)

بخاری وایضاً باب القسمة وتعلیق القنو فی المسجد ۱/۱۳۶ (رحمانیه)

میں حمد باری عزوجل اور مدح رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف وغیرہ ہوتی تھی پڑھے جاتے تھے، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے منبر رکھا جاتا تھا اور وہ قصائد مدحیہ کو پڑھتے اور کافروں کے ہجو کا جواب دیتے تھے اور دوسرے شاعروں کے بھی اس قسم کے واقعات بکثرت مسجد میں واقع ہوئے ہیں جیسے وفد بنی تمیم کے شاعر برقان اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما کے مشاعرہ کے وقائع اور حضرت کعب بن زہیر اور عبداللہ بن رواحہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کے قصائد اور اشعار۔(۱)

⑫ ......اسی طرح یہ مسجد ''دار التمرین لفنون الحرب'' مدرسہ حربیہ عملیہ بھی رہی ہے جس میں فنون جنگ جہاد کی تعلیم کا مظاہرہ کیا گیا۔ حبشیوں نے نیزہ بازی کی مشق کی نمائش اسی میں کی ہے وغیرہ وغیرہ۔(۲)

⑬ ...اسی طرح یہ مسجد دار الاعانۃ والاستمداد رہی ہے جب بھی کوئی مالی ضرورت جنگی کارروائیوں یا ارباب احتیاج وفقر یا خون بہا اور دیات وغرامات کے لیے پیش آتی تھی جناب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو مسجد میں منادی کے ذریعہ سے بلا کر اعانت اور چندہ کی ترغیب دیتے تھے مسجد میں ہی چندہ وصول کیا جاتا تھا اور تقسیم بھی وہاں کیا جاتا تھا۔ سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ، غزوۂ تبوک اور دوسرے غزوات وغیرہ میں بارہا ترغیبیں دی جاتی تھیں قبیلہ مضر وہوازن وغیرہ فقراء اور ارباب حاجت وفود کے لیے بارہا یہیں چندہ کیا گیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کے جماعتی جملہ امور خواہ ان کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہو یا آخرت سے اور خواہ وہ عبادات کی قسم سے ہوں یا معاملات وغیرہ سے عموماً مسجد نبوی میں انجام پاتے تھے اور مساجد میں وہ امور نہ صرف جائز ہیں بلکہ مساجد کی ساخت ہی ایسے امور کے لیے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ عینی وحافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" قال المهلب المسجد موضوع لامر جماعة المسلمين فما كان من الاعمال يجمع منفعة الدين واهله جازفيه الخ۔ "

مہلب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مسجد کی وضع سے شرعی مقصود مسلمانوں کے اجتماعی امور کا انصرام ہے لہٰذا ہر وہ کام جس میں اسلام اور اہل اسلام کی مصلحت موجود ہو مسجد میں جائز ہو جائے گا۔(۳)

علامہ عینی رحمہ اللہ اس عبارت کو نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

''واللعب بالحراب من تدريب الجوارح على معاني الحروب فهو جائز في المسجد

---

۱) بخاری شریف باب الشعر فی المسجد (رحمانیه)

۲) بخاری ۱/۱۳۱ باب اصحاب الحراب فی المسجد (رحمانیه)

۳) عمدۃ القاری: ۴/۲۲۰ باب القضاء واللعان فی المسجد کتاب الصلوۃ باب ۴۴ (رشیدیه)

وغیرہ الخ۔''یعنی اصول جنگ کے مطابق ورزش جسمانی آلات جنگ کی مشق مسجد وغیرہ میں جائز ہے۔(۱)

اورابوالحسن لخمی کے انکارلعب حراب پر حافظ ابن حجر اور عینی رحمہما اللہ سخت انتقاد کرتے ہیں۔علامہ عینی رحمہ اللہ '' باب القضاء واللعان فی المسجد''میں فرماتے ہیں۔

''وانما ذکر البخاری ھٰذا الحدیث مختصراً لاجل جواز القضاء فی المسجد وھو عند عامة العلماء وقال مالك جلوس القاضی فی المسجد للقضاء من الامر القدیم المعمول بہ۔''(۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کامختصراًاس لیے ذکرفرمایا کہ مسجد میں قضاء فصل خصومات کا جواز ثابت ہو جائے جیسا کہ جمہورعلماء کا مسلک ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قاضی کا مسجد میں بیٹھ کر اجلاس کرنا ہمیشہ سے معمول بہ چلاآرہا ہے۔

اورپھر چند مذاہب مختلفہ ذکرکرنے کے بعد ائمہ حنفیہ کا مذہب ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"قلت قال اصحابنا جمیعا والمستحب ان یجلس (القاضی) فی مجلس الحکم فی الجامع فان کان مسجدا بجنب دارہ فله ذلك وان قضی فی دارہ جاز والجامع اوفق المواضع بالناس واجدر ان لایخفی علی احد جلوسه ولا یؤم حکمه وقد کان الشعبی یقضی فی الجامع وشریح یقضی فی المسجد ویخطب بالسواد وقد قضی النبی ﷺ بین الانصار فی مواریث تقادمت وکانت الائمة یقضون فی المساجد وعثمان رضی الله عنه فی الحریقیم فی المسجد وقضی بین سقاء وخصم له فی المسجد الخ۔" (۳)

میں کہتا ہوں کہ ہمارے علماء متفقہ طور پر یہ فرماتے ہیں کہ قاضی اسلام کے لیے مستحب یہ ہے کہ حکم وفیصلہ کے لیے مسجد جامع میں اجلاس کرے لیکن اگر اس کے مکان کے قریب کوئی اور مسجد موجود ہو تو اس میں بھی اجلاس کرسکتا ہے اور خود اپنے گھر میں بھی اجلاس کرنا جائز ہے لیکن بایں ہمہ جامع مسجد اس کام کے لیے زیادہ موزوں و مناسب ہے تاکہ پبلک میں سے کسی شخص پر اس کی نشست پوشیدہ اور اس کا حکم مخفی نہ رہے چنانچہ امام شعبی رحمہ اللہ کے فیصلے قاضی شریح کے احکام اور تقریریں ہمیشہ عراق کی جامع مسجد میں ہوا کرتی تھیں۔اور خود نبی کریم ﷺ نے

---

۱) تخریج سابق

۲) عمدۃ القاری شرح بخاری شریف : باب القضاء واللعان فی المسجد، کتاب الصلاۃ باب نمبر ۴۴ ۴/ ۲۴۳ . (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ جدید)

۳) عمدۃ القاری : ۴: ۲۴۴ (رشیدیہ)

انصار کے میراث کا فیصلہ مسجد شریف ہی میں فرمایا۔ اسی طرح دیگر ائمہ اسلام کا بھی معمول یہی رہا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ موسم گرما میں مسجد میں تشریف فرما رہا کرتے تھے ان کا وہ فیصلہ جو سقاء اور ایک دوسرے شخص کے مابین فرمایا ہے مسجد ہی میں ہوا تھا۔

شرح نقایہ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ ''باب القضاء'' میں فرماتے ہیں:

" والجامع الذی فی وسط البلد اولی من داره لجلوسه الظاهر وهو الجلوس اللذی یاتی الناس فیه لقطع الخصومات کیلا یشتبه مکانه علی الغرباء" (۱)

''جو جامع مسجد وسط شہر میں واقع ہے قاضی کے مکان سے (فیصلہ کے لیے) بہتر ہے اس لیے کہ اس کی نشست سب پر ظاہر رہے گی اور یہی وہ نشست ہے کہ جس میں اشخاص جھگڑے چکانے کے لیے اس کے پاس آئیں گے تو ایسی حالت میں اس قاضی کا مقام نشست غریبوں پر مشتبہ نہ رہنا چاہیے۔''

اور پھر اپنے مذہب (حنفیہ) کی دلیل ان الفاظ سے ذکر کرتے ہیں:

" ولنا ان النبی ﷺ قضی فی المسجد الجامع و کذالك الصحابة والتابعون لما فی الصحیحین عن سهل بن سعد رضی الله عنه فی قصة اللعان ان رجلاً قال یا رسول الله ﷺ ارئیت رجلاً وجد مع امرأته رجلاً (الی ان قال) فتلا عنا فی المسجد وانا شاهد ولما اخرجه الجماعة الا الترمذی عن کعب بن مالك انه تقاضی ابن حدرد دیناً کان علیه فی المسجد فارتفعت اصواتهما حتی سمعهما رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو فی بیته فخرج الیهما حتی کشف سجف حجرته فنادی یا کعب قال یا رسول الله ﷺ فاشار بیده ان ضع الشرط من دینك قال کعب قد فعلت یا رسول الله قال قم فاقضه ولا عن عمر عند منبر النبی ﷺ وقضی شریح والشعبی ویحیی بن یعمر فی المسجد وقضی مروان علی زید بن ثابت بالیمین عند المنبر واخرج ابن سعد فی الطبقات عن ربیعه بن ابی عبدالرحمن انه رای ابابکر بن محمد بن عمرو بن حزم یقضی فی المسجد عند القبر، و کان علی القضاء بالمدینة فی ولایة عمروا بن عبدالعزیز و کان قد ولی قضاء المدینة الخ۔ ولان القضاء عبادة فیجوز اقامتها فی المسجد کالصلوٰة الخ" (۲)

''ہمارے لیے یہ دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جامع مسجد (مسجد نبوی) میں فیصلے کئے اور اسی طرح

---

۱) شرح نقایہ ملا علی قاریؒ۔ کتاب القضا: ۳/۱۱۲ (مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی)
۲) شرح نقایہ ملا علی قاریؒ: کتاب القضاء: ۳/۱۱۳ مکتبہ ایچ ایم سعید کراچی

صحابہ وتابعین کا طرز عمل رہا ہے۔ قصہ لعان جو سہل بن سعد کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے اس کی ظاہر دلیل ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس اجنبی شخص کو دیکھے تو اس کا حکم کیا ہے (واقعہ کا آخری حصہ ہے) کہ شوہر و بیوی میں مسجد کے اندر لعان کرایا اور میں مجلس میں موجود تھا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ترمذی کے علاوہ ایک جماعت نے کعب ابن مالک سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے ابن حدرد پر اپنے قرض کا تقاضا کیا حتی کہ باہمی گفتگو میں آوازیں بلند ہوگئیں اور نبی کریم ﷺ نے اپنے حجرہ شریفہ میں ان کو سن لیا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے پردہ اٹھا کر کعب سے فرمایا کہ تم اپنے مطالبہ میں سے کچھ معاف کردو جس کی کعب رضی اللہ عنہ نے فوراً تعمیل کی۔ پھر مدیون سے ارشاد فرمایا کہ اٹھو اور ان کا قرض ادا کردو۔"

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد ہی میں جانبین سے معاف کرایا ایسے ہی امام شعبی، قاضی شریح یحییٰ بن یعمر نے مسجد میں قضایا کا فیصلہ فرمایا، مروان بن الحکم نے جو زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے قسم لی تھی وہ بھی مسجد ہی کا واقعہ ہے جو عین منبر شریف کے سامنے ہوا تھا، ابن سعد طبقات میں ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو دیکھا کہ وہ قبر کے پاس فیصلہ کیا کرتے تھے اور یہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ولایت میں مدینہ کے قاضی تھے۔

نیز فیصلہ اور قضا ایک عبادت ہے لہٰذا اس کا مسجد میں قیام بالکل نماز کی طرح جائز ہے۔

فی البحر الرائق قوله و (یقضی فی المسجد او دارہ) لانه ﷺ حکم بین المتلا عنین فی المسجد وقال للمدیون قم فاقضه بعد امر الدائن بوضع الشطر و کانا فی المسجد وقد ارتفعت اصواتهما، وامر باقامة الحد وهو فی المسجد، وقد لاعن عمر رضی الله عنه عند منبر رسول الله ﷺ کما رواہ البخاری، واما کون المشرک یدخله للقضاء وهو نجس فلا یمنع لان نجاسته نجاسة الاعتقاد علی معنی التشبیه واما الحائض فتخبر بحالها لیخرج الیها القاضی او یرسل نائبه کما اذا کانت الدعوی فی دابته و کذا السلطان یجلس فی المسجد للحکم واطلق المسجد فشمل غیر الجامع لکنه اولی لانه اشهر ثم الذی تقام فیه الجماعات وان لم تصل فیه الجمعة الخ (۱)

ترجمہ: "اور بحر الرائق میں ہے کہ قاضی مسجد میں یا اپنے گھر میں فیصلہ کرسکتا ہے دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں دو لعان کرنے والوں کے متعلق فیصلہ صادر فرمایا ہے اور نیز مدیون سے فرمایا کہ اٹھو اور اس کا قرض ادا کرو جب کہ قرض خواہ سے فرما چکے تھے کہ وہ اپنے مطالبہ میں سے کچھ کم کردے دراں حالیکہ وہ

۱) بحر الرائق ۶/۲۶۷ کتاب القضاء: فصل فی التقلید (رشیدیہ)

دونوں مسجد میں تھے اوران کی آوازیں بھی بلند ہورہی تھیں۔ نیز مسجد میں تشریف فرماتے ہوئے آپ نے اقامت حد کا حکم دیا۔ رہا مشرک کا فیصلہ کے لیے مسجد میں آنا باوجود یہ کہ نجس ہے ممنوع نہیں ہے اس لیے کہ اس کی نجاست اعتقادی ہے (نہ ظاہری) بوجہ شرک کے۔ رہی حائضہ عورت (اس کے لیے اس کو مسجد میں آنے کی ممانعت ہے) اپنے حالات کی اطلاع (قاضی کو) بھیجے تاکہ قاضی خود نکل کر اس کے پاس آئے یا اپنے قائم مقام کو بھیجے جیسا کہ چوپایوں کے دعویٰ میں عمل درآمد ہوتا ہے۔ اسی طرح بادشاہ مسجد میں فیصلہ کے لیے اجلاس کرسکتا ہے مسجد عام ہے خواہ جامع ہو یا غیر جامع لیکن جامع مسجد اجلاس کے لیے زیادہ مناسب ہے اس لیے کہ وہ زیادہ مشہور ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ مسجد جس میں صرف جماعت پنجگانہ (نہ جمعہ) ہوتی ہو مناسب ہے۔''

عالمگیری وغیرہ کتب فقہ میں یہی مضمون ذکر کیا گیا ہے مذکورہ بالا حکم ذکر کرنے کے بعد عالمگیری میں فرماتے ہیں:

"وان كان جاهلاً يستحب له ان يقعد معه اهل العلم كذافي التبيين ويشاورهم كذافي النهر الفائق ويقيع القمطر الى جانبه عن يمينه لان فيه السجلات والمحاضر والصكوك ويجلس كاتبه في ناحية عنه حيث يراه حتى لا يخدع بالرشوة فيزيد في الفاظ الشهادة۔ الخ''(۱)

''اوراگر قاضی جاہل ہو تو اس کے لیے مستحب ہے کہ علماء کو اپنے ساتھ رکھے اسی طرح تبیین میں مذکور ہے اوران سے مشورہ لے اسی طرح النہر الفائق میں مذکورہ ہے قمطر (یہ ایک قسم کا ظرف ہوتا ہے جس میں کارروائی کے کاغذات محفوظ رکھے جاتے ہیں) اپنی داہنی جانب رکھے اس لیے کہ اس میں کارروائی کے متعلق رجسٹرات اور چک وغیرہ ہوتے ہیں۔ اور قاضی اپنے پیشکار کو اس طرح اپنے پاس بیٹھائے کہ قاضی کی نگاہ اس پر پڑتی رہے تاکہ وہ رشوت لے کر دھوکہ نہ دے اور گواہی کے الفاظ میں زیادتی نہ کرسکتے۔''

جس سے معلوم ہوگیا کہ اگر قاضی عالم نہ ہو تو اس کو مسجد میں اپنے ساتھ علماء کو رکھنا اوران سے مشورہ لینا مستحب ہے اور قاضی کو مسجد ہی میں اپنے تمام رجسٹروں اور مقدمات کی مسلوں اور محرروں وغیرہ کو اپنے پاس رکھنا چاہیے۔

روح المعانی میں تعمیر مساجد والی روایت کی تفسیر کے ماتحت ذکر فرماتے ہیں:

وادامة العبادة والذكر ودراسة الغلوم الشرعية فيها ونحو ذالك وصيانتها من مالم تبن له في نظر الشارع كحديث الدنيا۔ (۲)

---

۱) الباب السابع في جلوس القاضي ومكان جلوسه وما يتصل بذلك: ۳۲۰/۳ (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

۲) روح المعاني ۶۵/۶

''مساجد میں عبادت اور ذکر کو دائما کرنا اور علوم شرعیہ کی تعلیم دینا وغیرہ اور جو امور مقصود تعمیر مساجد کے خلاف ہوں ان سے مساجد کو محفوظ رکھنا مثلاً دنیاوی باتیں اور امور۔''

بحر الرائق جلد دوم میں ہے۔

ویجوز الجلوس فی المسجد بغیر الصلوٰۃ ولابأس به للقضاء کالتدریس والفتویٰ الخ۔(۱)

مسجد میں نماز کے علاوہ تدریس اور فتوی کے لیے بیٹھنا جائز ہے اور فیصلہ کے لیے اجلاس کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے۔

" مباشرة عقد النکاح فی المساجد مستحب واختار ظهیر الدین خلاف هذا۔ " (۲)

''مساجد میں عقد نکاح مستحب ہے ظہیر الدین کا مختار اس کے خلاف ہے۔'' یہی مضمون بحر الرائق میں بھی ہے۔ بحر الرائق جلد ثانی میں ہے۔

" فلا یجوز لاحد مطلقاً ان یمنع مومناً من عبادة یأتی بها فی المسجد لان المساجد ما بنی الالها من صلوٰة واعتکاف وذکر شرعی وتعلیم علم وتعلمه وقراءة قرآن الخ "

''کسی ایماندار کو مسجد میں عبادت کرنے سے روکنا مطلقاً جائز نہیں دلیل یہ ہے کہ مساجد کی تعمیر نماز، اعتکاف ذکر شرعی، تعلیم قرآن اور قرأت قرآن ہی کے لیے ہوئی ہے۔''

عینی شرح بخاری میں حدیث تقسیم مال فی المسجد کے تحت حدیث مذکورہ کے فوائد ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" ومنها ان فیه وضع مال الناس متشرکون فیه من صدقة وغیرها فی المسجد لان المسجد لا یحجب من احد ذوی الحاجة من دخوله والناس فیه سواء وقال ابن القاسم وسئل مالك عن الافتاء فی المسجد وما یشبه ذالك فقال لابأس بها وسئل عن الماء الذی یسقی فی المسجد اتری انه یشرب منه قال نعم انما جعل للعطش ولم یرد به اهل المسكنة فلا اری انه یترك مشربه ولم یزل هذا من امر الناس۔(۳)

تقسیم مال فی المسجد کے فوائد میں سے ایسے مال کا مسجد میں رکھنا بھی ہے جس میں لوگوں کی شرکت ہو یعنی

---

۱) بحر الرائق ۳۶/۲

۲) فتاویٰ عالمگیری الباب الخامس فی آداب المسجد والمصحف الخ ۳۲۱/۵ (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

۳) عمدة القاری : کتاب الصلاة : باب القسمه وتعلیق القنوفی فی المسجد، باب نمبر ۴۳ ج ۲۴۰/۳ (رشیدیه)

صدقہ وغیرہ اس لیے کہ مسجد کسی صاحب حاجت کو داخل ہونے سے نہیں روکتی اور اس باب میں سب لوگ مساوی ہیں ابن القاسم کا قول ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے مسجد میں فتویٰ دینے کے متعلق اور جو امور اس کے مشابہ ہیں دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔ نیز اس پانی کے متعلق بھی دریافت کیا گیا جو مسجد میں پلایا جاتا ہے کہ کیا آپ کے نزدیک وہ پانی پینا مناسب ہے تو آپ نے فرمایا ہاں! وہ تو پیاس کے لیے ہی رکھا گیا ہے۔ مساکین کی کوئی خصوصیت نہیں اور میں مناسب نہیں سمجھتا ہوں کہ اس کا پینا ترک کیا جائے اور ہمیشہ یہ لوگوں کے امر سے رہا ہے۔

" باب من دعا لطعام فی المسجد ومن اجاب فیہ" میں علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وفیہ ان الدعاء الی ذالك من المسجد وغیرہ سواء لان ذالك من اعمال البر ولیس ثواب الجلوس فی المسجد باقل من ثواب الاطعام۔ "(۱)

" مسجد اور غیر مسجد میں دعوت دینا برابر ہے اس لیے کہ دعوت دینا اچھے اعمال میں سے ہے مسجد میں نشست کا ثواب کھانا کھلانا کے ثواب سے کم نہیں۔"

" باب نوم الرجال فی المسجد" میں غیر مسافرین کی نوم کے متعلق علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" ذکر ما یستنبط منہ وھو جواز النوم فی المسجد لغیر الغریب وقد اختلف العلماء فی ذالك فمن رخص فی النوم فیہ ابن عمر و قال کنا نبیت فیہ ونقیل علی عھد رسول اللہ ﷺ وعن سعید بن المسیب والحسن البصری وعطاء و محمد بن سیرین مثلہ وھو احد قولی الشافعی واختلف عن ابن عباس فرویٰ عنہ قال لا تتخذوا المسجد مرقداً وروی عنہ انہ قال وان کنت تنام فیہ لصلوٰۃ فلا باس وقال مالك لا احب لمن لہ منزل ان یبیت فی المسجد ویقیل فیہ وبہ قال احمد واسحاق وقال مالك وقد کان اصحاب النبی ﷺ یبیتون فی المسجد و کرہ النوم فیہ ابن مسعود وطاؤس ومجاھد وھو قول الاوزاعی وقد سئل سعید بن المسیب وسلیمان بن یسار عن النوم فیہ فقالا کیف تسألون عنھا وقد کان اھل الصفۃ ینامون فیہ وھم قوم کان مسکنھم المسجد وذکر الطبری عن الحسن قال رأیت عثمان بن عفان نائماً فیہ لیس حولہ احدٌ وھو امیر المومنین قال وقد نام فی المسجد جامعۃ من السلف بغیر معذور للانتفاع بہ فیما یحل کالا کل والشرب والجلوس وشبہ النوم من الاعمال واللہ اعلم. (۲)

---

۱) عمدۃ القاری: کتاب الصلوۃ، باب نمبر ۴۳: ۲۴۱/۴ (رشیدیہ)

۲) عمدۃ القاری شرح بخاری شریف: کتاب الصلاۃ: باب نمبر ۵۸: ۲۹۳/۴ (رشیدیہ)

''ذکر اس امر کا جو باب النوم سے نکالا گیا ہے یعنی مسجد میں غیر مسافر کے سونے کا جواز اس باب میں علماء کا اختلاف ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں سونے کی رخصت دی ہے اور فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں مسجد کے اندر سوتے اور قیلولہ کرتے تھے۔ اسی طرح سعید بن المسیب، حسن بصری، عطاء اور محمد بن سیرین سے مروی ہے یہی ایک قول امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے اختلاف کیا گیا ہے ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد کو سونے کی جگہ مت بناؤ اور دوسری روایت میں ہے کہ اگر نماز کے لیے مسجد میں سوؤ تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گھر والوں کے لیے مسجد میں سونا میں پسند نہیں کرتا ہوں اسی کے قائل امام احمد و اسحاق رحمہ اللہ ہیں نیز امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب مسجد میں سوتے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، طاؤس رحمہ اللہ اور مجاہد رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد میں سونا مکروہ ہے یہی قول امام اوزاعی رحمہ اللہ کا ہے سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ اور سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے مسجد میں سونے کے متعلق دریافت کیا گیا تو دونوں نے تعجباً فرمایا کہ تم لوگ نوم فی المسجد کے متعلق کس طرح سوال کرتے ہو حالانکہ اہل صفہ مسجد میں سوتے تھے اور یہ وہ لوگ تھے کہ مسجد ہی ان کی جائے سکونت ہو گئی تھی۔ طبرانی رحمہ اللہ نے روایۃً حسن رحمہ اللہ سے ذکر کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں سوتے ہوئے دیکھا اور ان کے اردگرد کوئی نہ تھا حالانکہ وہ امیر المومنین تھے نیز سلف کی ایک جماعت مسجد میں سوتی ہے حالانکہ وہ مسجد میں حلال امور کے ساتھ نفع اٹھانے کے لیے معذور بھی نہ تھی مانند کھانے، پینے، بیٹھنے، سونے وغیرہ کے اعمال میں سے واللہ اعلم۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

" قوله فان المساجد لم تبن لهذا اى منشدات الضالة ونحوه بل لذكر الله تعالى وتلاوة القرآن والوعظ حتى كره مالك البحث العلمي وجوزه ابو حنيفة وغيره لانه فيما يحتاج الناس اليه لان المسجد مجمعهم قاله ابن الملك رحمه الله۔ (۱)

''مساجد کی تعمیر گم شدہ چیزوں وغیرہ کی تلاش کرنے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ ذکر خداوندی تلاوت قرآن اور وعظ کے لیے بنائی گئی ہے حتیٰ کہ امام مالک رحمہ اللہ نے علمی بحث کو بھی مسجد میں مکروہ قرار دیا ہے ہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و دیگر ائمہ نے اس کی اجازت دی ہے اس لیے کہ لوگوں کو اس کی حاجت ہوتی ہے بدین وجہ کہ ان کی جائے اجتماع مسجد ہی ہوتی ہے اسی کے قائل ابن الملک رحمہ اللہ بھی ہیں۔''

---

۱) مرقاۃ المصابیح شرح مشکوۃ شریف کتاب الصلاۃ : باب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر ۷۰۶، ۳۸۴/۲ (رشیدیہ کوئٹہ)

ہم ان چند معتبر نصوص پر بخوف تطویل اکتفا کرتے ہوئے یہ ظاہر کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ گمان کرنا کہ مساجد میں سوائے نماز، تلاوت قرآن اور ذکر کے کوئی چیز درست نہیں۔ اس لیے کہ ان کے علاوہ اور امور کو منع کرنا سخت غلطی ہے، مسلمانوں کے وہ تمام اجتماعی امور جن کو اسلام اور مذہب سے تعلق ہے خواہ وہ سیاسی ہوں یا اقتصادی، مالی ہوں یا نفسی روحانی ہوں یا مادی اور اسی طرح انفرادی عبادتیں زمانہ قدیم سے مساجد میں انجام پاتی رہی ہیں اور مساجد ان کے لیے مستقر اور مرکز ہیں احادیث اور اقوال ائمہ نہایت صراحت کے ساتھ اس پر روشنی ڈال رہے ہیں، مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جس کا بعد مسجد حرام افضل المساجد ہونا مسلمات اسلامیہ میں سے ہے اس میں یہ سب امور ہمیشہ سے جاری رہے تو دیگر تمام مساجد میں بدرجہ اولی ہونا چاہیے ہاں اگر کوئی خلاف شرع امر پیدا ہو جائے تو اس کو روکنا چاہیے نہ کہ مساجد کو ان امور اسلامیہ سے ممنوع قرار دیا جائے۔ واللہ اعلم

اس ضروری تمہید کے بعد دریافت کردہ شدہ امور خود بخود حل ہو جاتے ہیں مگر مزید توضیح کے لیے ہر سوال کا جواب ہم مختصراً عرض کرتے ہیں۔

تفصیلی جوابات

① ...... بیشک جائز ہے اور مسلمانوں کا ہمیشہ اس پر عمل درآمد رہا ہے جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت سنیہ یہی ہے مساجد کی اس میں توہین ہرگز نہیں بلکہ تعمیر ہے۔

② صحیح ہے اور آج کل بھی مسلمانوں کو اعداء اسلام کے مظالم سے آگاہ کرنا اور حسب استطاعت دفاع اور ان کی قوتوں کی کمزوری پر آگاہ کرنا، آزادی وطرق تحفظ اسلام وتحفظ ناموس دین محمدی کی ترغیب دینا نہ صرف اس سنت سنیہ کی اتباع ہے بلکہ واجب ہے۔

③ بے شک وہ شرعی مداخلت بے جا کا مرتکب اور گنہگار ہے البحر الرائق مسجد کے دروازے کے بند کرنے کی بحث میں ہے۔

" کان المتقدمون یکرھون شد المصاحف واتخاذ المشدۃ لھا کیلا یکون ذالك فی صورۃ المنع من قراءۃ القرآن فھذا مثله او فوقه لان المصحف ملك لصاحبه والمسجد لیس بملك لاحد ومن ھھنا یعلم جھل بعض مدرسی زماننا من منعھم من یدرس فی مسجد تقرر فی تدریسه او کراھتھم لذالك زاعمین الاختصاص بھا دون غیرھم حتی سمعت من بعضھم انه یضیفھا الی نفسه ویقول ھذہ مدرستی اولا تدرس فی مدرستی واعجب من ذالك انه اذا غضب علی شخص یمنعه من دخول المسجد خصوصاً بسبب امر دینوی وھذا کله جھل عظیم ولا یبعد ان یکون کبیرۃ فقد

قال الله تعالى وان المساجد لله وما تلونا من الاية السابقة فلا يجوز لاحد ان يمنع مومنا من عبادة ياتي بها في المسجد لان المسجد ما بني الالها من صلوة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن ولا يتعين مكان مخصوص لاحد حتى لو كان للمدرس موضع من المسجد يدرس فيه فسبقه غيره اليه ليس له ازعاجه واقامته منه الخ۔ (۱)

متقدمین مصحف کو باندھنا اور اس کے باندھنے کے لیے کوئی آلہ تیار کرنا مکروہ کہتے تھے تاکہ اس میں قرأت قرآن سے روکنے کی صورت نہ پیدا ہو جائے پس مسئولہ مساجد اس کے مساوی ہے یا اس سے فوقیت رکھتا ہے اس لیے کہ مصحف صاحب مصحف کی ملک ہوتی ہے اور مسجد کسی کی ملک نہیں۔ اسی سے ہمارے زمانے کے بعض مدرسین کی جہالت معلوم ہو جاتی ہے جو ایسی مسجد سے جو ان کی تدریس کے لیے مقرر ہے دوسروں کو درس دینے سے روکتے ہیں یا مکروہ سمجھتے ہیں اپنی خصوصیت کے خیال سے حتی کہ میں نے بعض سے یہ بات سنی ہے کہ وہ مساجد کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرا مدرسہ ہے اور زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ جب کسی پر غصہ آتا ہے تو اس کو دخول فی المسجد سے روکتے ہیں خصوصاً امر دنیاوی کی وجہ سے یہ تمام باتیں بڑی جہالت کی ہیں۔ اور بعید نہیں کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں بدلیل ارشاد باری تعالیٰ کہ مساجد اللہ ہی کے لیے ہیں اور بدلیل آیت سابقہ کے جس کی تلاوت ہم کر چکے ہیں، پس کسی شخص کو جائز نہیں کہ وہ کسی مومن کو مسجد میں عبادت کرنے سے روکے اس لیے کہ مسجد نماز، اعتکاف ذکر شرعی، تعلیم علم تعلم علم اور قرأت قرآن ہی کے لیے بنائی گئی ہے۔ اور مسجد کی کوئی خاص جگہ کسی کے لیے مخصوص نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اگر کسی مدرس کے لیے مسجد کی کوئی خاص جگہ کسی کے لیے مخصوص ہو اور وہ اس میں درس دیا کرتا ہو اتفاق سے اس جگہ کوئی دوسرا شخص اس سے پہلے آ کر بیٹھ جائے تو اس جگہ سے اس کو دفع کرنا اور اٹھانا مدرس کے لیے جائز نہیں۔ لہٰذا یہ روکنے والا شخص گناہ گار ہے جلد توبہ کرنی چاہیے۔

④...... ایسے مظالم کو بیان کرنا اور مسلمانوں کو نجات حاصل کرنے کی تلقین کرنا اور ان کو اس تلقین پر حسب استطاعت عمل کرنا بہت زیادہ ضروری ہے۔

" قال الله تعالى وقاتلوا في سبيل الله الذين يقاتلونكم الايه "(۲) وقال سبحانه تعالى " وقاتلوا المشركين كافة كما يقاتلونكم كافة "(۳) وقال " من اعتدى عليه فاعتدوا عليه

۱) البحر الرائق ص ۵۹ ج ۲ رشیدیہ کتاب الصلاة باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها فصل كره استقبال القبلة

۲) سورۃ البقرہ آیت : ۱۹۰ رکوع ۸:۶ پارہ نمبر ۲

۳) سورۃ التوبہ آیت : ۳۶ رکوع : ۵ پارہ نمبر ۱۰

بمثل ما اعتدى عليكم " الاية وغيره ذالك من الايات۔ (۱)

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو تم سے جنگ کرے تم بھی خدا کی راہ میں ان سے جنگ کرو تم بھی مشرکین سے مقابلہ کرو جیسا کہ وہ تم سے کرتے ہیں، جو شخص تم پر زیادتی اور ظلم کرے تم بھی اسی قدر اس پر زیادتی اور ظلم کرو۔''

جو لوگ اس تلقین و تذکیر سے منع کرتے ہیں وہ سخت مجرم ہیں ان کو جلد توبہ کرنا چاہیے اور بالخصوص جبکہ ان کا یہ فعل حکومت ظالمہ کی خوشنودی یا خوف کی وجہ سے ہو۔

قال اللہ تعالی ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون۔ (۲)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھو! تم ہرگز اہل ظلم کی طرف مائل نہ ہونا ورنہ پھر تم دوزخ میں جاؤ گے تمہارا کوئی بجز خدا کے دوست نہیں (اگر تم نے ظالموں کی طرف میلان کیا) تو یاد رکھو کہ تمہاری پھر امداد نہ کی جائے گی۔

وقال اللہ تعالیٰ "تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔" (۳)

''ارشا[illegible] ہے کہ تم نیکی اور بھلائی پر مدد کیا کرو اور گناہ وظلم پر کسی کی امداد نہ کرنا۔''

[illegible] یکون بعدی امراء [illegible] ل علیہم فصدقھم بکذبھم واعانھم علی ظلمھم فلیس منی ولست منہ ولیس بوارد علی الحوض۔ (۴)

''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے بعد امراء آئیں گے پس جو شخص ان کے پاس جا کر (ان کی خوشنودی کے لیے) ان کی جھوٹی باتوں کو سچا بتائے اور ان کے ظلم پر اعانت کرے تو ایسا شخص نہ مجھ سے ہے اور نہ میں اس سے ہوں اور نہ وہ میرے حوض کوثر پر وارد ہوگا۔''

وقال سبحانہ وتعالی "اتخشونھم فاللہ احق ان تخشاہ" الایۃ وقال سبحانہ وتعالی "فلا تخشوا الناس واخشونی ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلاً الایۃ" (۵)

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ سے خوف کرنا چاہیے دوسری جگہ ارشاد ہے تم لوگوں سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات سے ثمن قلیل کی خریداری نہ کرو۔''

⑤...... ہرگز نہیں۔ جواب نمبر ۴ سے بخوبی واضح ہوگیا کہ یہ لوگ سخت گناہ گار ہیں ان کو عاقبت کی فکر کرنا چاہیے۔

---

۱) سورۃ البقرہ آیت: ۱۹۴، رکوع: ۸ پارہ نمبر ۲
۲) سورۃ ھود آیت: ۱۱۳، رکوع: ۱۰ پارہ ۱۲
۳) سورۃ المائدہ آیت: ۲، رکوع: پارہ ۶
۴) رواہ ابن حبان: کتاب البر والاحسان: باب نمبر ۱۱، ۱۹۲/۱ حدیث نمبر ۲۸۲ (دار المعرفۃ بیروت)
۵) سورۃ البقرہ آیت نمبر ۴۱ رکوع نمبر ۵ پارہ نمبر ۱

⑥......فقط اسی شخص ہی کو تقریروں سے روکا جائے گا اس کی وجہ سے مساجد میں ایسے جلسوں کا بند کرنا یا کرانا کسی طرح جائز نہیں (کما ذکرنا سابقاً) خصوصاً جب کہ ایسے جلسوں کی بندش سے فتنوں کا بھی خوف ہو۔

⑦......ایسے امام ہی کا علیحدہ کرنا ضروری ہے۔

قال النبی ﷺ ثلثة لا یقبل اللہ منھم صلوۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون [1] وعن السائب بن خلاد رضی اللہ عنہ وھو رجل من اصحاب النبی ﷺ ان رجلاً أم قوما فبصق فی القبلة ورسول اللہ ﷺ ینظر فقال رسول اللہ ﷺ لقومہ حین فرغ لا یصلی لکم فاراد بعد ذالك ان یصلی لھم فمنعوہ فاخبروہ بقول رسول اللہ ﷺ فذکر ذالك رسول اللہ ﷺ فقال نعم وحسبت انہ قال انك قد اذیت اللہ ورسولہ۔ (رواہ ابوداؤد) وابن حبان [2] فی صحیحہ وراہ الطبرانی باسناد جید عن عبداللہ بن عمرو۔

''نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ تین شخصوں کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو کسی قوم سے آگے بڑھ جائے اور قوم اس کو برا سمجھتی ہو (آخر حدیث تک)۔''

''سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ (یہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ہیں) سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک قوم کی امامت کی اور اس نے قبلہ کی جانب تھوکا اور رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے بعد فراغت کے فرمایا کہ آئندہ یہ شخص تم کو نماز نہ پڑھائے اس کے بعد اس نے پھر قوم کو نماز پڑھانا چاہا تو لوگوں نے اس کو منع کیا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی اس کو اطلاع دی اس نے اس کا تذکرہ حضور ﷺ کی خدمت مبارک میں کیا آپ نے فرمایا ہاں! (راوی) میں گمان کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی۔''

(اس کی روایت ابوداؤد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں کی اور طبرانی نے کبیر میں ایک عمدہ سند سے عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے)

درمختار میں ہے۔

" ولو ام قوماً وھم لہ کارھون ان (الکراھة) لفساد فیہ اولانھم احق بالامامة کرہ لہ

---

1) ابوداؤد شریف ۹۸/۱ کتاب الصلوۃ باب نمبر ۶۳ : الرجل یوم القوم وھم لہ کارھون

2) رواہ ابن حبان کتاب الصلاۃ: باب نمبر ۳۲: ذکر ایذاء اللہ جل (رحمانیہ) وعلا بمن بصق فی قبلة المسجد، بیروت ص ۵۲۳ (دارالمعرفة بیروت)

ذلك تحریماً لحدیث ابی داؤد لایقبل الله صلوة من تقدم قوما وهم له کارهون۔" (۱)

"اگر کوئی شخص کسی قوم کا امام ہو اور وہ قوم اس کی امامت کو مکروہ جانتی ہو تو اس کے ذاتی فساد اور خرابی کی وجہ سے یا اس لیے کہ قوم اس سے زیادہ احق بالامامۃ ہے تو یہ امامت اس شخص کے لیے مکروہ تحریمی ہے بدلیل حدیث ابوداؤد کے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو قوم سے آگے ہو جائے حالانکہ قوم اس کو برا جانتی ہو۔"

لہٰذا اس امام کا علیحدہ کرنا حکم شرعی ہے اس کو امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے مسجد اور اذان کو بند کرنا ہرگز جائز نہیں۔

⑧...... کسی انتظامیہ کمیٹی کو مساجد سے ایسے مفید اور مذہبی ضروری جلسوں سے روکنے کا حق نہیں ہے اور نہ مسلمانوں کو اس کی اطاعت کرنا چاہیے۔

قال علیه الصلوة والسلام " لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔" (۲)

"حضور ﷺ روحی فداہ کا ارشاد ہے کہ کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس سے معصیت خدا کی لازم آتی ہو۔"

بالخصوص جبکہ ایسے جلسوں کے نہ ہونے میں فتنے اور مسلمانوں کے لیے مضرتوں کے سامان پیدا ہوتے ہوں کمیٹی مذکور الصدر کو ایسے جلسوں سے روکنا جائز نہیں بالخصوص جب کہ ظالم حکومت کے اشارہ سے ہو۔

قال سبحانه وتعالی " والله ورسوله احق ان یرضوه ان کانوا مومنین۔" (۳)

"ارشاد خداوندی ہے کہ مومن کو چاہئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرلے۔"

چونکہ یہ جلسے مذہبی ہیں اور مذہب اسلام سیاسیات وغیرہ کو اسی طرح حاوی ہے جس طرح عبادات کو اور جس طرح وہ عبادات کی تعلیم کرتا ہے اسی طرح سیاسیات کی بھی بنابریں ایسے جلسوں سے روکنا یقیناً مذہبی مداخلت ہے جس کا حق نہ کسی حکومت کو ہے اور نہ کسی کمیٹی کو۔

⑨...... تصریحات فقہ اسلامی (اسلامک لاء) کی بناء پر کوئی مسجد کسی حکومت کی ملک ہوسکتی ہے نہ کسی مسلم یا غیر مسلم جماعت یا فرد کی بنابریں حکومت کا کسی مسجد پر قبضہ کرنا شرعاً کسی طرح جائز نہ ہوگا اور نہ اس کو کسی کے

---

۱) در مختار مع شامی ۱/۵۵۹ (طبع ایچ ایم سعید) باب الامامة مطلب شروط الامامة الکبریٰ

۲) عن علی رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال : لا طاعة فی معصیة الله : انما الطاعة فی المعروف، الصحیح المسلم : باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة وتحریمها فی المعصیة ۲/۱۲۵ (قدیمی) فقام عمران بن حصین رضی الله عنه فلقیه بین الناس قال تذکر یوم قال رسول الله ﷺ: لا طاعة لمخلوق فی معصیة الله الخ۔ مسند احمد ۶/۵۹ (بیروت۔ دار احیاء التراث العربی)

۳) سورہ توبہ آیت ۶۲

ہاتھ بیچنا درست ہوگا لہٰذا یہ صلح اور اس کے شروط بھی لغو اور غیر قابل اعتبار ہیں اور اگر بالفرض یہ صلح معتبر بھی ہوتی ہے تو شروط مذکورہ سوال تو کسی طرح بھی قابل اعتبار نہیں۔

"قال النبی ﷺ الصلح جائز بین المسلمین الا صلحاً حرم حلالاً او احل حراما والمسلمون علی شروطهم الا شرطاً حرم حلالاً او احل حراماً رواه الترمذی وصححه۔"(۱)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے ہاں وہ صلح جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کردے وہ جائز نہیں مسلمان اپنے شروط پر قائم رہیں مگر ہاں اس شرط کو نہ مانیں جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کردے۔'' (اس کی روایت مع الصحۃ ترمذی نے کی ہے)

اس لیے مسلمانوں پر ایسی لغو اور باطل شروط کی پابندی آ ہی نہیں سکتی اور نہ ان کے لیے ایسی شروط جائز العمل ہیں۔

⑩ ... یقیناً یہ قبضہ سراسر غاصبانہ ہوگا جو کسی طرح درست نہیں ۱۸۵۸ء کے اعلان سے قطع نظر بھی حکومت کا یہ قبضہ سراسر باطل ہے اس لیے جو روپیہ حکومت نے لیا ہے اس کو واپس کرنا بہرحال اس پر لازم ہے۔(۲)

تنبیہ: مساجد میں تمام وہ مذہبی امور جن کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے انجام دیتے وقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی تطہیر و تنظیف و حرمت اور جماعت کی نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

واللہ اعلم بالصواب وعنده ام الکتاب کتبه خادم العلم حسین احمد غفرلہ۔

تصدیقات: جواب صحیح ہے بلا شبہ مساجد مسلمین ہمیشہ کے لیے اس قسم کی شروط و قیود سے آزاد ہیں اور ہر قسم کے اسلامی جلسے جو مسلمانوں کے دینی یا دنیاوی مفاد عام سے متعلق ہوں ان میں جائز اور قرون اولیٰ کا معمول ہیں جیسے کہ حضرت مجیب دام مجدہم نے پوری طرح واضح فرمادیا ہے کسی مسلمان کا تسلط و تغلب بھی ان پر جائز نہیں تو کسی کافر کا تسلط کیسے جائز رکھا جاسکتا ہے اگر کسی وقت مسلمانوں کے کسی فرد یا جماعت نے ظالم حکومت کے اکراہ و اجبار سے کچھ ایسی شرائط تسلیم کرلیں جو شریعت اسلام کے خلاف ہیں تو یہ شرائط باطل ہیں ان کا ایفاء نہ ان کے ذمہ ہے اور نہ دوسرے مسلمانوں کے ذمہ جیسا کہ عالمگیری کتاب السیر باب ثالث میں بالفاظ ذیل مذکور ہے۔

---

۱) جامع الترمذی : ابواب الاحکام : باب ما ذکر عن النبی ﷺ فی الصلح بین الناس : ۳۸۳/۱ رحمانیہ

۲) وعلی الغاصب رد العین المغصوبة معناه مادام قائماً : لقوله علیه السلام علی الید ما اخذت حتی ترد ما وقال علیه السلام : لا یحل ان یاخذ متاع اخیه لاعباً ولا جاداً۔ فان اخذه فلیرده علیه الهدایه ۳۷/۳ : کتاب الغصب مکتبه شرکت علمیه ملتان)

وان شرطوافي الموادعة ان يرد عليهم من جاء نا مسلما منهم بطل الشرط ولم يجب الوفاء به كذافي الكافي۔ [1]

''جو مسلمان حکومت کافرہ کی خوشنودی ورضاجوئی کے لیے مساجد پر ایسی قیود عائد کرنا یا کرانا چاہتے ہیں بلاشبہ سخت گنہگار ہیں البتہ جو منکرات یا ایسے امور جو حرمت مسجد کے خلاف ہوں اگر مسجد میں ہوتے دیکھیں تو ان کے انسداد کی کوشش کرنا ضروری ہے جیسا کہ حضرت مجیب مدظلہم نے بوضاحت تحریر فرمایا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد شفیع غفرلہ خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند۔ ۱۷ر جمادی الاولی ۵۱ھ۔

نشان مہر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند۔

هذا هو الحق احق ان يتبع ابوالقاسم محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہ سیوہاوی۔ ما كتب مولانا فهو صحيح بلا ريب ریاض الدین عفاعنہ خادم الطلبہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

هذا هو الحق وعليه التعويل والله يقول الحق وهو يهدى السبيل۔

ابوالمحاسن محمد سجاد البہاری کان اللہ لہ

المجیب مصیب احقر محمد اسماعیل سنبھلی خادم مدرسہ قاسم العلوم شاہی مسجد مرادآباد الجواب۔ صحیح

بندہ محمد عزیز گل عفاعنہ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صواب بلاریب
عبدالسمیع عفاعنہ	محمد رسول خان عفانہ	نبیہ حسن عفااللہ
الجواب صواب	الجواب صواب	الجواب صحیح
بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ	ظہور احمد غفرلہ	سید اختر حسین
الجواب حق	للہ در المجیب	الجواب صحیح
بندہ محمد جلیل غفرلہ	بشیر احمد غفرلہ	سعید احمد گنگوہی

قرأت مرة بعد مرة هذه الرسالة المفيدة الغراء النافعة للاسلام والمسلمين والمفتيين والمستفتين اللتى افادنا بها الحبر العلام والبحر الطمطام المولى المقدام حاذى حذوجده اسد الله على المرتضى (كرم الله وجه) الذى لايخاف فى الله لومة لائم غير ملتفت الى قول كفور ولا اثم جامع البحرين اللابس من تقوى القلب والعلوم المصطفوية ببردين المولى حسين احمد زين الله به صدارة التدريس فى دارالعلوم الديوبندية فوجدتها تشفى الصدور وتجلوا الكروب وتزيل غواية الجهل وتهدى المسلمين الى بيضاء ليلها ونهارها سواء وانا مصدقها حرفاً حرفاً وما ذا بعد الحق الا الضلال۔

---

۱) عالمگیری : ج۲/۱۹۷ كتاب السير الباب الثالث في الموادعة والامان ومن يجوز أمانه (رشیدیہ کوئٹہ)

وانا عبدہ المدعو بمحمد اعزاز علی المدرس فی دارالعلوم الدیوبندیۃ (۱۸/جمادی الاول ۵۱)

①.....مساجد کی بنا گو بالذات صلوٰۃ اور نماز کے لیے ہے جیسا کہ لفظ مسجد سے واضح ہے مگر عند الضرورت جو امور ذکر اللہ کے مصداق بن سکیں۔ وہ اس کے ساتھ ملحق ہو کر درست ہیں بشرطیکہ اصل مقصود میں وہ امور مخل نہ ہوں جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے نوٹ میں اس کی تصریح فرمادی ہے۔

②.....مساجد پر قبضہ یا تصرف غیر مسلم شرعاً درست نہیں۔

③.....تمہید سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بعض امور فقہاء نے مسجد میں ناجائز یا مکروہ لکھا ہے کہ وہ بھی تمہید کے عموم میں آگئے جیسا کہ کلام مباح کی بحث ہے۔ کیونکہ اس کا استثناء بدیہی ہے اور ظاہر ہے کہ اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحب نے تعرض نہیں کیا۔

عبداللطیف عفا اللہ عنہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم ۲۲/جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

الاجوبۃ کلھا صحیحۃ	تفصیلی جوابات صحیح ہیں
ضیاء احمد عفی عنہ قدوسی	بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ از مظاہر علوم
تفصیلی جواب صحیح ہیں	تمام جواب صحیح ہیں
عبدالشکور غفرلہ	بندہ منظور احمد غفرلہ سہارنپوری

امیر الہند حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے تحریر کردہ جوابات کے ہر ہر حرف کی تصدیق کرتا ہوں۔ نور محمد از مظاہر علوم سہارنپور۔

تنبیہ کی روشنی میں سوالات کے تفصیلی جوابات درست ہیں مساجد کے آداب اور ان کے کامل احترام اور ان تمام خصوصیات کے ساتھ جن سے قدرتی طور پر عام مکانات اور مساجد اللہ میں امتیاز قائم ہو جاتا ہے مفاد اسلامی سے متعلق تمام امور مسجد میں درست ہیں جن میں وہ تمام مجامع بھی داخل ہیں جو حکومت مسلطہ کے مظالم کے خلاف وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔ کتبہ عتیق الرحمٰن عثمانی مفتی ڈابھیل ضلع سورت۔ ۶/جمادی الاخریٰ ۱۳۵۱ھ

الجواب صحیح۔ خاکسار سراج احمد رشیدی عفی عنہ مدرس مدرسہ ڈابھیل۔

مساجد کے احکام کے متعلق جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ بھی سلف سے پایا جاتا ہے اور جو کچھ احادیث میں ہے وہ بھی امت دیکھ لے۔ محمد انور عفا اللہ عنہ۔

اصاب المجیب	الجواب صواب
سید محمد ادریس غفرلہ مدرس ڈابھیل	بندہ محمد بدر عالم عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ ڈابھیل
	عبدالجبار مدرس مدرسہ ڈابھیل

قد اصاب من اجاب

احقر سید احمد رضا عفا اللہ عنہ ناظم مجلس علمی ڈابھیل

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کو
ناظم مظاہر علوم حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ کا
خراج عقیدت

امام شریعت چوں رخت از جہاں بست زدلہائے دنیا
ہمہ خرمی رفت
چوآں نیر علم و دانش فروشد
زبزم جہاں نور و تابندگی رفت
پئے سال تاریخ بنوشت اسعد
بدار البقا — پارسا مولوی رفت

۱۳۷۷ھ

مقالہ مولانا حمید الرحمٰن

نکاح وطلاق

مہر فاطمی کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ کا موقف

﴿س﴾

مہر فاطمی کے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی رائے عدم تاکید کی ہے لیکن حضرت والا اس بارے میں نہایت تاکید فرماتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔(۱)

﴿ج﴾

مہر فاطمی کے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی رائے سمجھنے سے قاصر ہوں (اولاً) حضرت نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ قدس اللہ اسرارہم نے اپنے اپنے متعلقین کا نکاح مہر فاطمی پر کیا ہے(۱) جو یقیناً حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے اعلیٰ وارفع تھے اور ان کے اساتذہ تھے (ثانیاً) ہندوستان کے رواج

---

۱) مرتب مکتوبات مولانا نجم الدین اصلاحی رحمہ اللہ اس مکتوب کے حاشیہ میں لکھتے ہیں ''عرصہ ہوا جب مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح مہر فاطمی پر خود پڑھا دیا تھا اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ مرحوم کو اطلاع دی تھی کہ شکر ہے کہ باپ نے بیٹی کا عقد نکاح مہر فاطمی پر باندھ دیا اور بہ یک کرشمہ دونوں سنتوں پر عمل ہو گیا حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا کہ سلیمان کی حکومت میں رعایا کی حق تلفی کیوں کی گئی اور مہر مثل جو عروسہ کا شرعی حق تھا محروم رکھا گیا۔''
یہ روایت راقم الحروف کو اعظم گڑھ میں پہنچی تھی حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کا مہر فاطمی پر اصرار دیکھ کر خلجان ہوا کہ یہ دونوں بزرگ مشائخ اور ائمہ وقت ہیں اس طرح کا اختلاف مسائل فقہ میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تاہم رفع خلجان کے لیے بارگاہ مدنی میں رجوع کرنا پڑا اور یہ والا نامہ حاصل ہوا۔ (حاشیہ مکتوبات ۵۸/۲)

۱) مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے کما فی عامة روایات الحدیث۔ اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ ہوئی۔ (جواہر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب ۴۲۴/۱ مکتبہ دار العلوم کراچی)

" عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ما علمت رسول اللّٰہ ﷺ نکح شیئا من نسائہ ولا أنکح شیئًا من بناتہ علی اکثر من اثنتی عشر أوقیةً رواہ احمد والترمذی وابوداؤد و النسائی و ابن ماجة الخ۔"

" (من اثنتی عشرة أوقیةً) وھی أربع مأة و ثمانون درھما " (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، باب الصداق، الفصل الثانی ۳۵۹/۶ رشیدیہ)

مہر فاطمی جس کی مقدار منقول پانچ سو درہم ہے۔ کما فی عامة روایات الحدیث اس کی مقدار موجودہ روپیہ سے ایک سو اکتیس ۱۳۱ تولہ تین ماشہ ہوئی (جواہر الفقہ، اوزان شرعیہ، چاندی سونے کا صحیح نصاب ۴۲۴/۱ دار العلوم کراچی)

ان صداق فاطمة رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا کان اربع مأة مثقال فضة، و کذا ذکرہ صاحب المواھب ولفظہ : ان النبی ﷺ قال لعلی : " ان اللّٰہ عزوجل امرنی أن أزوجك فاطمة علی اربع مأة مثقال فضة " (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، باب الصداق، الفصل الثانی ۳۶۰/۶ رشیدیہ)

(و کذا فی شرح العلامہ الزرقانی علی المواھب اللدنیة، باب ذکر تزویج علی بفاطمة رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما، کتاب المغازی : ۳۶۴/۲ مکتبہ عباس احمد الباز مکة المکرمہ)

عامہ میں مہر وصول نہیں کیا جاتا ہے، اگر کبھی ضرورت ہوتی ہے تو طلاق یا موت کے بعد صاحب جائیداد کے یہاں ہوتی ہے، ورنہ عموماً مہر کا مانگنا وصول کرنا قبل العقد نہ بعد العقد (جیسا کہ عرب کا دستور ہے) کبھی نہیں ہوتا بلکہ عادۃً نہایت معیوب شمار ہوتا ہے، کیا یہ حق تلفی نسواں نہیں؟ اگر اس عادت کو چھوڑ دیا جائے اور مہر کے ادا کرنے کی رسم (جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہے) جاری کردی جائے تو یقیناً عورتوں کو بہت سی آسانیاں اور کشائش ہو جائے گی۔ یہ حق تلفی کیوں کی جارہی ہے؟ (۱) (ثالثاً) مہر مثل بہت سے خاندانوں کے اتنے ہیں کہ موجودہ زمانہ کا مسلمان ہندوستانی اس کے ادا کرنے کا خیال بھی نہیں کرسکتا، واقعیت تو درکنار کتب فقہ میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ اگر نکاح میں زوج کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہ ہو تو زوجین کا اجتماع سفاح ہوگا۔ بتلایئے کہ وہ خاندان جو کہ زمانۂ حکومت اسلامیہ میں لاکھوں بلکہ کروڑوں کے مالک تھے آج بھی ان کے یہاں لاکھوں کی مقدار پر یا ہزاروں کی مقدار پر مہر چلتے آتے ہیں، اور بہت سے خاندان والے زیادہ سے زیادہ مہر کی عادت کئے ہوئے ہیں، محض تفاخر اور نام آوری کے لیے اور اس پر بھی باراتوں میں ردوقدح اس قدر ہوتی ہے کہ جس کی حد نہیں۔ شرافت اور عالی خاندان کا معیار ہی ان بیوقوفوں کے یہاں مہر کا غالی ہونا ہو گیا ہے۔ ان صورتوں میں زوج کیسے ارادۂ ادائے مہر کرسکتا ہے؟ اس کے گھر میں اتنے کھپر نرے بھی نہیں جتنا مہر باندھا جاتا ہے۔ زبان زد یہ ہوگیا ہے کہ بی بی سے معاف کرالیں گے بلکہ بعض بیوقوف تو یہ کرتے ہیں کہ بی بی کو پہلی شب میں مجبور کرکے معاف کراتے ہیں ایسی صورتوں میں ارادہ ادائے مہر کہاں پایا جاتا ہے؟ (رابعاً) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں اس حق تلفی کا احساس کیا اور مغالاۃ فی الصداق سے کیوں منع کیا؟ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی ازواج اور بنات کو نظیر میں پیش کیا۔ (۲)

---

۱) فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة : الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت احد الزوجين، سواء كان مسمى اومهر المثل حتى لا يسقط شيء منه بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق (بدائع الصنائع كتاب النكاح، فصل في بيان ما يتأكد به المهر : ۵۲۰/۳ دارالكتب العلميه، بيروت) " وتجب العشرة ان سماها أودونها، ويجب الأكثر منها ان سمى الأكثر، ويتأكد عند وطيء او خلوة صحت من الزوج " الدرالمختار كتاب النكاح باب المهر : ۱۰۲/۳ سعيد)

(وكذافي مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر : ۳۴۶/۱ دار احياء التراث العربي بيروت، وكذافي البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر ۲۵۱/۳ رشيديه)

۲) " عن أبي العجفاء السلمي، قال خطبنا عمر بن الخطاب : فقال ألا ! لا تغالوا بصدق النساء، فانها لو كانت مكرمة في الدنيا او تقوى عند الله، كان أولكم بها النبي ﷺ، ما أصدق رسول الله ﷺ امرأة من نسائه ولا أصدقت امرأة من بناته اكثر من اثنتي عشرة اوقية، صحيح." (سنن ابي داؤد، كتاب النكاح، باب الصداق : ۲۹۴/۱، امداديه ملتان) (ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الصداق ۲۷۷/۲ قديمي) وكذافي حجة الله البالغة، كتاب النكاح، باب عدم المغالاة في الصداق : ۳۴۳/۲ قديمي

(خامساً) جس طرح غلط رسوم کی اصلاح کی کوششیں کی گئی ہیں اس کی بھی ہونی چاہیے۔ ایک سو بتیس ۱۳۲ تولہ چاندی (پانچ سو درہم) ایسی مقدار ہے کہ عام طور پر مسلمان ادا کرسکتا ہے اور اس کا ارادہ بھی رکھ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک متبرک طریقہ خاتون جنت (رضی اللہ عنہا) کا ہے جس سے فال حسن اور برکات عظیمہ کا موقعہ حاصل ہوتا ہے ظاہر ہے کہ جب ہندوستانی اذہان میں مہر کا وصول کرنا موجود ہی نہیں ہے اور نہ اس کو معاوضۂ بضع سمجھا جاتا ہے بلکہ شرعی رسم خیال کر کے اس کو ذکر کردینا ضروری سمجھا جاتا ہے تو کیوں نہ وہ عدد لیا جائے جو سب میں برکت والا ہو نہ ادنیٰ ترین مقدار مہر (درس درہم) ہو اور نہ اعلیٰ ترین (قناطیر مقنطرۃ) ہو، شرافت اور عزت اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ سیدۃ نساء اہل الجنۃؓ اور سرکار کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم مبارک کے ٹکڑے کا یہ مہر ہے، فاطمۃ بضعۃ منی، مشکوٰۃ ص ۵۶۸ حدیث پر غور فرمائیے۔

باوجودان امور کے میں خود اگر کوئی نکاح پڑھتا ہوں تب ہی یہ شرط ہوتی ہے اور اگر پڑھنے والا کوئی دوسرا ہوتا ہے تو شرط نہیں ہوتی شریک ہوجاتا ہوں۔(۱) (مکتوبات ۲/۵۸-۵۹)

نکاح میں شیعوں کی گواہی

(س)

عقد نکاح میں علاوہ سنی گواہوں کے ایک شیعہ بھی ہو تو ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوتا ہے یا نہیں۔

(ج)

اگر علاوہ شیعی کے دوسرے گواہ سنی موجود ہوں تو نکاح ضرور ہوگیا (۲)، گواہوں کے لیے یہ ضروری نہیں

---

۱) وعن المسور بن مخرمة رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال فاطمةُ بضعةٌ منى فمن اغضبها اغضبنى وفي رواية يريبني ما ارابها ويوذيني ما اذاها متفق عليه (باب مناقب اهل بيت النبي ﷺ رضي الله عنهم الفصل الاول صفحه ۵۶۸ قديمي)

۲) الرافضي ان كان يسب الشيخين ويلعنهما، فهو كافر۔ (خلاصة الفتاوىٰ: ۳۸۱/۴ كتاب الفاظ الكفر الفصل الاول، الكراهية، رشيديه

"ثم من المعلوم ضرورةً ان قذف ام المؤمنين عائشة رضي الله عنها كفر سواء كان سِرًّا أو جهرًا۔"

(ردالمحتار ۴۴/۴ كتاب الحدود، باب حد القذف، سعيد)

"نعم لاشك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها، أو أنكر صحبة الصديق، أو اعتقد الألوهية في علي رضي الله تعالىٰ عنه، أو أن جبريل عليه السلام غلط في الوحي، فلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن۔" (ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب مهم في حكم سب الشيخين ۳۶۳/۲ رشيديه) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کہ کہا جائے کے تم گواہ رہو، مجلس عقد میں حاضری اور الفاظ عقد کا سننا کافی ہے عورت کے سامنے اجازت لینے کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں عقد نکاح ہو جائے گا، ایجاب وقبول کے وقت جس میں عورت کا وکیل موجود ہے گواہوں کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ فضولی کا عقد بھی صحیح ہوتا ہے۔ (مکتوبات ۲۸۱/۱)(۱)

کابین نامہ

﴿س﴾

کابین نامہ کے ذریعہ شوہر کی طرف سے تفویض طلاق درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

کابین نامہ میں تفویض طلاق اگر شوہر کی طرف سے کردی جائے گی تو یقیناً صحیح ہوگی اور عورت کو اختیار ہوگا کہ حسب شرط وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرلے البتہ تفویض طلاق کی صورت کتب فقہ میں دیکھ لی جائے۔ (مکتوبات ۲۸۱/۱)(۲)

(باقی حاشیہ پچھلے صفحہ سے) ویجب اکفار الروافض فی قولهم : یرجع الاموات الی الدنیا ...... وبقولهم : ان جبریل غلط فی الوحی الی محمد ﷺ دون علی رضی الله عنه۔ وهؤلاء القوم خارجون عن الاسلام، واحکامهم احکام المرتدین۔" الفتاوی التاتار خانیه، کتاب احکام المرتدین، فیمن یجب اکفاره من اهل البدع ۳۸۵/۵ ادارة القرآن کراچی ......
" الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما۔ والعیاذ بالله ...... فهو کافر ...... ولو قذف عائشة رضی الله تعالی عنها بالزنا، کفر بالله ......من أنکر امامة ابی بکر الصدیق رضی الله تعالی عنه فهو کافر ......
ویجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح، وبانتقال روح الا له الی الا الائمة وبقولهم فی خروج امام باطن، وبتعطیلهم الامر والنهی الی أن یخرج الامام الباطن، وبقولهم : ان جبریل علیه السلام غلط فی الوحی الی محمد ﷺ دون علی بن ابی طالب رضی الله تعالی عنه، وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین کذافی الظهیریة۔" (الفتاوی العالمگیریة، کتاب السیر، الباب التاسع فی الاحکام المرتدین، مطلب: موجبات الکفر انواع منها ما یتعلق بالایمان والاسلام : ۲۶۴/۲ رشیدیه)

۱) او شروط سماع کل من العاقدین لفظ الاخر، لیتحقق رضاهما (و) شرط (حضور) شاهدین (حرین) أو حرو حرتین (مکلفین سامعین قولهما معا) علی الاصح الدرالمختار مع ردالمحتار مطلب هل ینعقد النکاح بالالفاظ المصحفة نحو تجوزت کتاب النکاح جلد ۴ صفحه ۹۷ (رشیدیه جدید)

۲) اذا قال لها : طلقی نفسك سواء قال: لها ان شئت أولا، فلها ان تطلق نفسها فی ذلك المجلس خاصة، ولیس له ان یعزلها۔ ولذا اذا قال لرجل: طلق امرأتی، وقرنه بالمشیئة، فهو کذالك، وان لم یقرنه بالمشیئة: کان توکیلاً، ولم یقتصر علی المجلس، ویملك العزل عنه۔ الفتاوی العالمگیریه ؛ ۴۰۲/۱، کتاب الطلاق، الباب الثالث فی تفویض الطلاق، الفصل الثالث فی المشیئة، (رشیدیه) وکذا فی البحر الرائق : ۵۷۲/۳ کتاب الطلاق، فصل فی المشیئة، رشیدیه)
(و کذافی الدر المختار : ۳۳۲/۴ ۳۳۳ باب الامر بالید، فصل فی المشیئة رشیدیه)

نکاح کا خطبہ بیٹھ کر پڑھنا

﴿س﴾

نکاح کے وقت کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا مسنون ہے یا بیٹھ کر۔

﴿ج﴾

اصل خطبوں میں کھڑے ہوکر ہی پڑھنا ہے مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے، ہندوستان میں عام طور پر اب یہی رواج ہے عرب میں بھی یہی رواج ہوگیا ہے۔(۱) (مکتوبات ۱/۲۸۱)

مرد کے لیے تعدد ازدواج کی حکمت

﴿س﴾

تعدادازدواج کے مسئلہ میں چار بیویوں تک کی اجازت میں کیا حکمت نظر آتی ہے۔

﴿ج﴾

چونکہ انسان قوت علمیہ اور عملیہ کا حاصل ضرب ہے اور زوجیت مساوات کو مقتضی ہے (عقلاً و عرفاً) اس لیے عورت کی مساوات بالرجل چار ہی سے ہوسکتی ہے کیوں کہ احادیث بتلاتی ہیں کہ عورت کی قوت علمیہ نصف رجل ہے جس پر نصاب شہادت دلالت کرتا ہے قولہ تعالیٰ فان لم یکونا رجلین فرجل وامرأتان (الآیہ) یہ نص ہے اور قوت عملیہ بھی نصف ہے جس پر لفظ شطر دینها الحدیث دلالت کرتا ہے دین عمل سے ہی ہوتا ہے فلہٰذا عورت نصف قوت علمیہ اور نصف قوت عملیہ کی حاصل ضرب ہوئی اگر ۱/۲ + ۱/۲ + ۱/۲ ضرب دیں تو حاصل ضرب ۱/۴

---

۱) ان النبی ﷺ جلس ذاتِ یوم علی المنبر، وجلسنا حوله، فان الجلوس فی حدیث ابی سعید رضی الله تعالی عنه لیس لخطبة الجمعة ولا لخطبة معروفة غیرها، وانما هو لموعظة وتذکیر، ولم یثبت عنه ﷺ الجلوس بخطبة، وانما خطب قائماً، ولذا ذهب بعضهم الی اشتراط القیام لها، وان کان الاشتراط علی خلاف رأی الجمهور۔" (معارف السنن، باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب سعید ۴/۳۶۶ سعید)

(وکذافی فتح الباری، کتاب الجمعة، باب الخطبة قائماً ۲/۵۰۹، ۵۱۰، قدیمی)

نکلتا ہے اس لیے چار عورتیں ایک مرد کے مساوی اپنی فطری قوت سے ہوسکیں گی۔(۱) (مکتوبات ۲/۲۹۳)

نکاح میں گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں

﴿س﴾

عقد نکاح کے لیے گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

عقد نکاح کے لیے مذہب حنفی میں گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں البتہ ثبوت عند القاضی کے لیے عدالت شرط ہے تحقق نکاح فاسق معلن بالفسق گواہ سے بھی ہوجاتا ہے۔(۲)(مکتوبات ۱/۲۸۰)

کفر سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے

﴿س﴾

اگر بعض افراد کفریہ عقائد اختیار کرلیں تو ان کی بیویوں سے ان کا نکاح باقی رہے گا یا تجدید ضروری ہوگی۔

﴿ج﴾

ایسے لوگ اگر ایسے افعال یا اقوال عمل میں لاتے ہیں جو کہ کفر جو داور صریح شرک ہیں اس میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی اور نہ ان میں کوئی اختلاف ہے تو یقیناً کافر ہوگئے اور ان کا نکاح ٹوٹ گیا ان سے توبہ کرانی چاہیے

---

۱) "والحكمة في كثرة ازواجه ان الاحكام التي ليست ظاهرة يطلعن عليها، فينقلنها، وقد جاء عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها من ذلك الكثير الطيب، ومن ثم فضلها بعضهم على الباقيات" (فتح الباري، كتاب الغسل، باب: اذا جامع ثم زار، ومن دار على نسائه في غسل واحد ۱/۴۹۹، قديمي)
" ذكر في حكمة تكثير نسائه وحبه فيهن أشياء: الاول: زيادة في التكليف حتى لا يلهو بما حبب اليهن عن التبليغ: الثاني: ليكون مع من يشاهدها۔ فيزول عنه ما يرميه به المشركون من كونه ساحراً۔ الثالث: الحث لأمته على تكثير النسل۔ الرابع: لتشرف به قبائل العرب بمصاهرته فيهم۔ الخامس: لكثرة العشيرة من جهة نسائه عوناً على اعدائه۔ السادس: نقل الشريعة التي لا يطلع عليها الرجال۔ السابع: محاسنة الباطنة، فقد تزوج ام حبيبة وأبو ها في ذلك الوقت عدوه، وصفية بعد قتل ابيها تزوجها فلو لم تطلع من باطنه على انه اكمل الخلق، لنفرن منه۔" (تلخيص الجبير الجير، فصل في التخفيف في النكاح ۳/۲۳۶ ۱۱۳۶، مكتبه نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة)
۲) (فاهمين) انه نكاح على المذهب بحرر مسلمين لنكاح مسلمة ولو فاسقين او محدودين في قذف الدر المختار ۳/۲۳ كتاب النكاح

اور نکاح کی تجدید کرانی چاہیے اور اس کے بعد اگر وہ توبہ نہ کریں اور اپنے کفر پر اصرار کریں، سمجھانے بجھانے پر بھی نہ سمجھیں تو میاں بیوی کا علاقہ صحیح نہیں ہے عورت کو جدا کر دینا چاہیے اور اگر نہ مانیں اور عورت اگر اسلام پر قائم رہی تو اولاد حلالی نہ ہوگی اور اگر وہ بھی خاوند کی طرح سے کفر پر قائم ہو جائے تو کافروں کی اولاد کی طرح ہوگی اور اگر یہ شرک صریح نہیں ہے نہ کفر جحود ہے یا مختلف فیہ ہے یا کوئی تاویل قوی یا ضعیف کلام میں پائی جاتی ہے تو یہ شخص فاسق یقینی ہے توبہ کرانی چاہیے نکاح نہ ٹوٹے گا اور تجدیدِ عقد کی ضرورت نہ ہوگی۔ (۱)

(مکتوبات ۸۲/۴)

ناشزہ عورت کا نفقہ شوہر پر نہیں ہے

(س)

میری بیوی میرے ساتھ نہیں رہتی۔ بلانے پر میکہ سے نہیں آتی۔ کیا اس کا نفقہ میرے ذمہ ہے۔

(ج)

اگر بیوی اپنے شوہر کے یہاں باوجود طلب شوہر نہ آئے تو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔ (۲)

(مکتوبات ۱۶۲/۴)

---

۱) ما یکون کفراً اتفاقاً یبطل العمل والنکاح واولادہ اولادزنا وما فیہ خلاف یومر بالاستغفار والتوبۃ وتجدید النکاح وقال الشامی : ای احتیاطاً کما فی الفصول العمادیہ وزادفیھا قسماً ثالثاً فقال وما کان خطاء من الالفاظ ولا یوجب اللکفر فقائلہ یقر علی حالہ ولا یومر بتجدید النکاح ولکن یومر بالاستغفار و والرجوع عن ذٰلک (شامی ۳۷۷/۶) مطلب جملۃ من لا یقتل اذا ارتد، باب المرتد رشیدیہ جدید

۲) " ولا نفقۃ لنا شزۃ خرجت من بیتہ : ای الزوج بغیر حق واذن من الشرع اولو عادت الی منزلہ بعد ما سافر، اجابوا : خرجت عن أن تکون ناشزۃً، سکب الأنہر علی مجمع الأنہر : ۴۹۶/۱ (سکب الأنہر علی مجمع الأنہر۔ کتاب الطلاق، باب النفقۃ : ۱۷۹/۲، غفاریہ) (و کذافی الفتاویٰ العالمگیریہ : ۵۴۵/۱، الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ، رشیدیہ) (و کذافی تنویر الابصار مع الدرالمختار : ۵۷۵/۳۔۵۷۶ باب (النفقہ، سعید) (و کذا فی الفتاوی التاتار خانیہ ۱۹۲/۴، الفصل الاول فی بیان من یتحق النفقۃ ادارۃ القران کراچی)

اسلام لانے کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں

﴿س﴾

ایک پارسی مرد اور عورت مشرف باسلام ہوئے کیا ایسی صورت میں تجدید نکاح ضروری ہوگا۔

﴿ج﴾

اس صورت میں پہلا نکاح کافی ہے دوسرا نکاح ضروری نہیں۔(۱)(مکتوبات ج۴ص۲۱۸)

ایک مجلس میں تین طلاقیں

(ایک مجلس میں تین طلاق کے وقوع سے متعلق مجموعہ روایات)

(۱) عن عائشةؓ ان رجلاً طلق امراته ثلثا فتزوجت فطلق فسئل النبی ﷺ اتحل للاول قال لا حتی تذوق عسیلتها کما ذاق الاول۔ (۲)

(۲) حدیث الملاعنة وفیه " فطلقها ثلثا قبل ان یا مرہ رسول اللہ ﷺ قال ابن شهاب فکانت سنة المتلا عنین "۔

(۳) مالك انه بلغه قال لابن عباس انی طلقت امراتی مأة تطلیقة فماذا تامرنی؟ فقال له ابن عباس بانت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آیات الله هزواً۔ (۳)

(۴) حدیث ابن عمرؓ: وفیه قال کان ابن عمرؓ اذا سئل عن الرجل یطلق امراته وهی حائض یقول اما انت طلقتها واحدة او اثنین ان رسول اللہ ﷺ امرہ ان یراجعها ثم یمهلها حتی تحیض حیضة اخری ثم یمهلها حتی تطهر ثم یطلقها قبل ان یمسها واما أنت طلقتها ثلثا فقد عصیت ربك فیما امرك به من طلاق امراتك وبانت منك. قوله اما انت فقال القاضی عیاض هذا مشکل قال انه بفتح الهمزة من اما اما ان کنت فحذفوا فعل الذی یلی ان۔ وجعلوا ما عوضًا من الفعل فتحوا ان وادغموا النون فی ما وجاؤ ابانت مکان العلامة فی کنت الخ(۴)۔

---

۱) اسلم المتزوجان بلا سماع شهود او فی عدة کافر معتقدین ذلك اقرا علیه لانه امرنا بترکهم وما یعتقدون (درمختار ۳/۱۸۶)

۲) (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۰۰ باب من اجاز الطلاق الثلاث مکتبه رحمانیه)

۳) بخاری شریف باب اللعان ومن طلق بعد اللعان ج۲ ص۸۰۰

۴) مسلم شریف ج۱ ص۴۷۸ کتاب الطلاق باب الطلاق الثلاثه قدیمی

(۵) عن ابن عباسؓ: قال کان الطلاق علی عهد رسول الله ﷺ وابی بکر وسنتین من خلافة عمرؓ طلاق الثلاث واحدة فقال عمرؓ بن الخطابؓ ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة فلوا مضیناه علیهم فامضاه علیهم۔

(۶) ان ابا الصهباء قال لابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما اتعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدة علی عهد النبی ﷺ وابی بکر وثلثا من امارة عمرؓ؟ فقال ابن عباسؓ نعم۔

(۷) ان ابا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك الم یکن الطلاق الثلاث علی عهد رسول الله ﷺ وابی بکرؓ واحدة فقال قد کان ذلك فلما کان فی عهد عمرؓ تتابع الناس فی الطلاق فاجازه علیهم قال النوویؒ : وقد اختلف العلماء رحمهم الله تعالی فیمن قال للمراة انت طالق ثلثا فقال الشافعیؒ ومالك وابو حنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث وقال طاؤس وبعض اهل الظاهر لایقع الا واحدة واحتج الجمهور بقوله تعالی " ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدری لعل الله یحدث بعد ذالك امراً " قالوا معناه ان المطلق قد یحدث له ندم فلا یمکنه تدارکه لوقوع البینونة فلو کانت الثلاث لم یقع طلاقه الا رجعیا فلا یندم واحتجوا بحدیث رکانة انه طلق امراته البتة فقال النبی ﷺ الله ما اردت الا واحدة قال الله ما اردت الا واحدة فهذا دلیل علی انه لو اراد الثلاث لو قعن والا لم یکن لتحلیفه معنی الخ واما حدیث ابن عباس فاختلف العلماء فی جوابه وتاویله فالاصح ان معناه ان کان فی الامر الاول اذا قال لها انت طالق انت طالق انت طالق ولم ینو تاکیدا ولا استینافاً یحکم بوقوع طلقة واحدة لقلة ارادتهم الا ستیناف بذلك فحمل علی الغالب الذی هو ارادة التاکید فلما کان فی زمن عمرؓ و کثر استعمال الناس بهذه الصیغة وغلب منهم ارادة الاستیناف بها حملت عند الاطلاق علی الثلاث عملا بالغالب السابق الی الفهم منها فی ذلك الخ

(۸) ان حفص ابن المغیرة طلق امراته فاطمة بنت قیس علی عهد رسول الله ﷺ ثلث تطلیقات فی کلمة واحدة فابا نها منه النبی ﷺ ولم یبلغنا ان النبی ﷺ عاب ذلك علیه۔

(۹) عن ابن عباسؓ فی رجل طلق امرأته الفاً فقال اماثلث فتحرم علیك امرأتك وبقیتهن علیك وزرا تخذت آیات الله هزوا۔ (۱)

(۱۰) عن مجاهد عن ابن عباسؓ انه سئل عن رجل طلق امرأته مائة تطلیقة قال عصیت ربك وبانت منك امرأتك لم تتق الله فیجعل لك مخرجاً (۲) (مخطوطات مبارکہ ص ۱۷۴)

---

۱) ج ۷ صفحه ۵۸۴ حدیث نمبر ۱۳۹۴۴ (دارالحدیث قاهره، بیروت)

۲) ج ۷ صفحه ۵۸۴ حدیث نمبر ۱۳۹۴۵ (دارالحدیث قاهره بیروت)

داڑھی نہ رکھنے پر عتاب

ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے مدرسہ معینیہ اجمیر میں وعظ فرمایا۔ مجلس کے اختتام پر ایک شخص حضرت سے مصافحہ کے لیے آگے بڑھا شیخ کی نگاہ اس کے چہرہ پر پڑی پس بہت ہی غصہ میں فرمایا: کہ شرم نہیں آتی مصافحہ کرنے کے لیے آگئے اور تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ سے نفرت ہے حضرت کے ان الفاظ کا اس کے قلب پر ایسا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار رو پڑا اور کہنے لگا کہ توبہ! توبہ! میں کبھی بھی داڑھی نہ منڈاؤں گا۔ چنانچہ اس کے بعد سے اس نے داڑھی نہیں منڈائی۔ الجمعیۃ۔ شیخ الاسلام نمبر ۳۹۷

جائز و ناجائز افعال

ایک وقف کی آمدنی دوسری جگہ خرچ کرنا

﴿س﴾

کسی وقف مسجد کی فاضل آمدنی جس کی اس مسجد میں ضرورت نہ ہو کیا دوسری مسجد کی ضروریات یا دین کے دوسرے کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دارالحرب میں واقع بنکوں کا سود اپنی ضروریات میں استعمال کرنا کیسا ہے۔

﴿ج﴾

واما علماء الهند فقد افتوا بجواز صرف اوقاف المسجد اذا كان المسجد الموقوف عليه مستغنيا على غير الموقوف عليه من المساجد بل افتو بجواز ذلك على وجوه اخر ايضا غير المساجد (۱) وان شئتم فاطلبوا نقل ذلك عن دار الافتاء بدار العلوم ديوبند فانه قد وقع هذا في زمان حضرة مولانا عزيز الرحمن صاحب المرحوم للراندير وغيرها ان شئتم على الاسر بواسطة القاضي مسعود احمد تجدونه ان شاء الله ولكن ارى ان هذا الامر لا تقنع اراكين الجامع، وكذلك الامر في اخذ الربوا من المخزون في البنك وان المسئلة عند الحنفية بينة فان ابا حنيفةؒ يجيز ذلك في دارالحرب خلافا للصاحبين والثلاثة ولكن اذا ذكرت هذه الرخامات للسيد زكي البرزنجي فلعله يفوز بنص في مذهب الشافعية ايضا لذلك، واما الحنفية فقد افتوا بجواز بل بوجوب اخذ الربوا من البنوك الا فرنجية التي بالديار الحربية، وانه لا يجوز ترك شئي من ذلك، وقد شاع قبل فتوى الجمعية بذلك لعلكم تصلون اليها في دفتر الجمعية او عند المفتي كفايت الله ولكن ارى ان هذا ايضا لا يقنع ارباب الجامع۔ (مكتوبات ۱/۷ ۳۸-۳۷) (۱)

ہاں علماء ہند نے فتویٰ دیا ہے کہ ایک مسجد کے اوقاف دوسری مسجد کی ضروریات میں صرف کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ مسجد کی ضرورت نہ ہو، بلکہ غیر ضروری آمدنی کو غیر مساجد پر بھی خرچ کرنے کی اجازت دی ہے۔ دیوبند کے دارالافتاء سے اس کی سند منگا لیجئے، کیونکہ اس قسم کے فتاوی حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم کے سامنے راندیر وغیرہ سے آئے تھے، اگر قاضی مسعود کے ذریعہ اس کی تلاش کرائیں تو انشاء اللہ مل جائے گا۔ لیکن ارکان مسجد کو تشفی نہ ہوگی، یہی حال بنک کے سود کا بھی ہے۔ یہ مسئلہ بھی حنفیہ کے نزدیک واضح ہے۔ کیونکہ امام

---

۱) (قوله : الا انا خيف) : اي بأن اجتمعت عنده اموال المسجد وهو مستغن عن العمارة والا فيضمنها، كما في القهستاني۔ (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب، كلمة لابأس دليل على أن المستحب غيره الخ: ۶۵۸/۱، سعيد)
(ايضاً ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه۔ ۳۶۰/۴ سعيد)

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے دارالحرب میں اس کی اجازت دی ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ خلاف ہیں اگر آپ ان ہنگاموں کو سید زکی برزنجی کے یہاں لکھ بھیجیں تو بہت ممکن ہے کہ وہ مذہب شافعیہ کے نصوص آپ کے پاس بھیج دیں، علماء احناف نے نہ صرف جواز ہی کا بلکہ ان بنکوں سے سود لینا واجب قرار دیا ہے جو انگریزوں نے دارالحرب میں قائم کیا ہے لہٰذا سود کی رقم ذرا بھی چھوڑنی جائز نہیں ہے اور جمعیۃ کا فتویٰ پہلے شائع ہو چکا ہے، دفتر جمعیۃ سے آپ کو مل سکتا ہے یا مفتی کفایت اللہ صاحب سے لیکن اس سے بھی اراکین مسجد کو تسلی نہ ہوگی۔ (مکتوبات ۱/۳۸۔۳۷)

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ جس کا حوالہ دیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے

﴿س﴾

۱۷/ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ مولوی محمد ابراہیم صاحب راندیر از سورت (نقل از رجسٹر ۱۳۳۰ھ)

نمبر: ۱۹۸۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد ہے جس میں روپیہ وقف ہے اور اس وقف کی صورت یہ ہے کہ واقف نے ایک کمپنی میں یہ حصہ لے کر وقف کر دیا جس کی ماہوار آمدنی جمع ہوتی رہی رفتہ رفتہ وہ اصل سے بڑھ گئی یا اس کے مساوی یا کم ہوا ایسی حالت میں کہ خاص اس مسجد کو اور وہاں کی اور مساجد کو فی الحال ضرورت نہ ہو بلکہ آئندہ بھی کوئی ضرورت عرصہ دراز تک معلوم نہیں ہوتی اگر ان زائد حصص کو جو اصلی حصص سے زیادہ ہو گئے ہیں فروخت کر کے اس اہم کام یعنی معرکہ بلقان کے ترکی مجروحین ویتیموں و بیوگان اور ترکی لشکر کی امداد میں صرف کیا جائے تو شرع محمدی میں جائز ہے یا نہیں؟ نیز مسجد کے نام کوئی خاص جائیداد اور وقف نہیں بلکہ کمپنی کے وہ حصص جو مشترک ہوتے ہیں وقف ہیں فی الحال جو روپیہ آمدنی ہے اس کو دیدینا اس مد میں جائز ہے یا جو اصل وقف کی آمدنی سے حصے خریدے گئے ہیں ان کو فروخت کر کے اس مد میں دینا جائز ہے یا دونوں صورتیں جائز یا ناجائز ہیں؟ (فقط بینوا توجروا)

﴿ج﴾

صورت مسئلہ میں زائد آمدنی وقف مذکور کی امداد مجروحین ویتامی جنگ مذکور میں صرف کرنا شرعاً درست اور جائز ہے اور ان حصص کو جو بعد میں آمدنی موقوفہ سے خریدے گئے فروخت کرنا اور چندہ ہلال احمر میں صرف کرنا بھی درست ہے۔ روایات احادیث وفقہ اس بارہ میں منقول ہے بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آمدنی اوقاف مساجد سے جو کچھ نوائب مسلمین ومحاربات میں صرف کیا جاوے وہ بطریق قرض ہونا چاہیے اور بعض

عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بدون قید قرض کے درست ہے پس جبکہ آمدنی اس قدر روپیہ وقف مذکور سے جمع ہے کہ اس مسجد کو نہ فی الحال اس کی حاجت ہے اور نہ آئندہ کو ضرورت معلوم ہوتی ہے اور امداد مجروحین کی ضرورت اس وقت جس قدر اہم اور لابد ہے وہ مخفی نہیں ایسی حالت میں بدون اس کے کہ رقم خرچ کردہ کو قرض سمجھا جاوے آمدنی مذکورہ امداد مجروحین جنگ ترک میں خرچ کرنا جائز بلکہ ضروری ہے فتح القدیر میں ہے:

ولو اجتمع مال الوقف ثم نابت نائبة من الكفرة فاحتيج الى مال لدفع شرهم قال الشيخ الامام (محمد بن فضل) ما كان من غلة وقف المسجد الجامع يجوز للحاكم ان يصرفه الى ذلك على وجه القرض اذا لم تكن حاجة للمسجد اليه (۱)۔

عن ابی وائل قال جلست مع شيبة على الكرسي في الكعبة فقال لقد جلس هذا المجلس فقال عمر لقد هممت ان لا ادع فيهما صفراء وبيضاء الا قسمته قلت ان صاحبيك لم يفعلا فقال هما المروان اقتدى بهما وقال ابن الصلاح (۲) الامر فيها (ای فی كسوة الكعبة) الى الامام يصرفه فی مصارف بيت المال بيعاً وعطاءً واحتج بما ذكره الازرقي ان عمرؓ كان ينزع كسوة الكعبة كل سنة فيقسم على الحاج۔

حموی حاشیہ اشباہ میں ہے:

قال بعضهم لا يصرف القاضي الفاضل من الوقف على المسجد (الى قوله) قيل يعارضه ما فی فتاوی الامام قاضی خاں من ان الناظر له صرف صرف فائض الوقف الى جهات البر بحسب مايراه (۳)

ان عبارات سے واضح ہے کہ ضرورت موجودہ یعنی امداد مجروحین و یتامیٰ جنگ ترک میں وہ آمدنی زائد اوقاف مسجد جس کی ضرورت مسجد کو نہ فی الحال ہے نہ آئندہ مظنون ہے۔ صرف کرنا جائز ہے اور جن فقہاء نے یہ قید لگائی ہے کہ نوائب میں قرضہ دیا جاوے اس کا منشا یہ ہے کہ اگر کسی وقت اس مسجد کو کچھ ضرورت پیش آوے تو وہ روپیہ واپس لے کر اس میں صرف کیا جاوے لیکن جبکہ آمدنی ان اوقاف کی ہمیشہ اس قدر رہتی ہے کہ اگر بالفرض آئندہ کو کوئی حاجت مسجد کو پیش آوے تو آمدنی آئندہ کی اس کے لیے کافی ہے تو پھر اس رقم خرچ کردہ شدہ

---

۱) فتح القدير ۲۴۱/۳

۲) صحيح البخاری ج۱ صفحه ۲۱۷ باب قول الله تعالىٰ جعل الله الكعبة البيت الحرام قياماً للناس والشهر الحرام الى قوله وان الله بكل شیء عليم كتاب المناسك قديمی

۳) صفحه ۱۲۳ القاعدة الخامسة : تصرف الامام على الرعية منوط بالمصلحه، قديمی

کو قرض کہنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بخاری وعمدۃ القاری وعبارات حموی کا منشا ہے واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند۔ الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ۔ (یعنی حضرت شیخ الہند قدس سرہ)
الجواب صواب محمد انور عفا اللہ عنہ مدرس دار العلوم دیوبند (یعنی بحر العلوم حضرت شاہ صاحب قدس سرہ)

مسجد میں غیر مسلم کے چندہ کا استعمال

﴿س﴾

کیا غیر مسلم کا پیسہ تعمیر مسجد میں صرف کیا جاسکتا ہے۔

﴿ج﴾

قرآن شریف میں ہے۔ ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد الله شاهدین علی انفسهم بالکفر الآیـــــہ۔ اس لیے تعمیر مساجد میں بلا واسطہ ان کا مال نہ خرچ ہونا چاہیے ہاں اگر وہ ایسا کریں کہ کسی مسلمان کو مال کا مالک کردیں اور وہ اپنی خوشی سے اس مال کو مسجد میں لگادے تو مضائقہ نہیں۔ (۱) (مکتوبات ۱/۱۹۷) (۲)

---

۱) نیز اگر وہ عبادت سمجھ کر مسجد کی تعمیر میں تعاون کرتا ہے اور کوئی فتنہ بھی درپیش نہیں ہے تو غیر مسلم کا چندہ مسجد میں صرف کرنا درست ہے۔ قال فی البحر : اما الاسلام فلیس من شرطه فصح وقف الذمی بشرط قربة عندنا وعندهم الخ۔ لو وقف علی مسجد بیت المقدس فانه صحیح لانه قربة عندنا وعندهم (البحر الرائق ۵/۱۸۹)

۲) شرط وقف الذمی ان یکون قربة عندنا وعندهم کا لوقف علی الفقراء وعلی مسجد القدس۔ ردالمحتار : ۴/۳۴۱، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، سعید۔ واما الاسلام، فلیس من شرطه، فصح وقف الذی بشرط کونه قربة عندنا وعندهم (البحر الرائق ۵/۳۲۶، کتاب الوقف، رشیدیه)
(وکذافی الفتاوٰی العالمگیریه : ۲/۳۵۲ ۳۵۳، کتاب الوقف، الباب الاول، رشیدیه) " درء المفاسد اولی من جلب المنافع۔ ای اذا تعارض مفسدة ومصلحة، قدم رفع المفسدة " شرح المجلة لسلیم رستم باب ۱/۳۲ (رقم المادة :۳۰) المقالة الثانیة فی القواعد مکتبه حنفیه کوئته)
(وکذافی الاشباه والنظائر : ۱/۲۹۰ الفن الاول، القاعدة الخامسة ادارة القرآن کراچی)
وفی شرح حیل الخصاف لشمس الائمة الحلوانی رحمة الله تعالیٰ : أن الشیخ الامام أبا القاسم الحکیم کان ممن یأخذ جائزة السلطان یقضی به دیونه فالحیلة فی هذ المسائل ان یشتری نسیئةً۔ ثم ینقد ثمنه من ای مال شاء (الفتاوٰی العالمگیریه، کتاب الکراهیه الباب الثانی عشر فی الهدایا ۵/۳۴۲، رشیدیه)
(وکذافی خلاصة الفتاوٰی : ۴/۳۴۱، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع فی المال من الاهداء والمیراث، رشیدیه)
اذا اراد أن یحج بمال حلال فیه شبهة، فانه یستدین للحج ویقضی دینه من ماله۔
(التاتار خانیة، کتاب المناسك، باب المتفرقات : ۴/۵۷۶ ادارة القرآن کراچی)

مدرسہ میں غیرِ مسلم کا مال صرف کرنا

(س)

اگر کوئی غیر مسلم مدرسے میں عطیہ دے تو اس کا کیا کیا جائے۔

(ج)

مدرسہ دینیہ میں غیر مسلم کا چندہ لیا جاسکتا ہے اور طلباء یا دیگر مذہبی یا تعلیمی امور میں صرف کیا جاسکتا ہے۔(۱) (مکتوبات ۱/۱۹۸)

داڑھی کا وجوب

(س)

کیا داڑھی رکھنا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔

(ج)

مقصد پیش کرنے سے پہلے ایک ضروری تمہید پر آنجناب غور فرمالیں۔(الف) ہر نظام سلطنت وسیاست میں مختلف شعبوں کے لیے کوئی نہ کوئی یونیفارم مقرر ہے، پولیس کا یونیفارم اور ہے، فوج کا اور ہے، سوار کا اور ہے، پیادہ کا اور ہے، بری فوج کا اور ہے، بحری فوج کا اور ہے، ڈاکخانہ کا اور ہے، ریلوے کا اور، پھر افسروں کا اور ہے، ماتحتوں کا اور، اور پھر اس پر مزید سختی اور تاکید یہاں تک ہے کہ ڈیوٹی ادا کرتے وقت اگر یونیفارم میں کوئی ملازم نہیں پایا جاتا تو مستوجب سزا شمار کیا جاتا ہے، خواص بادشاہی فوجیوں کا اور ہی یونیفارم ہے، ندماء اور وزرا مقربین کا اور۔ یہ حال تو صرف ایک ہی سلطنت کا ہے کہ اس کے مختلف شعبوں میں علیحدہ علیحدہ یونیفارم رکھا جاتا ہے۔ جس طرح ڈیوٹی دینے والا بغیر یونیفارم مجرم قرار دیا جاتا ہے اسی طرح اگر کسی دوسرے شعبہ کا یونیفارم پہن کر آجائے اور افسروں کو اطلاع ہو جائے تو بھی اسی طرح یا اس سے زائد مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ جس طرح بغیر یونیفارم آنے والا ملازم مجرم قرار دیا جاتا ہے اور جس طرح یہ ایک نظام سلطنت وحکومت میں ضروری خیال کیا جاتا ہے اسی طرح اقوام وملل میں بھی ہمیشہ اس کا خیال رکھا جاتا ہے اگر آپ تفتیش کریں گے تو انگلینڈ، فرانس،

---

۱) اما الاسلام فلیس من شرطه فصح وقف الذی شرط کونه قربة عندنا وعندهم کما لو وقف علی اولاده الخ ج۵ صفحه ۳۱۲ البحر الرائق کتاب الوقف رشیدیه

جرمنی، اٹلی، آسٹریلیا، امریکہ وغیرہ کو پائیں گے وہ اپنے اپنے نشانات جھنڈے یونیفارم علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں۔ واقف کار شخص ہر ایک کے سپاہی کو دوسرے سے تمیز کر سکے گا اور اسی سے میدان جنگ، ملکی وسیاسی مقامات میں امتیاز کیا جاتا ہے اور ہر قوم اور ہر ملت اپنے اپنے یونیفارم اور نشانوں کو محفوظ رکھنا از حد ضروری سمجھتی ہے بلکہ بسا اوقات اس میں خلل پڑنے سے سخت سے سخت وقائع پیش آجاتے ہیں، کسی حکومت کے جھنڈے کو گرا دیجئے کوئی توہین کر دیجئے، کہیں سے اکھاڑ دیجئے، دیکھئے کس طرح جنگ کی تیاری ہوتی ہے۔ یہ یونیفارم اور نشان صرف لباس ہی میں نہیں ہوتا، بلکہ کبھی کبھی جسم میں بھی بعض بعض علامتیں رکھی جاتی ہیں، بعض قوموں میں ہاتھ یا جسم میں کوئی گودنا گودا جاتا ہے، بعض میں سر پر چوٹی رکھی جاتی ہیں۔ الغرض یہ طریقہ امتیاز شعبہائے مختلفہ اور اقوام حکومت وملل کا ہمیشہ سے ہے اور تمام اقوام میں اطراف عالم میں چلا آتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو کوئی محکمہ کوئی حکومت اور کوئی قوم دوسرے سے ممیّز نہ ہو سکے، ہم کو کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجی ہے یا ملکی ہے، پولیس ہے یا ڈاکیا؟ ریلوے کا ملازم ہے یا بحری جہازوں کا افسر، یا ماتحت جرنیل ہے یا میجر اسی طرح ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ یہ شخص روسی ہے یا فرانسیسی، امریکن ہے یا آسٹرین وغیرہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس کا لحاظ ضروری سمجھا گیا ہے اور سمجھا جاتا ہے۔

(ب) جو قوم اور جو ملک اپنے یونیفارم کی محافظ نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں منجذب ہو گئی، حتیٰ کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہا، اسی ہندوستان میں یونانی آئے، افغان آئے، آریہ آئے، تاتار آئے، ترک، مصری اور سوڈانی آئے مگر مسلمانوں سے پہلے جو قومیں بھی آئیں، آج ان میں سے کوئی ملت اور قوم متمیز ہے؟ کیا کسی کی بھی ہستی علیحدہ بتائی جا سکتی ہے، سب کے سب ہندو قوم میں منجذب ہو گئے۔ وجہ صرف یہی تھی کہ انہوں نے اکثریت کے یونیفارم کو اختیار کر لیا تھا، دھوتی، چوٹی، ساڑی رسم ورواج وغیرہ ان ہی کے تابع ہو گئے، اس لیے ان کی ہستی مٹ گئی، باوجود اختلاف عقائد سب کو ہندو قوم کہا جاتا ہے۔ اور کسی کی قومی ہستی جس سے اس کی امتیازی شان ہو نہیں باقی رہی، ہاں جن قوموں نے امتیازی یونیفارم رکھا وہ آج اپنی قومیت اور ملیت کا تحفظ اور امتیاز رکھتے ہیں، پرشین قوم ہندوستان میں آئی، ہندو قوم اور راجاؤں نے ان کو ہضم کرنا چاہا، عورتوں کا یونیفارم بدلوا دیا، معیشت اور زبان بدلوا دی، مگر مردوں کی ٹوپی نہ بدلی گئی، بالآخر آج وہ زندہ قوم اور موجودہ ممتاز ملت ہے، سکھوں نے اپنی امتیازی وردی قائم کی، سر اور داڑھی کے بال کو محفوظ رکھا، آج ان کی قوم امتیازی حیثیت رکھتی ہے، اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے۔

انگریز سولہویں صدی کے آخر میں آیا، تقریباً ڈھائی سو برس گزر گئے ہیں، نہایت سرد ملک میں بھی رہنے والا ہے، مگر اس نے اپنا یونیفارم کوٹ پتلون، ہیٹ بوٹ نکٹائی اس گرم ملک میں بھی نہ چھوڑا، یہی وجہ ہے کہ اس

کو پینتیس کروڑ قوم والا اپنے میں ہضم نہ کر سکا، اس کی قوم وملت علیحدہ ملت ہے، اس کی ہستی دنیا میں قابل تسلیم ہے۔ مسلمان اس ملک میں آئے اور تقریباً ایک ہزار برس سے زائد ہوتا ہے، جب سے آئے ہیں۔ اگر وہ اپنی خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے تو آج اسی طرح ہندو قوم میں نظر آتے جیسا کہ مسلمانوں سے پہلے قومیں ہضم ہو کر اپنا نام ونشان مٹا گئیں۔ آج تاریخی صفحات کے سوا ان کا نشان کرۂ زمین پر نظر نہیں آتا، مسلمانوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ وہ اپنا یونیفارم محفوظ رکھا ہو، بلکہ یہ بھی کیا کہ اکثریت کے یونیفارم کو مٹا کر اپنا یونیفارم پہنانا چاہا چند ہزار تھے اور چند کروڑ بن گئے صرف یہی نہیں کیا کہ پائجامہ کرتہ، عبا، قبا، عمامہ، دستار کو محفوظ رکھا بلکہ مذہب اسماء الرجال تہذیب وکلچر رسم ورواج، زبان وعمارت وغیرہ جملہ اشیاء کو محفوظ رکھا اس لیے ان کی مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی اور جب تک اس کی مراعات ہوتی رہے گی، رہیں گے۔

(ج) ہر قوم نے جب بھی ترقی کی ہے تو اس کی کوشش کی ہے کہ اس کا یونیفارم، اس کا کلچر، اس کا مذہب، اس کی زبان دوسروں پر غالب اور دوسرے ممالک واقوام میں پھیل جائے۔ آریہ قوم کی تاریخ پڑھو فارسیوں کے کارنامہ دیکھو کلدانیوں اور عبرانیوں کی تاریخ کا مطالعہ کرو، یہودیوں اور عیسائیوں کے انقلابات کو غور سے دیکھو دور کیوں جاتے ہو عربوں اور مسلمانوں کے اولوالعزم اعمال آپ کے سامنے موجود ہیں زبان عربی صرف ملک عرب کی زبان تھی عراق، سیریہ، فلسطین، مصر، سوڈان الجیریا، تیونس، مراکش، فارس، صحرائے لیبیا وغیرہ میں کوئی شخص نہ عربی زبان سے آشنا تھا نہ مذہب اسلام سے، نہ اسلامی رسم ورواج سے مگر عربوں نے ان ملکوں میں اس طرح اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی تہذیب جاری کردی کہ وہاں کے غیر مسلم اقوام آج بھی اسلامی یونیفارم اسی کلچر اسی تہذیب اور اسی زبان کو اپنی چیزیں سمجھتے ہیں۔ اسرائیلی قومیں کلدانی نسلیں عبرانی خاندان ترکی برادریاں بربری ذاتیں وغیرہ وغیرہ ان دیار میں سب کے سب عربوں میں منضم ہوگئی ہیں اگر کسی کو اپنی ذات اور خاندان کا علم بھی ہے تو وہ بھی مثل خواب وخیال ہے۔ سب کے سب اپنے کو عرب ہی سمجھتے ہیں اور عربیت ہی کے دعویدار ہیں۔ انگلستان کو دیکھئے، یہ اپنے جزیرہ سے نکلتا ہے کینڈا آسٹریلیا امریکہ نیوزی لینڈ کیپ کالونی ساؤتھ افریقہ وغیرہ وغیرہ میں پوری جدوجہد کرکے اپنی زبان اپنا کلچر اپنی تہذیب اپنا مذہب اپنا لباس وغیرہ پھیلا دیتا ہے جو لوگ اس کے مذہب میں داخل بھی نہیں ہوئے وہ بھی اس کی تہذیب اور فیشن وغیرہ میں منجذب ہو جاتے ہیں اور یہی حال ہندوستان میں روز افزوں ترقی پذیر ہے۔

ہندو قوم اسی سیلاب کو دیکھ کر اپنی وہ مردہ زبان سنسکرت جس کو تاریخ کبھی کسی طرح عام زبان ہندوستان یا کم از کم آریہ نسل کی نہیں بتا سکتی، آج اس کی اشاعت کی پرزور کوشش کر رہی ہے اس کا لکچرار کھڑا ہوتا ہے اور فیصدی پچاس یا اس سے زائد الفاظ سنسکرت کے ٹھونس کر اپنی تقریر کو غیر قابل فہم بنا دیتا ہے۔ خود اس کی قوم ان

الفاظ کو نہیں سمجھ سکتی اور بالخصوص اس کا مذہبی واعظ تو بالکل اسی یا نوے فی صدی الفاظ سنسکرت یا بھاشا بولتا ہے مگر اس چیز کو اس کی قوم اس کو بنظر استحسان ہی دیکھتی ہے۔ بڑے بڑے گروکل اور دو یا پیٹھ اس زبان مردہ کو زندہ کرنے کے لیے جاری کیے جا رہے ہیں۔ حالانکہ روئے زمین پر کوئی قوم یا ملک اس زبان کو بولنے والا موجود نہیں ہے۔ اور غالباً کسی زمانہ میں بھی یہ زبان عام پبلک کی زبان نہ تھی وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ دھوتی باندھنا نہ چھوڑے اس کا ایم، ایل، سی، ایم، ایل، اے، اسمبلی کے پریسیڈنٹ، کونسل کا پریسیڈنٹ، اس کی قوم کا جج ڈپٹی کلکٹر وغیرہ وغیرہ دھوتی باندھ کر سر کھول کر قمیص پہن کر برسر اجلاس آتا ہے۔ حالانکہ دھوتی میں پائجامہ سے بدرجہا زائد کپڑا خرچ ہوتا ہے پردہ بھی پورا نہیں ہوتا سردی اور گرمی سے پوری حفاظت نہیں ہوتی۔ باوجود ان سب امور کے پائجامہ پہننا اختیار نہیں کرتا، چوٹی سر پر رکھنا، جینو لگانا ضروری سمجھتا ہے، یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ قومی شعار قومی یونیفارم نہیں ہے، تو کیا ہے؟ کیا اسی وجہ سے وہ اپنی ہستی کی حفاظت کی صورت نہیں نکال رہا ہے۔

گرونانک اور اس کے اتباع کرنے والوں نے چاہا کہ اپنے تابعداروں کی مستقل ہستی قائم کریں، تو بال اور سر کا نہ منڈانا، ڈاڑھی کا نہ کترانا یا نہ منڈانا، لوہے کے کڑے کا پہننا، کرپان کا رکھنا قومی یونیفارم بنا دیا، آج اپنے شعار پر سکھ قوم مری جاتی ہے، اس گرم ملک میں طرح طرح کی تکلیف سہتی ہے، مگر بالوں کا منڈوانا یا کتروانا قبول نہیں کرتی، اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے تو دنیا سے اس کی امتیازی ہستی اور قومی موجودیت فنا کے گھاٹ اتر جاوے گی۔ مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہے کہ کسی قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہو سکتا ہے، اور باقی بھی جب ہی رہ سکتا ہے جبکہ وہ اپنے لیے خصوصیات وضع قطع میں، تہذیب و کلچر میں، بود و باش میں، زبان اور عمل میں قائم کرے۔ اس لیے ضروری تھا کہ مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد، اخلاق، اعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیاویہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا اور ہے، خصوصیات اور یونیفارم قائم کرے اور ان کے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہو، ان کے لیے جان اڑا دے، اس کی وہ خصوصیات اور یونیفارم خداوندی تابعداروں اور الٰہی بندوں کی یونیفارم ہوں، جن سے وہ اللہ کے سرکشوں اور دشمنوں میں متمیز ہو اور علیحدہ ہو جائے، ان کی بنا پر باغیان اور بندگانِ بارگاہ الوہیت میں تمیز ہوا کرے، چنانچہ یہی راز "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔"(1) کا ہے، جس پر بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصہ آتا ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے تابعداروں کے لیے خاص خاص یونیفارم تجویز فرمایا ہے، کہیں فرمایا جاتا ہے، ہم میں مشرکین میں فرق ٹوپیوں پر عمامہ باندھنے سے ہوتا ہے "فَرْقُ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ رواه الترمذی "(2)

---

1) مشکوٰۃ شریف ج 2 صفحہ 375 کتاب اللباس الفصل الثانی قدیمی

2) مشکوٰۃ شریف ج 2 صفحہ 374 کتاب اللباس الفصل الثانی قدیمی

اسی بنا پر مخالفت اہل کتاب مانگ نکالنے میں اختیار کی گئی، اسی بنا پر ازار اور پائجامہ میں ٹخنے کھولنے کا حکم کیا گیا تا کہ اہل تکبر سے تمیز ہو جائے۔

اسی طرح بہت سے احکام اسلام میں پائے جاتے ہیں، جن کے بیان میں بہت طول ہے، اور جن میں یہودیوں سے، نصاریٰ سے، مجوسیوں سے، مشرکوں سے امتیاز وعلیحدگی کا حکم کیا گیا ہے، اور ان کو ذریعہ امتیاز بنایا گیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مردوں کو عورتوں سے بھی علیحدہ علیحدہ یونیفارم میں دیکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ عورتوں کے یونیفارم میں رہنے والے مرد، اور مردوں کے یونیفارم میں رہنے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے، انہی امور میں عربی میں خطبہ رائج کرنا بھی ہے، انہی امور میں سے مونچھ کا منڈوانا اور کتروانا اور داڑھی کو بڑھانا بھی ہے۔ ''خالفوا المشرکین وفروا اللحی واحفوا الشوارب''[1] ''جزوا الشوارب ارخوا اللحی وخالفوا المجوس''[2] ''من لم یاخذ من شاربه فلیس منا'' احمد، ترمذی، نسائی [3] ان روایات کے مثل اور بہت سی روایتیں کتب حدیث کے اندر موجود ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین مجوسی داڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے۔ جیسا کہ آج عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے اور یہ امران کے مخصوص یونیفارم میں سے تھا، بنابریں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو دوسرے یونیفارم کے خلاف حکم کیا جاوے، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کا داڑھی منڈانے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل اس زمانہ میں عرب کے رواج کی وجہ سے ہے، جو کہ ان میں جاری تھا کہ ڈاڑھیاں بڑھاتے تھے اور مونچھیں کٹاتے تھے۔ غلط ہے، بلکہ اس زمانہ میں بھی مخالفین اسلام کا یہ شعار تھا، جس طرح اس قسم کی روایات مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ یہ یونیفارم مشرکین اور مجوس کا تھا، اس لیے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف یونیفارم دیا جائے، تا کہ تمیز کامل ہو۔

اسی طرح حدیث عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواك [4] وغیرہ بتلا رہی ہے کہ بارگاہِ خداوندی کے خاص خاص مقربین اور ندیموں اور انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کے یونیفارم میں سے مونچھوں کا کتروانا، ڈاڑھی کا نہ منڈانا ہے، کیونکہ فطرت انھیں امور کو اس جگہ میں کہا گیا ہے۔ ۲۔ جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے تھے، جیسا کہ بعض روایتوں میں لفظ فطرة کے من سنن المرسلین یا اس کے ہم معنی موجود ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ یہ ایک خاص یونیفارم اور شعار ہے، جو کہ مقربان بارگاہ الوہیت کا ہمیشہ سے یونیفارم رہا ہے، اور پھر دوسری قومیں اس کے خلاف کو اپنا یونیفارم بنائے ہوئے بھی ہیں جو کہ اللہ کے قانون کو توڑنے والی اور اس

---

1) بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۸۷۵
2) مسلم شریف ۲/۳۸۱
3) مشکوٰۃ شریف ج ۲ صفحہ ۳۸۱ باب الترجل الفصل الاول قدیمی
4) مشکوٰۃ شریف ج۱ صفحہ ۴۴ باب السواک الفصل الاول قدیمی

سے بغاوت کرنے والی ہیں، اس لیے دو وجہ سے اس یونیفارم کو اختیار کرنا ضروری ہوا۔

علاوہ ازیں ایک محمدی کو حسب اقتضاء فطرت اور عقل لازم ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آقا کا سارنگ ڈھنگ، چال چلن، صورت سیرت، فیشن، کلچر وغیرہ بنائے اور اپنے محبوب آقا کے دشمنوں کے فیشن اور کلچر سے پرہیز کرے، ہمیشہ عقل اور فطرت کا تقاضا یہ ہی رہا ہے، اور یہی ہر قوم اور ملک میں پایا جاتا ہے۔

آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد ﷺ اور مسلمانوں کا دشمن کون ہے؟ واقعات کو دیکھئے اس بنا پر بھی جو ان کے خصوصی شعار اور فیشن ہیں، ہم کو اس سے انتہائی تنفر ہونا چاہیے۔ خواہ وہ کرزن فیشن ہو یا گلیڈسٹون فیشن، خواہ وہ فرنچ فیشن ہو یا امریکن خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتا ہو یا بدن سے، خواہ وہ زبان سے یا تہذیب وعادات سے، ہر جگہ اور ہر ملک میں یہی طبعی اور فطری شمار کیا گیا ہے کہ دوست کی سب چیزیں پیاری معلوم ہوتی ہیں اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور اوپری۔ بالخصوص جو چیزیں دشمن کی خصوصی شعار ہو جائیں اس لیے ہماری جدوجہد اس میں ہونی چاہیے کہ ہم غلامان محمد ﷺ اور ان کے فدائی بنیں نہ کہ غلامان کرزن وہارڈنگ وفرانس امریکہ وغیرہ۔

باقی رہا امتحان مقابلہ یا ملازمتیں یا آفس کے ملازموں کے طعنے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے، سکھ امتحان مقابلہ بھی دیتے ہیں، چھوٹے بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں۔ اپنی وردی پر مضبوطی سے قائم ہیں، کوئی ان کو ٹیڑھی اور بینگی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ باوجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لیے ہوئے غرار ہے ہیں۔ اس طرح ہندوؤں میں بھی بکثرت ایسے افراد اور خاندان پائے جاتے ہیں، پٹیل کی ڈاڑھی کو دیکھئے برہموسماج وغیرہ کے بہت سے بنگالیوں اور گجراتیوں کا معائنہ کیجئے۔

یہ سب باتیں ہماری کمزوری کی ہیں۔ (مکتوبات ۲/۱۴۱-۱۵۰)

پائجامہ پہننے کا ثبوت

﴿س﴾

کیا پائجامہ پہننا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔

﴿ج﴾

صحاح میں پائجامہ خریدنا منقول ہے نیز محرم کے لباس میں پائجامہ کی ممانعت کا تذکرہ بھی موجود ہے غیر صحاح میں پائجامہ کی تعریف بھی مذکور ہے اور ترغیب بھی اور خود جناب رسول اللہ ﷺ کا پہننا بھی طبرانی کی معجم

اوسط اور موصلی رحمہ اللہ کی (۱) مسند میں بسند صحیح (خرید نے کی روایت میں اضافہ کرتے ہوئے) ذکر کیا گیا ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

(قلت یا رسول اللہ اوانك لتلبس السراویل قال : اجل في السفر والحضرو بالليل والنهار فاني امرت بالستر فلم أرشياً استر منه (۲))

''میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے پائجامہ پہنا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں سفر میں حضر میں، رات میں اور دن میں پہنا ہے اور مجھ کو ستر کا حکم دیا گیا ہے سو اس سے زیادہ میں نے مستر کسی کو نہیں پاتا۔''
مسند امام احمد اور معجم طبرانی رحمہ اللہ میں ہے۔

(وعن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قلنا یا رسول اللہ ان اهل الكتاب يتسرولون ولا يأتزرون فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم تسرولو اوئتزروا وخالفوا اهل الكتاب) (مسند امام احمد ۲۶۴/۵)

''ہم لوگوں نے عرض کیا کہ اہل کتاب پائجامہ تو پہنتے ہیں مگر تہمد نہیں باندھتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پائجامہ پہنو اور تہمد بھی باندھو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔''

کنز العمال میں اور بھی روایات موجود ہیں۔ چونکہ عرب کے اصلی لباس میں ازار ہی تھا اور یہ پائجامہ فارس وغیرہ سے عرب میں داخل ہوا۔ وہاں کے لوگ اسے شلوار کہتے تھے اس لیے عرب نے اس کی تعریب سروال کے لفظ سے کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا مفرد نہیں آتا۔ اب اس کے بعد اس کی ساخت کیسی تھی؟ اس کا پتہ چلنا مشکل ہے بجز اس کے کہ اس میں اسراف اور اسبال یعنی ٹخنے سے نیچا ہونا ''لقوله عليه السلام ما اسفل من الكعبين من الازار في النار۔'' (۳) نہ چاہیے۔ اور علی ہذا القیاس تشبہ باعداء الاسلام نہ ہونا چاہیے۔ ریشم کا نہ ہونا چاہیے۔ اور کسی قسم کا فیصلہ مشکل ہے کتابیں موجود نہیں ہیں اور غالباً کوئی خاص تنگی بھی اس میں نہیں ہے۔ (مکتوبات ۱/۱۹۶۔۱۹۷)

سجدۂ تعظیمی



فوائد الفواد ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء مرتبہ میر حسن سجزی رحمہ اللہ میں لکھا ہے کہ حضرت بابا فرید رحمہ اللہ اور حضرت محبوب الٰہی رحمہ اللہ کی مجلس میں سجدہ کی رسم جاری تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے اعتراض کیا اور جھگڑنے پر آمادہ ہوا، حضرت محبوب الٰہی رحمہ اللہ نے فرمایا: بشنو غلبہ مکن کہ ہر امرے کہ فرض بودہ باشد چوں فرضیت برخیزد استحباب باقی ماند چنانچہ ایام بیض وایام عاشورہ برامم ماضیہ فرض بود، درعہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوں روزہ ماہ رمضان فرض شد آں فرضیت ایام بیض وایام عاشورہ، برخواست، اما استحباب باقی ماند، آمدیم در سجدہ۔ سجدہ میان امم ماضیہ

---

۱) مشکوٰۃ شریف ج۱ صفحہ ۲۳۵ باب ما یجتنبه المحرم الفصل الاول قدیمی
۲) ومثله في فتح القدير ۱۰/۲۷۳، مجمع الزوائد ۱۲۲/۵
۳) بخاری شریف باب ماء سفل من الكعبين ففي النار ج۲ صفحہ ۸۶۱ قدیمی

مستحب بود چنانچہ رعیت بادشاہ را، شاگرد استاد را، وامت بر پیغمبر را سجدہ می کردند چوں در عہد رسول اللہ ﷺ آں سجدہ برخواست اکنوں رخصت واباحت ماند، اگر مستحب نباشد مباح باشد بر مباح نفی ومنع کجا آمدہ است (فوائد الفواد نولکشور ۱۵۹) اس مسئلہ پر آپ کی کیا رائے ہے؟ میرا مقصد کسی مناظرانہ بحث کو شروع کرنا نہیں ہے۔ صرف علمی حیثیت سے سمجھنا چاہتا ہوں، مشائخ چشت شریعت وسنت کے سختی سے پابند تھے۔ انہوں نے اس رسم کو کس طرح جائز رکھا؟ (خلیق احمد نظامی، علی گڑھ)

﴿ج﴾

① ...اس (عبارت) سے صاف ظاہر ہے کہ اگر اباحت کی نفی در ممانعت ثابت ہو جائے تو اس کا اعتبار ہوگا۔ تفسیر عزیزی پارہ الم ص ۷۷ ار میں ہے (سجدہ کی تقسیم فرماتے ہوئے) ''دوم آنکہ برائے تکریم وتحیۃ باشد مانند سلام وسرخم کردن وایں معنی باختلاف رسم وعادات وتبدل ازمنہ واوقات مختلف است گاہے جائز است و گاہے حرام در امتہائے سابقہ جائز بود چنانچہ در قصہ حضرت یوسف علیہ السلام واخوان ایشان واقع شد وخروا لہ سجداً ودر شریعت ما ایں طرق ہم فیما بین مخلوقات حرام وممنوع است بدلیل احادیث متواترہ کہ دریں باب وارد شدہ الخ۔ احادیث اس کی ممانعت میں بکثرت ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر انکار کیا گیا ہے یقیناً ان کا سجدہ عبادت نہیں تھا بلکہ سجدۂ تحیۃ تھا حضرات صحابہ لا تعبدوا الا ایاہ اور اس کی ہم معنی آیات سے بخوبی واقف تھے اس لیے حضرت محبوب سبحانی قدس سرہ العزیز کے قول سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہوگی ودیگر صحاح میں اس قدر روایات موجود ہیں کہ بقول حضرت شاہ صاحب کے درجہ تواتر رکھتی ہیں۔ (۱)

---

۱) اذکر (واذقلنا للملئکۃ اجسدو الادم) قرأ ابو جعفر للملائکۃ اسجدوا بضم التارء باعطاء حرکۃ ھمزۃ الوصل وکذلک : (قال رب احکم) [الانبیاء : ۱۱۲] بضم الباء والباقون بالکسر والسجود فی الامل : التذلل : وفی الشرع وضع الجبھۃ علی الارض علی قصد العبادۃ، والمامور بہ اما المعنی الشرعی فالمسجود لہ یکون با الحقیقۃ ھو اللّٰہ تعالیٰ، وجعل ادم قبلۃ تفخیما لشأنہ واعترافاً لما انکروا اولاً من فضلہ، ویدل علی ارادۃ ھذا المعنی الشرعی ما رواۃ احمد و مسلم من حدیث ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال : اذا قرأ ابن آدم السجدۃ فسجد اعتزل الشیطان یبکی ویقول : یا ویلہ أمر أبن آدم بالسجود فسجد فلہ الجنۃ وأمرت با السجود فعصیت فلي النار۔ واللام فی لآدم حینئذ بمعنی الی کما فی قول حسان فی مدح الصدیق :

ألیس أول من صلی لقبلتکم واعرف الناس با القرأن والسنن

اوجعل آدم سبباً لوجوب السجود وتوبہ لما صدر عنھم صورۃ الاعتراض، واللام حینئذ للبیۃ لقو صل لدلوك الشمس واما المعنی اللغوی وھو التواضع والتذلل لآدم تحیۃ وتعظیماً کسجود اخوۃ یوسف، قال البغوی : ھذا القول اصح قال : ولم یکن فیہ وضع الوجہ علی الارض انما کان انحناءً فلما جاء الاسلام ابطل ذلك با الاسلام۔ قلت لعلھم انما أمروا بتعظیم آدم شکر الہ وأداء لحقہ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

② سجدہ دوقسم کا ہے(۱) سجدۂ عبادت (۲) سجدۂ تحیہ۔ سجدہ عبادت بالاتفاق تمام امتوں میں غیر اللہ کے لیے حرام اور ممنوع تھا اور ہے اور سجدۂ تحیہ امم سابقہ میں مباح اور جائز تھا امت محمدیہ میں اس کو بھی منع کر دیا گیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس اللہ سرہ تفسیر عزیزی پارہ الم ص ۱۷۷ میں فرماتے ہیں ''بحث دوم آنکہ حقیقت سجدہ پیشانی برزمین رسانیدن است وایں معنی در شرع برائے غیر اللہ جائز نیست و دریں جا فرشتگان راباداے ایں فعل بروئے حضرت آدم علیہ السلام امر فرمودہ اند وجہ ایں امر چیست؟ جوابش آنکہ پیشانی رابر زمین رسانیدن بردوطریق واقع می شود یکے آن کہ برائے اداے حق معبودیت باشد وایں قسم در جمیع ادیان وجمیع ملل برائے غیر خدا حرام وممنوع است وہیچ گاہ جائز نشدہ زیراکہ از محرمات عقل است ومحرمات عقلیہ بہ تبدل ادیان وملل متبدل نمی شوند ودلیلش آنکہ این نوع تعظیم مشعر بغایت تذلل است وغایت تذلل برائے کسے سزاوار است کہ در غایت عظمت باشد وغایت عظمت آنست کہ ذاتی باشد وعظمت ذاتی خاص بحضرت حق است در ہیچ مخلوقے یافتہ نمی شود۔ دوم آنکہ برائے تکریم وتحیہ باشد مانند سلام وسرخم کردن وایں معنی باختلاف رسوم وعادات و تبدل از منہ واوقات مختلف است گاہے جائز است وگاہے حرام در امتہاے سابقہ جائز بود چنانچہ در قصہ یوسف علیہ السلام واخوان ایشان واقع شدو خروا لہ سجداً ودر شریعت ما ایں طریق ہم فیما بین مخلوقات حرام وممنوع است بدلیل احادیث متواترہ کہ دریں باب وارد شدہ وسجود فرشتگان برائے حضرت آدم علیہ السلام بہمیں طریق بود زیرا کہ بسبب تعلیم اسماء حضرت آدم علیہ السلام را آسانے وتفوقے بر فرشتگان حاصل شدہ بود واز فرشتگان قبل از پیدائش نسبت بایشاں سوئے ادبی ووقوع یافتہ بود برائے مکافات آن احسان وکفایت آن بے ادبی ملائکہ را مامور بایں نوع تعظیم وتکریم ساختند'' حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ

بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے۔ فی التعلیم قال رسول اللہ ﷺ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ، (رواہ احمد الترمذی وصححہ من حدیث ابی سعید (فسجدو) یعنی الملائکہ کلھم اجمعین (الا ابلیس) ھذا یدل علی ان ابلیس کان من الملائکۃ لصحۃ الانشناء کما مرعن ابن عباس، فعلی ھذا لا یکون الملائکۃ کلھم معصومین بل الغالب منھم العصمۃ کما ان بعضاً من الانس معصومون والغالب منھم عدم العصمۃ، وقیل کان حبناً نشا بین الملائکۃ ومکث خیھم الوف سنین فغلبوا علیہ ویصتمل کون الجن الضابا مامورین باالسجود مع الملائکۃ لکنہ استغنی عن ذکرھم بذکر الملائکۃ لأن الاکابر لما أمروا باالسجود فا الأ صاغر أولی، ولعل ضرباً من الملائکہ کانوا متحدی الجنس باالشیاطین مختلفین باالعوارض وماروی مسلم عن عائشۃ " خلقت الملائکۃ من نور وخلقت الجن من مارج من نار وخلق آدم مما وصف لکم " یحمل علی احتلاف حقیقہ بعض الملائکۃ من حقیقۃ الجن دون بعضھم وھم الذین لا یوصفون با الذکورۃ والانوثۃ ولا یتوالدون، او یقال النار والنور حقیقۃ واحدۃ والامتیاز بینھما با التھذیب والصفاء وبدونہ (تفسیر المظھری ج۱ صفحہ ۶۵۔۶۶ پارہ الم سورۃ البقرۃ، رشیدیہ)

سجدۂ تحیہ کی ممانعت احادیث سے معلوم ہوتی ہے جو کہ کتب احادیث میں اتنی کثرت سے موجود ہیں جو کہ درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔قرآن شریف میں اس کا وقوع انبیاء سابقین کے زمانہ میں مذکور ہے اس امت کے لیے اس کی صراحت ممانعت کی موجود نہیں ہیں اگر چہ التزاما موجود ہے چوں کہ حضرات مشائخ چشت حضرت بابا فرید اور حضرت محبوب سبحانی قدس اللہ اسرار ہما کے زمانہ میں ہندوستان میں کتب حدیث بہت کم یاب تھیں علم حدیث بھی رائج نہ تھا اس لیے ان حضرات کو ان احادیث صحیحہ متواترہ کا علم نہ ہوا اس لیے باوجود شدت اتباع شریعت و سنت ان حضرات سے ایسے امور پائے گئے ہوں تو کچھ تعجب نہیں۔حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ العزیز دربارہ رفع سبابہ در نماز جس کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز اپنے مکتوب میں منع فرماتے ہیں اور مرزا صاحب مرحوم بوجہ احادیث صحیح اس کے استحباب وسنیت کے قائل ہیں اپنے مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں" واگر گویند کہ حضرت مجدد باآں علم اوسع از احادیث ثبوت رفع سبابہ مگر آگاہ نہ بود گوئیم تا زمان مبارک حضرت ایشان ایں کتب ورسائل در دیار ہند شہرت نیافتہ بود از نظر مبارک ایشان نگذشتہ کہ ترک نمودہ اند نہ ہرگز ترک رفع نہ فرمودند کہ ایشان حریص ترین اکابر دیں بر اتباع سنت بودہ اند۔(کلمات طیبات مکتوبات مرزا صاحب ص ۲۸)

مرزا مظہر جان جاناں قدس اللہ سرہ العزیز کا یہ ارشاد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو کہ حضرت بابا صاحب اور حضرت محبوب سبحانی قدس اللہ اسرار ہما العزیز سے بہت متاخر ہیں حالانکہ اس زمانہ میں علم حدیث کا چرچا بہ نسبت سابق حضرت شیخ عبدالحق بخاری ثم الدہلوی قدس اللہ سرہ العزیز حرمین شریفین سے علم حدیث لے کر آچکے تھے اور لمعات اور اشعۃ اللمعات وغیرہ کتابیں اسی زمانہ میں لکھی گئی تھیں تاہم احادیث کی کتابیں کمیاب اور غیر مشہور بھی تھیں اس لیے حضرت بابا صاحب اور حضرت محبوب سبحانی قدس اللہ سرہما العزیز کا ان احادیث سے ناواقف ہونا کسی طرح بعید نہیں ہے۔ یقیناً اگر یہ حضرات ان احادیث صحیحہ متواترہ کو پاتے تو ضرور بالضرور اس سجدۂ تعظیمی کو ترک کراتے اور سخت مخالفت فرماتے واللہ اعلم ہندوستان میں علم حدیث اور کتب حدیث کی شہرت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی ہے نیز عرض یہ ہے کہ یہ اکابر علم طریقت اور تصوف کے ائمہ عظام ہیں علم ظاہر اور شریعت کے امام نہیں ہیں اس کے امام حضرت امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام ابو یوسف رحمہم اللہ اور فقہائے کرام ہیں اس بارے میں ان کا قول اور فعل حجت ہوگا حضرت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حضرت جنید بغدادی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی حضرت خواجہ معین الدین سنجری قدس اللہ اسرارہم کے اقوال اور فتاوی اور اعمال حجت نہ ہونگے اگرچہ یہ حضرات علم طریقت کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ رحمهم الله تعالى ورضى عنهم وارضاهم ۔آمین

(مکتوبات ۲/۲۳۰۔۲۳۵)

قیام تعظیمی کی ممانعت

﴿س﴾

کسی بڑے کو دیکھ کر قیام تعظیمی شرعاً درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

آنحضرت ﷺ قیام تعظیمی کو اپنی زندگی میں اپنے لیے منع فرماتے ہیں ترمذی وغیرہ کی روایت ہے: عن أنسٍ رضی الله عنه انه قال لم یکن شخص احب الیهم من رسول ﷺ وکانوا اذا رأوه لم یقوموا لما یعلمون من کراهیته لذالك۔ (۱)

دوسری روایت میں ہے لَا تَقُومُوا کما یَقُوم الا عاجم یعظم بعضهم بعضاً (۲) ایک اور روایت میں ہے من سره ان یتمثل له الرجال قیاماً فلتیبؤا مقعده من النار (۳) ان روایتوں کی موجودگی میں تو ہم پر یہ بھی لازم ہو جاتا ہے کہ اگر بالفرض جناب رسول اللہ ﷺ کے حقیقی قدوم میمنت لزوم کی نوبت آئے جب بھی قیام نہ کیا جائے۔ اِمْتِثَالُ الحُکْم خَیر من سلوك الادب مشہور مقولہ ہے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو یقیناً افضل الامت ہیں انہوں نے ایسا عمل کیا حالانکہ وہ سچے عاشق تھے پھر اگر ہم اس میں کوتاہی کریں گے تو یقیناً خطا وار ہوں گے۔ (مکتوبات ۱/۲۴۲) (۴)

اجارہ علی الطاعات

﴿س﴾

طاعات مثلاً تدریس وغیرہ پر تنخواہ لینا کیسا ہے۔

---

۱) مشکوٰۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ج۲ صفحہ ۴۰۳ قدیمی
۲) مشکوٰۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ج۲ صفحہ ۴۰۳ قدیمی
۳) مشکوٰۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ج۲ صفحہ ۴۰۳ قدیمی
۴) قیام تعظیمی کے متعلق یہ حضرت کی رائے ہے جو براہ راست حدیث سے مستنبط ہے۔ لیکن علامہ شامیؒ اور فقہاء کی تحقیق سے تعظیمی قیام کی اجازت معلوم ہوتی ہے فقہاء کے نزدیک حضرتؒ کی ذکر کردہ حدیث ممانعت اس صورت پر محمول ہے جبکہ عجمیوں کی طرح قیام کیا جائے یعنی بادشاہ بیٹھا رہے اور درباری مسلسل کھڑے رہیں (ا)۔ قال ابن وهبان لقول: وفی عصرنا ینبغی ان یستحب ذلك ای القیام مما یورث ترکه من الحقد والبغضاء والعداوة لا سیما اذا کان فی مکان اعتید فیه القیام وما ورد من التوعد علیه فی حق من یحب القیام بین یدیه کما یفعله الترك والا عاجم۔ (شامی ۶/۳۸۴) باب الاستبراء وغیره (سعید)

﴿ج﴾

حدیث وقرآن کی تدریس پر اجرت لینا حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول میں تو جائز ہی نہیں مگر بعد کے ائمہ حنفیہ نے اس کی اس ضرورت سے اجازت دی ہے کہ مدرس اگر ضروریات دنیاویہ زراعت، تجارت، صنعت وغیرہ میں مشغول ہو جائے گا تو علم ضائع ہو جائے گا دین میں سخت خلل پڑ جائے گا، اس لیے وہ تمام عبادات جن کے انقطاع اور ترک سے شعائر دینیہ وغیرہ میں خلل پڑ جائے بضرورت جائز ہیں، شریعت اسلامیہ میں ایسے کام کرنے والوں، ائمہ، موذنین، مدرسین وغیرہ کے لیے بیت المال میں حصے مقرر تھے۔ مگر چونکہ بادشاہوں اور ارباب حکومت نے بیت المال کو اپنا گھر اور اس کے اموال مخزونہ کو باپ دادے کا ترکہ سمجھ لیا ہے وہ ان اموال کو اپنی خواہشات نفسانیہ پر بے دریغ خرچ کرنے لگے ہیں اور ارباب حقوق کو پہنچنا بند ہو گیا ہے۔ اس لیے بجز اس کی اجازت کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ لہٰذا اجرت لینے کی شرعاً اجازت ہوگئی اور اسی پر فتویٰ ہے (۱) مگر پھر ثواب کس طرح مل سکتا ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے وہ عطا فرمادے دوسری بات ہے مگر استحقاق نہیں رہتا۔ ہاں یہ امر کہ اس کی وجہ سے لوگوں کی ہدایت ہوتی ہے ان کو بیرون تدریس وغیرہ نصیحت کرتا رہتا ہے۔ شاگرد استاد کے عمل سے نیک طریقہ وغیرہ حاصل کرتے ہیں یا بیرون وقت مقرر تدریس کی جائے جس کا قانوناً مدرس پر لزوم نہ تھا تو البتہ استحقاق ثواب ہو سکتا ہے۔

(مکتوبات ۴/۴۹۔۵۰)

سیاسی معاملات میں غیر مسلموں سے مدد لینا

﴿س﴾

سیاسی معاملات میں اہل اسلام کو غیر مسلموں سے مدد لینا درست اور مباح ہے یا ناروا ہے۔

﴿ج﴾

اگر مسلمانوں میں بذات خود قوت مقاومت موجود نہ ہو اور ان کے لیے کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ہے تو

---

۱) والمختار للفتوی فی زماننا قول هؤلاء كذافي الفتاوی العتابيه (عالمگیری ۴/۴۴۸ و الشامی ۶/۵۵) (۱) کتاب جاران سے باب السادس مسائل شیوع فی الاجارت والاستئجار علی الطاعات الخ ویفتی الیوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والامامة والاذان، الدر المختار مطلب فی الاستیجار علی الطاعات ج۶ صفحه ۵۵ (سعید)

اختیار اھون البلیتین کے اصول کے ماتحت بعض کفار کا مقابلہ بعض کفار کی استعانت سے جائز ہے جیسا کہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے واضح ہوتا ہے (شرح السیر الکبیر ج:۳۔ص:۱۸۷) خصوصاً جبکہ مسلمانوں کے مفاد اور مصالح بھی پیش نظر ہوں تو ایسی استعانت بالکفار کے جواز میں شبہ نہیں ہے چنانچہ شرح سیر کبیر میں اس قسم کی جزئیات بہت سی بیان کی گئی ہیں:

(۱) لَو قال اھل الحرب للاسراء فیھم قاتلوا معنا عدونا من المشرکین کے ماتحت شارح سرخسی نے فرمایا فلا رُخْصَةَ فی ذٰلکَ الاعلی اعزاز الدین والدفع عن نفسه ج۳۔ ص۲۴۱۔۲۴۲۔

(۲) وَلَو قال للاسراء قاتلوا معنا عدونا من اھل الحرب آخرین علی ان نخلی سبیلکم اذا انقضت حربنا الخ فلا باس بان یقاتلوا معھم۔ شارح نے اس صورت مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس اعتراض کو بھی دفع کیا ھے جو عام طور پر پیش کیا جاتا ھے قال قیل کیف یسعھم ھذا وفیه قوة علی المسلمین لانھم اذا ظفروا بعدوھم فامنوا جانبھم اقبلوا علی قتال المسلمین وربما یاخذون منھم الکراع والسلاح فیقودون بھا علی المسلمین قلنا ذلك موھوم ویحصل لھم النجاة عن اسراء المشرکین بھذا القتال معلوم فیترجح ھذا الجانب ص ۲۴۲۔۲۴۳۔

(۳) وان کانوا فی حزوبلد یخافون علی انفسھم الھلاك فلا باس بان یقاتلوا معھم المشرکین اذا قالو نخرجکم من ذلك لان فی ھذ القتال غرضا صحیحاً وھو دفع الضرر والبلآء الذی نزل بھم ص۲۴۳۔

(۴) ولو ان اھل الحرب ارسلوا الاسراء خاصة ان یقاتلوا اھل الحرب آخرین وجعلوا الامیر من الاسراء وجعلوا له ان یحکم بحکم اھل الاسلام وسلموا بھم الغنائم یخرجونھا الی دارالاسلام فلا باس بالقتال علی ھذا اذا خافوھم اولم یخافو الانھم یقاتلون وحکم الاسلام ھو الظاھر علیھم ویکون الجھاد وذلك جھادا منھم ص:۲۴۷۔

جواز استعانت کی اور صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کے مشرکین کے ساتھ ان شرائط پر اشتراک عمل کرنا کہ اس مشترکہ جدو جہد میں فتح حاصل کرنے کے بعد ملک کے نظام میں ان کا مؤثر حصہ ہوگا (۲) مسلمانوں کا قانون شخصی (پرسنل لاء) محفوظ ہوگا اور اس پر عمل کرنے کی آزادی ہوگی (۳) مسلمانوں کے مذہبی ادارے، اوقاف، مساجد، مقابر وغیرہ محفوظ رہیں گے (ان) کا کلچر اور تہذیب وتمدن محفوظ رہے گا (۴) ۱۱ میں سے ۵ صوبوں میں مسلم اکثریت کی حکومتیں قائم ہونگی جو تمام داخلی معاملات، قانون سازی نظام تعلیم، اقتصادی نظام کے قیام، معاشرتی اور تمدنی مسائل میں پوری طرح با اختیار ہونگی، کیا مسلمانوں کے مفاد اور مصالح کے لحاظ

سے مفید نہیں ہے؟ یہ مصلحتیں و مفادات ان اغراض سے بہت زیادہ اہم ہیں جن کی بنا پر استعانت بالمشرکین کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے ہندوستان کی آزادی غیر مسلم جماعتوں اور قوموں سے اشتراک عمل کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے واللہ اعلم والیہ یعول الحق وھو یھدی السبیل۔ (مکتوبات ۱۲۵/۲۔ ۱۲۸)

عیسائی ملکوں کا ذبیحہ

﴿س﴾

عیسائی ملکوں کا ذبیحہ قابل استعمال ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

چونکہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ وَلَا تَاكُلُوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق وان الشیاطین لیوحون الی اولیاء ھم لیجادلوکم وان اطعتموھم انکم لمشرکون (جس حیوان پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کو مت کھاؤ، وہ حقیقت میں فسق ہو گیا، شیاطین اپنے دوستوں کو سمجھاتے اور تلقین کرتے ہیں کہ تم سے ایسے حیوانات کے بارے میں جھگڑے اور بحث کریں۔ اگر تم ان کی تابعداری کرو گے تو تم مشرک ہو) اس لیے ہر حیوان حلال کے کھانے کے بارے میں دو شرطیں ضروری ہیں: اول تو شرعی ذبح ہونا۔ دوسرے ذبح کرتے وقت اسم الٰہی کا ذکر ہونا۔ اگر دونوں یا ایک فوت ہو گئی تو حیوان کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا (۱) ہاں اگر مسلمان ذبح کرنے والا ہو اور وہ بھول کر تکبیر ذبح کرتے وقت ذکر نہ کرے تو وہ حسب ارشاد حضور سرور کائنات علیہ السلام حلال ہے (۲) جو حیوانات عیسائی ملکوں میں ذبح ہوتے ہیں اور ان کے کارکن عیسائی ہوتے ہیں وہاں نہ ذبح پایا جاتا ہے نہ تکبیر۔ بلکہ بڑے بڑے شہروں اور کارخانوں میں تو حیوانات کو مشینوں کے

---

۱) وذھب الی ان الکتابی اذا لم یذکر اللہ علی الذبیحۃ وذکر غیر اللہ لم یوکل وبہ قال ابو الدرداء عبادۃ بن الصامت وجماعۃ من الصابۃ وبہ قال ابو حنیفۃ وابو یوسف و محمد وزفر ومالك و کرہ النخعی اکل ماذبح اھل بہ لغیر اللہ (البحر المحیط ۴۳۱/۲) بحوالہ معارف القرآن ۵۴/۳) ج ۴ صفحہ ۴۳۲۔ ۴۳۳ سورۃ الانعام آیت ۱۲۱ (دارالفکر بیروت)

۲) یؤکل ان کان الترك ناسیاً وان کان عمدًا لم یؤکل واختارہ النعاس وقال لا یسمی فاسقًا اذا کان ناسیاً وروي عن علی وابن عباس جواز أکل ذبیحة الناسي للتسمیة، وقال ابن عطیة: وھذا قول الجمھور، وقال الشعب والطبرني: تؤکل ذبیحة تارك التسمیة عمدًا الا أن یکون مستخفاً۔ وقال ابوبکر الایذی: یکرہ أکل ذبیحة تارك التسمیہ عمدًا وتحتاج ھذہ التخصیصات الی دلائل۔ والظاھر ان المراد (مما لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ) طاھر لعموم الایة وھو متروك التسمیة۔ البحر المحیط ج۴ صفحہ ۶۴۴ سورۃ انعام آیت ۱۲۱ (دار الفکر بیروت)

ذریعے سے ذبح کیا جاتا ہے ایک طرف سے حیوان کو داخل کیا اور تھوڑی ہی دیر میں دوسری طرف کھال علیحدہ گوشت کے ٹکڑے علیحدہ اور جملہ دیگر اشیاء علیحدہ نکلتی ہیں ہاں جہاں یہودی ذبح کرتے ہیں وہ البتہ شروط ذبح کی رعایت کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسے کہ کسی چیز کی طہارت اور نجاست وغیرہ میں یا کھانے کی چیزوں میں جب تک نجاست اور حرمت کا یقین یا غلبہ ظن نہ ہو جائے جب تک اس کی حرمت یا کراہت کا فتویٰ نہیں ہوسکتا اسی طرح سے حکم ذبیحہ کا ہوگا۔ مگر یہ سخت غلطی ہے۔ ذبیحہ کا حکم ان دونوں کے خلاف ہے خود صحیح حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک شکار پر اپنا شکاری کتا جس کو اس نے تکبیر کہہ کر چھوڑا تھا پایا اور ایک دوسر کتا پایا اور نہیں جانتا ہے کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ دوسرے کتے کو تکبیر کہہ کر چھوڑا گیا ہے یا نہیں تو حضرت سرور کائنات علیہ السلام اس کو حرام فرمارہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نظیریں موجود ہیں جن سے صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیحہ میں شروط ذبیحہ کا جب تک علم نہ ہو جائے حلال نہیں اور یہی مسئلہ فقہاء کا ہے۔

یورپ کے سفر کرنے والے عموماً ہر جگہ کے مسلمان ایسے محرمات میں مبتلا ہوتے ہیں اور واہی تباہی حیلے کر کے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ وَطَعَامُ الذین اوتوا الکتاب حل لکم (اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا کھانا تم کو حلال ہے) اس لیے ہم کو ان کے ذبح کیے ہوئے حیوانوں میں حرام ہونے کا کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ مگر یہ بہت بڑی غلطی ہے جو چیز مسلمان سے حلال نہیں ہوسکتی وہ اہل کتاب سے کیوں کر حلال ہوسکتی ہے۔ اگر مسلمان ذبح کرتے وقت قصداً تکبیر چھوڑ دے تو وہ کسی طرح حلال نہیں پھر کتابی جب ایسا کرے تو کیوں کر حلال ہوسکتا ہے، بہرحال وہ مسلمان سے تو کم ہی ہے اور اگر ظاہر الفاظ پر جائیں تو چاہیے کہ سور بھی حلال ہو جائے کیوں وہ بھی نصاریٰ کا طعام اور ان کا ذبیحہ ہے یا شراب میں پکا ہوا کہ دوسرا کھانا ان کا حلال ہو (العیاذ باللہ) اور اگر ان چیزوں کے حرام ہونے کا یقین دوسری آیتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے تو متروک التسمیہ مذبوح نصاریٰ کی حرمت کا بھی قائل ہونا ضروری ہے۔

(سفرنامہ شیخ الہند ص ۸۶)

دفع ظلم کے لیے جھوٹ بولنا

﴿س﴾

کسی خاص قضیہ کے متعلق سوال تھا کہ دفع ظلم کے لیے کیا جھوٹ بولا جاسکتا ہے۔

﴿ج﴾

آپ نے جو صورت دعوی کی دفع ظلم اور جلب مصلحت کے لیے لکھی ہے اس کے متعلق میں عبارت

''شامی'' پیش کرتا ہوں۔ (درمختار۵/۳۰۳)

الکذب مباح لاحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعریض لأن عین الکذب حرام قال وهو الحق الخ وقال الشامی فی الحاشیة واعلم ان الکذب قد یباح وقد یجب والضابط فیه کما فی تبیین المحارم وغیره عن الاحیاء ان کل مقصود محمود یمکن التوصل الیه بالصدق والکذب جمیعا والکذب فیه حرام، وان امکن التوصل الیه بالکذب وحده فمباح ان ابیح تحصیل ذلك المقصود، وواجب ان وجب تحصیله کما لو رأی معصوما اختفی من ظالم یرید قتله أو ایذاءه فالکذب ههنا واجب وکذا لوسأله عن ودیعة یرید أخذها یجب انکارها ومهما کان لایتم مقصود حرب أو اصلاح ذات البین أو استمالة قلب المجنی علیه الا بالکذب فیباح (1) والاباحة قبیل کتاب احیاء الموات)

شامی کی اس مفصل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف تعریض بلکہ کذب صریح بھی خاص خاص صورتوں میں جائز ہے۔ یہ عبارت بغور پڑھئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مذکورہ میں دروغ گوئی کی اجازت ہے۔ والسلام (مکتوبات۴/۲۰۸۔۲۰۹)

مجبوری میں رشوت دینا



اپنا حق حاصل کرنے کے لیے رشوت دینی پڑے تو کیا کرنا چاہیے۔

---

۱) اپنے حق کو حاصل کرنے اور اپنے سے ظلم کو دفع کرنے کے لیے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ مگر یہاں جھوٹ سے تعریض مراد ہے کیونکہ عین جھوٹ تو حرام ہے۔ یہی بات حق ہے اور علامہ شامی حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ جاننا چاہیے کہ جھوٹ بولنا کبھی مباح ہوتا ہے اور کبھی واجب ہوتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں ضابطہ جیسا کہ تبیین المحارم وغیرہ میں ''احیاء'' سے نقل کیا ہے کہ ہر ایسا محمود مقصود جس کا حصول سچ اور جھوٹ دونوں طرح ممکن ہو تو اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اور اگر صرف جھوٹ ہی کے ذریعہ وہ مقصد حاصل کیا جا سکتا ہو تو اگر وہ مقصود مباح ہے تو جھوٹ بولنا بھی مباح ہوگا اور اگر وہ مقصود واجب ہے تو جھوٹ بولنا بھی واجب ہوگا مثلاً اگر کسی بے قصور کو دیکھا کہ وہ ایسے شخص سے چھپ رہا ہے جو اس کے قتل یا ایذاء کے درپے ہے تو اس وقت جھوٹ بولنا واجب ہے اسی طرح اگر کسی شخص نے امانت کے بارے میں سوال کیا اور وہ خود امانت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اس امانت کا انکار لازم ہے۔ اور اس طرح جنگ فریقین میں صلح اور آسیب زدہ کے دل کو مطمئن کرنا اگر بغیر جھوٹ کے نہ حاصل ہو سکے تو اس وقت جھوٹ بولنا مباح ہوگا۔

﴿ج﴾

رشوت دینا بھی اس وقت جائز ہے جبکہ اپنا کوئی حق رشوت دینے کے بغیر حاصل نہ ہوتا ہو جناب رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی تصریحات فرمائی ہیں اور فقہاء کرام بھی تصریح فرمارہے ہیں البتہ یہ دونوں چیزیں کسی دوسرے کا حق تلف کرنے کے لیے جائز نہیں۔ (مکتوبات ج۴ص ۲۱۰)(۱)

تصویر کشی حرام ہے

﴿س﴾

حضرت والا کی بعض تصاویر اخبار میں آتی ہیں تو کیا اس طرح تصویریں کھنچوانا درست ہے۔

﴿ج﴾

میں نے خود اپنے علم وارادہ سے کبھی فوٹو نہیں کھنچوایا میری لاعلمی میں ایسا ہو جاتا ہے نہ میں اس کو جائز سمجھتا ہوں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں۔ (۲) (مکتوبات ج:۴۔ص:۲۱۴)

کس کروٹ پر سوئیں

﴿س﴾

سوتے وقت کون سی کروٹ ہونی چاہیے۔

﴿ج﴾

لیٹنے کے لیے یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹیں، یہ حالت ابتدائی ہے پھر جس طرف بھی انسان کروٹ بدل لے گا جائز ہو جائے گا۔ (۳) (مکتوبات ۱/۷۶)

---

۱) الثالث اخذ المال يسوى امره عند السلطان دفعًا للضرر، او جلباً لنفع، وهو حرام على الأخذ فقط۔ الرابع : مايدفع لدفع الخوف من المدفوع اليه على نفسه أو ماله، حلال للدافع، حرام على الأخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب۔" (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۶۲ كتاب القضاء۔ مطلب في الكلام على الرشوة والهديه سعيد)

۲) قال اصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صور الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر (البحر الرائق ۲/۲۷)

۳) ان النبي ﷺ كان اذا عرس بليل اضطجع على شقه الايمن (شمائل ترمذی شريف ۱۰۷) (باب ماجاء فی صفة نوم رسول الله ﷺ صفحه ۲/۲۴ مكتبه رحمانيه)

غیر اسلامی حکومت پر قناعت

(س)

کیا مسلمانوں کو غیر اسلامی آئین پر قانع ہو جانا درست ہے۔

(ج)

بلاشبہ اسلامی قوانین ہی دنیا کے لیے امن و سلامتی کے ضامن ہیں مشترکہ حکومت میں ان قوانین کی حاکمیت مطلقہ قائم نہ ہوگی نہ حدود شرعیہ جاری ہونگی، لیکن یہ خود مسلمانوں کا علمی و عملی فریضہ ہے کہ وہ دوسری قوموں سے اسلامی قوانین کی یہ حیثیت تسلیم کرالیں، اھون البلیتین آخری منزل نہیں ہوسکتی۔ (مکتوبات ۱۱۹/۲)

حرام آمدنی سے چندہ

(س)

حرام آمدنی سے حاصل شدہ رقم کو تنخواہ وغیرہ میں استعمال کرنا درست ہے یا نہیں۔

(ج)

جن لوگوں کی آمدنی سب کی سب یا اکثر اور غالب حصہ حرام ہے اور یقیناً معلوم ہے تو ائمہ موذنین وغیرہ کو ان کے چندہ یا ان کی دی ہوئی تنخواہ کھانا جائز نہیں اور اگر اکثر حصہ حلال ہے جو کہ حرام سے مخلوط ہو گیا ہے یا علم نہیں ہے تو جائز ہے۔(۱) (مکتوبات ۸۲/۴)

ابابیل حلال ہے

(س)

کیا ابابیل کھانا حلال ہے اور اس کی بیٹ کا کیا حکم ہے۔ پاک ہے یا ناپاک۔

---

۱) وکذا دعوۃ من کان غالب مالہ من حرام مالم یخبر انہ حلال وبالعکس یجیب مالم یتبین عندہ انہ حرام کذافی التمرتاشی وان کان غالب مالہ حلالاً لا بأس بقبول ھدیتہ والاکل منھا کذافی الملتقط (عالمگیری کتاب الکراھیہ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات ج۵ صفحہ ۳۴۳ رشیدیہ)

﴿ج﴾

ابابیل کے متعلق بعض کتابوں میں تصریح نکل آئی کہ وہ حلال طیور میں سے ہے اور قاعدہ کلیہ غیـــــر ذی مخلب من الطیور بھی اس کا مقتضی ہے اس لیے اس کی بیٹ طاہر ہوگی۔ (مکتوبات ۱/۲۷۸)

تمباکو کے بارے میں علماء دیو بند کا مسلک

﴿س﴾

حضرات اکابر دیو بند تمباکو کھانے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

﴿ج﴾

یہ جملہ بزرگان دین تمباکو کے استعمال پر سوائے کراہت تنزیہی وخلاف اولی دوسرا کوئی حکم نہیں فرماتے ہیں اور بعض بعض حضرات بوجہ ضرورت خود استعمال فرماتے ہیں چنانچہ متعدد فتاویٰ اور تصانیف میں یہ امر شائع ہو چکا ہے۔[1] (الشہاب الثاقب :ص:٦٦)

غیر واجبی ٹیکس

﴿س﴾

اسلحہ کی تجدید کے وقت وارفنڈ وغیرہ میں کچھ رقم دینا جائز ہے یا نہیں۔ (وارفنڈ یعنی جنگ کے مصارف کے لیے سرکاری لائسنسوں کی تجدید کے وقت جبراً کچھ رقم کاٹی جاتی تھی اس کے متعلق سوال ہے۔)

﴿ج﴾

وَلَا تَعَاوَنُو علی الاثم والعُدوَان۔ امر ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہیے مگر جب مجبوری ہو تو میتہ، خنزیر، خمر بھی حلال ہو جاتے ہیں۔ ریلوے کے ٹکٹوں میں، پارسلوں میں، لگانوں، تجارتوں وغیرہ میں، کیا وارفنڈ نہیں رکھا گیا ہے، اس لیے جبکہ فی زماننا اسلحہ اشد ضروری ہیں بدرجہ مجبوری کم سے کم مقدار دی جاسکتی ہے۔[2] (مکتوبات ۱/۸۸)

---

۱) فتاوی رشیدیہ ۵۶۴ قال ابو السعود فتکون الکراھیة تنزیھیة، والمکروہ تنزیھا یجامع الاباحة اھ (ردالمحتار کتاب الاشربہ قبیل کتاب الصید ج٦ صفحة ٤٦١ سعید)

۲) وفیہ ایضا دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسہ ومالہ ولا ستخراج حق لہ لیس برشوة یعنی فی حق الدافع (شامی ٦/٤٢٣ و٤٢٤) سعید

حقوق العباد

﴿س﴾

کیا حقوق العباد یعنی وہ حقوق جن کا تعلق بندوں سے ہوتا ہے توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔

﴿ج﴾

حقوق العباد نہایت زیادہ خوفناک ہیں حقوق اللہ تو توبہ صادق سے معاف بھی ہو جاتے ہیں مگر حقوق العباد توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے ہیں۔ (مکتوبات ۹۲/۱)

ڈاکٹری علاج

﴿س﴾

آج کل ایلوپیتھک ڈاکٹری علاج رائج ہے کیا اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

﴿ج﴾

ڈاکٹری علاج میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں اگر کسی دوا کے متعلق بالیقین یا بغلبہ ظن یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ناپاک د ناجائز ہے تو اس دوا کو استعمال نہ فرمایئے مطلق ڈاکٹری علاج میں کوئی مضائقہ نہیں حضرت شیخ الہند ڈاکٹر عبدالرحمٰن مرحوم وغیرہ کا علاج کرتے رہے ہیں۔(۱) (مکتوبات ۳۶۵/۱ـ۳۶۶)

مشت زنی وغیرہ کی ممانعت

﴿س﴾

کیا جو شخص شہوت سے مغلوب ہو تسکین کے لیے جلق وغیرہ کے ذریعہ اپنی مراد پوری کر سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے کچھ فقہی عبارتوں سے اس کا جواز پیش کیا ہے۔

﴿ج﴾

والا نامہ دیکھ کر بہت رنج ہوا بالخصوص ان شیاطین خُبثاء پر جو کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا جامہ پہن کر شیاطین

---

۱) وکذا کل تداولا یجوز الا بطاهر (در مختار ۳۸۹/۶) سعید

کے کام کرتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور ہم کو اور آپ کو ہدایت فرمائے اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

محترمی! آپ سورہ مومنون اور معارج میں پڑھتے ہیں کہ اہل فلاح ونجات کی صفات بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(والذین هم لفروجهم حافظون الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر) ملومین فَمَنِ ابتغی وراءَ ذالك فاولئك هم العادون۔

''اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کو نگاہ رکھنے والے اور روکنے والے ہیں (اس سے کہ کسی کی نظر اس پر پڑے یا بدن کسی کا اس میں لگے) مگر اپنی جوروؤں پر یا ان عورتوں پر جن کے وہ مالک ہوئے، پھر بیشک یہ لوگ (اگر اپنی عورتوں یا باندیوں کے ساتھ صحبت کرنے اور لذت حاصل کرنے میں حرص اور بے صبری کریں) تو ان پر ملامت اور اولاہنا نہیں ہے۔ اور ان پر عتاب نہیں کیا جائے گا۔ پھر جو شخص کہ طلب کرے ان دونوں کے سواء (یعنی بیوی اور باندی کے سواء) تو وہی ہیں تعدی اور ظلم کرنے والے (اور پاکی اور عفت کی حد سے آگے بڑھنے والے اور حریصوں اور بے صبروں میں داخل ہونے والے)۔''

میرے محترم! خیال فرمایئے کہ کس زوردار طریقہ پر تمام شہوت رانی کے سب طریقوں کو بجز بیوی اور باندی کے منع کیا گیا اور ایسا کرنے والے کو ملوم اور متعدی قرار دیا گیا اور قرآن مجید میں دو جگہ مکرر کر کے صاف الفاظ میں ذکر کیا گیا۔ دوسرے مقامات میں بھی ممانعت ہے مگر اس صراحت کے ساتھ نہیں۔ استاذ الکل امام اہل اسلام واہل ہند حجۃ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی تفسیر سورۂ تبارک میں سورۂ معارج کی تفسیر میں اسی آیت کے ماتحت ارشاد فرماتے ہیں، ترجمہ تفسیر عزیزی سورہ معارج ص ۲۰۲۔

''اب اس مقام پر جاننا چاہیے کہ آدمی کو شہوت نکالنے کے واسطے کئی طور ہیں لیکن سواء ان دو قسم کے جو شرع میں بے شبہ جائز ہیں باقی سب صورتیں ممنوع اور حرام ہیں اور ان سب حرام قسموں کی تفصیل بہت ہے، ان میں سے ایک لونڈے بازی ہے اور اس سے مراد نجس محل میں دخول کرنا یعنی غلیظ نکلنے کی جگہ میں، پھر یہ کام خواہ مرد سے ہو خواہ اپنی عورت سے ہو یا اپنی لونڈی سے ہو یا اجنبی عورت سے حرام ہے۔ اور اسی قسم سے ہے خانگی عورت کہ بدوں اجرت مقرر کرنے کے اس سے فقط دوستی اور آشنائی کے سبب سے یہ فعل کرتے ہیں اور اسی قسم سے ہے خرچی کی عورت جیسے کنچنی کہ ایک رات یا ایک مہینہ کی اجرت مقرر کر کے اس سے یہ فعل کرتے ہیں اور اسی قسم سے ہے جس عورت سے زبردستی یہ فعل کریں جس طرح غنیم کی فوج دوسرے ملک میں غالب ہونے کے وقت وہاں کی عورتوں سے زبردستی یہ فعل کرتی ہے اور اسی قسم سے ہے متعہ والی عورت یعنی ایک مدت متعین کر کے اس کی اجرت

مقرر کر دینا پھر اس کے ساتھ یہ فعل کرنا اور اسی قسم سے ہے دوسرے کی لونڈی جو اس کے مالک کی رضامندی سے مانگ کر یہ فعل کرتے ہیں، اور اسی قسم سے ہے عورت کے ساتھ یہ فعل کرنا جس کو ہندی میں چپٹی کہتے ہیں اور اسی قسم سے ہے اپنی محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا پھر وہ محرم خواہ نسبتی ہوں جیسے ماں، بہن، خالہ، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی وغیرہ اور خواہ سببی ہوں یعنی سسرال والیاں جیسے جورو کی ماں یا بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ اور خواہ رضاعی ہوں یعنی دودھ پینے کے سبب سے محروم ہو گئی ہوں جیسے دائی جس کا دودھ پیا یا اس کی ماں، نانی، دادی یا اس کی اولاد یہ سب حرام ہیں، اور اسی قسم سے ہے وہ عورت جو ایک شخص کے نکاح میں ہے اس سے بھی نکاح کرنا درست نہیں ہے، اور اسی قسم سے ہے عورت مشرکہ کے ساتھ نکاح کرنا سوائے اہل کتاب کے اور اسی قسم سے ہے فاحشہ عورت سے نکاح کرنا کہ یہ بھی جائز نہیں ہے، سو یہ سب قسمیں ماوراء ذلک میں داخل ہیں اور بالکل حرام ہیں۔"

اب غور فرمایئے کہ جس طالب علم نے آپ کو کتب فقہ کا دھوکہ دیا وہ کہاں تک صحیح کہتا تھا اور اگر بالفرض کسی کتاب میں ایسا ہو بھی تو اس نص صریح قرآنی کے مقابل کیسے مانا جا سکتا ہے اور اگر بالفرض کسی فقیہ نے ذکر بھی کیا ہو تو وہ فقط اس طور سے ہوگا جیسے بھوک سے مرنے والے کو سور کا گوشت کھا لینا یا مردار یا پاخانہ کھا لینا یا پیاس سے مرنے والے کے لیے پیشاب یا شراب پی لینا جس کے لیے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ موت سے بچنے کے لیے اس حرام قطعی کی اجازت فقط اس مقدار میں ہے جس سے جان ہلاکت سے بچ جائے۔ چند لقموں سے زیادہ اور ہر وقت جب بھی بھوک ہو جائز نہ ہوگا۔ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فرمایا گیا ہے۔

میرے محترم! جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج ومن لم یستطع فلیصم فان الصوم له وجاء (کذا فی الصحاح) (۱)

ترجمہ: اے جوانو! جو تم میں سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور نکاح کرے اور جس کو اس کی طاقت نہیں ہے اس کو چاہیے کہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کے لیے خصی ہو جاتا ہے (یعنی روزہ رکھنے سے شہوت کا غلبہ ٹوٹ جاتا ہے جس طرح خصی ہو جانے، فوطوں کے نکل جانے یا کچل جانے سے شہوت ٹوٹ جاتی ہے)۔

بہرحال جلق یا زنا یا اغلام وغیرہ سب کے سب حرام ہیں کسی حال میں ان کی اجازت نہیں یہ سب کے سب شیطانی کام ہیں ان سے بچنا اور پرہیز کرنا اشد ضروری ہے اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ گنہگار مکار شیطان کا بھائی ہے اس کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے۔

---

۱) بخاری شریف باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم ج۲ صفحہ ۷۵۸ قدیمی

(۲) آپ کو جلد از جلد نکاح کر لینا چاہیے بڑا خاندان، امیر گھرانہ، خوبصورت لڑکی، زیادہ جہیز وغیرہ کی تلاش میں دیر ہرگز نہ کرنا چاہیے، ملک اور برادری میں غریب اور امیر دونوں قسم کے لوگ ہیں، غریب گھرانے کی لڑکی آسانی سے مل سکتی ہے اور وہ خدمت گذار بھی ہوگی، نیز بیوہ لڑکی میں اس سے بھی زیادہ آسانی ہوگی۔ اگر کنواری کے ملنے میں وقت ہو بیوہ سے کر لیجئے۔ اگر یہ خیال مانع ہے کہ میرا فقر و فاقہ یا میری تنگ دستی کس طرح اس کو سنبھال سکے گی تو میرے محترم وہ اپنا رزق لے کر آئے گی۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الارض اِلَّا عَلَى الله رِزْقُهَا (سورۂ ہود) نہ بھولیے! ان یکونوا فقرآء یغنیهم الله من فضله (سورۂ نور) یعنی زوج اور زوجہ میں سے کوئی یا دونوں فقیر ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا، اس بشارت عظیمہ کو پس پشت نہ ڈالئے جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ثلث علی الله عونهم الناکح الذی یرید العفاف والمکاتب والمدیون الذی یرید اداء الدین (او کما قال علیه السلام) (۱) یعنی تین شخصوں کی مدد کرنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کر لی ہے، ایک وہ نکاح کرنے والا جو کہ عفت اور عصمت چاہتا ہے، دوسرے مکاتب تیسرے وہ مقروض جو کہ اپنا فرض ادا کرنا چاہتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے اور جلد از جلد جہاں بھی ممکن ہو نکاح کر لیجئے اور عفت کا ارادہ رکھئے۔

(۳) اگر نکاح کے مصارف رسمیہ جوڑے، زیور، بارات اور کنبہ کا کھانا پینا وغیرہ مانع ہو اور تنگدستی اس میں حارج ہے تو آپ کو خود معلوم ہے کہ یہ چیزیں غلط طریقہ پر ہم مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہیں اور اس زمانے کا افلاس اور گرانی ہرگز ہرگز ان امور کی اجازت نہیں دیتی ہیں، ان سب امور کو برادری سے اٹھانا اشد ضروری ہے اور نکاح نہایت سادگی سے معمولی مہر کے اوپر تمام مسلم برادریوں میں جاری ہونا لازم ہے، بڈھے اور عورتیں اس میں ضرور حارج ہونگے مگر برادری کے جوانوں کی پارٹی بنانی اور اس غلط کاری کے خلاف مورچہ قائم کر کے برادریوں کی ان ناقابل عمل رسموں کو اٹھا دینا اور ان کے خلاف جہاد کرنا از بس ضروری ہے، اگر اس میں ماں باپ حارج ہوں تو ان کی اطاعت ضروری نہیں۔ لا طاعةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الخَالِقِ (۲) ان کی بات نہ ماننی چاہیے ہاں ان سے ہاتھا پائی گالی گلوچ مار پیٹ، بے ادبی اور گستاخی بھی نہ کرنی چاہیے۔ اور عدم تشدد کی

---

۱) ترمذی شریف میں روایت کے الفاظ یہ ہیں " ثلاثة حق علی الله عونهم المجاهد فی سبیل الله المکاتب الذی یرید الاداء والناکح الذی یرید العفاف۔" (ترمذی شریف ۱/۱۹۹)

۲) عن علی رضی الله عنه عن النبی ﷺ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الله عزوجل (مسند احمد بن حنبل حدیث ن ۱۰۹۵ تعلیق احمد شاکر ۲/۶۸) فی معصیة الخالق کے الفاظ احقر کو نهیں ملے۔ مجمع الزوائد ج۵ صفحه ۲۹۴ رقم الحدیث ۹۱۴۳ دارالکتب العلمیه بیروت

پالیسی جاری کرکے جوانوں کو ان غلط رسوم کو مٹادینا چاہیے، ان غلط رسوم کی وجہ سے حرام کاری اغلام، زنا، جلق وغیرہ اخلاق اور صحت کو برباد کرنے والی، جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو طرح طرح کی مصیبتوں اور معصیتوں میں مبتلا کردینے والی صورتیں پیش آرہی ہیں جن سے دین اور دنیا کی عزت اور ناموس سب برباد ہوتے جارہے ہیں، نوجوانوں کو غیرت میں آنا چاہیے، اور مضبوطی سے اس کے خلاف جہاد کرنا چاہیے۔

(۴) جب تک آپ نکاح نہیں کرتے ہیں روزہ رکھنے کی کثرت کریں اس سے غلبہ شہوت ان شاء اللہ کم ہو جائے گا اور اعانت الٰہی شامل حال ہوگی، صبح وشام ایک ایک تسبیح استغفار کی پڑھا کریں اور پڑھتے وقت دل حاضر کرکے اللہ تعالیٰ سے سابقہ گناہوں کی معافی اور آئندہ کی حفاظت طلب کریں، نیز صلوۃ الحاجت میں نکاح کی حاجت اور ان گناہوں سے تحفظ کا خیال رکھا کریں۔ (مکتوبات ۴/۹-۱۴)

والدین کی اطاعت

﴿س﴾

والدین کی اطاعت کب اور کن امور میں کرنی چاہیے۔

﴿ج﴾

والدین کی اطاعت ہر اس چیز میں واجب ہے جو کہ از قسم معصیت نہ ہوں لا طاعۃ لِمَخْلُوقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الخَالِقِ (۱)۔ نیز والدین اگر غیر مسلم بھی ہوں تو ان کی خدمت گذاری اور حسن معاشرت ضروری ہے۔ وان جاھداك علی ان تشرك بی ما لیس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما فی الدنیا معروفا۔ (لقمان)

اگر خلاف طبع ابن کو مفارقتِ زوجہ کا حکم کریں تو ابن کا زوجہ کو طلاق دینا ضروری ہے (۲)۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے ان کو باپ کے امتثال حکم کا ارشاد فرمایا (۳)

---

۱) ،فقام عمران بن حصین رضی اللّٰه تعالیٰ عنه، فلقیه بین الناس قال : تذکر یوم قال رسول اللّٰه ﷺ لا طاعة لمخلوق فی معصیة اللّٰه۔ فقال عمران للحکم، سمعت رسول اللّٰه ﷺ یقول لا طاعة لأحد فی معصیة اللّٰه تبارك و تعالیٰ۔" (مسند احمد رقم الحدیث ۲۰۱۳۰، ۲۰۱۳۱)

عن علی رضی اللّٰه تعالی عنه ان رسول اللّٰه ﷺ قال " لا طاعة فی معصیة اللّٰه انما الطاعة فی المعروف " (الصحیح المسلم باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة وتحریمها فی المعصیة ۱۲۵/۲ قدیمی)

۲) عن معاذ رضی اللّٰه تعالی عنه قال : او صانی رسول اللّٰه ﷺ بعشر کلمات، قال " لا تشرك با اللّٰه شیئاً وان قتلت أوحرقت، ولا تعقن والدیك وان أمراك ان تخرج من أهلك ومالك " (مسند الامام احمد بن حنبل، مسند الانصار، حدیث معاذ بن جلب رقم الحدیث ۲۱۵، ۳۱۶/۶ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

۳) ترمذی شریف مع العرف الشذی ۲۲۶/۱

بہرحال مکرہ اور منشط میں والدین کو راضی رکھنا اور خدمت کرنا ضروری ہے الا فی المعصیة ۔
(مکتوبات ص ۳۵۸ ۔ ج ۴)

عورتیں جماعت میں کیسے شریک ہوں

﴿س﴾

عورتیں اگر کسی مرد کی اقتدا کریں تو کیا ان کے اور امام کے درمیان پردہ ہونا ضروری ہے؟ نیز عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

اگر یہ سب عورتیں ذی رحم محرم ہیں تو پردہ کی ضرورت نہیں، اور اگر بعض ایسی ہیں جن سے یہ علاقہ مذکورہ نہیں ہے تو ان میں اور امام میں پردہ ہونا چاہیے عورت مسجد میں جا کر نماز باجماعت پڑھ سکتی ہے، سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے مگر افضل اور بہتر یہی ہے کہ گھر میں پڑھے (۱) اور جس قدر پردہ داری کے ساتھ پڑھے گی اسی قدر نماز افضل ہوگی۔ بیوی کو بھی اپنے شوہر کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے، داہنے نہ کھڑی ہو۔
(مکتوبات ۴/۸۷)

ولدالزنا کی اولاد

﴿س﴾

اگر ماں یا باپ میں سے کوئی یا دونوں زنا سے پیدا ہوئے ہوں تو ان کی اولاد حلالی ہوگی یا حرامی۔ نیز جو نطفہ حالت حیض میں قرار پایا ہو اس کی اولاد کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

جب کہ میاں بیوی میں عقد نکاح شرعی ہو چکا ہے اور وہ قائم ہے تو اولاد حلالی ہی ہوگی، خواہ ماں یا باپ یا دونوں اولاد زنا (حرامی) ہوں یا حلالی جو نطفہ ایام حیض و نفاس میں قرار پایا ہے وہ بھی حلالی ہے البتہ ماں باپ کا یہ فعل ناجائز تھا اور اگر عورت مجبور کی گئی تھی تو وہ گنہگار نہیں۔ (مکتوبات ۴/۸۳)

---

۱) عن ابن عمر رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لا تمنعوا نساء کم المساجد وبیوتهن خیر لهن (ابوداؤد شریف ۱/۸۴)

اونچی ایڑی کا چپل پہننا

﴿س﴾

لیڈی پمپ اونچی ایڑی کا چپل مسلم عورتوں کے لیے پہننا کیسا ہے۔

﴿ج﴾

لیڈی پمپ اونچی ایڑی کا چپل وغیرہ عورتوں کے مخصوص لباسوں میں سے ہیں اگر ان میں مشابہت غیر مسلم قوموں کی عورتوں سے نہ ہو یعنی یہ لباس مسلمان عورتوں میں بھی مستعمل ہو رہا ہو یا ان کے پہننے پر ضرورت مجبور کرتی ہو مثلاً عورت کو سفر درپیش ہے اور ہندوستانی بھدے جوتے یا زیرپائی سے سفر میں دقتیں آمد و رفت میں پڑتی ہیں تو لیڈی پمپ کا استعمال جائز ہوگا، تاہم بہتر یہی ہے کہ اپنا دیسی لباس کھڑی ایڑی کا جوتہ استعمال کریں۔ (مکتوبات ۴/۸۶)(۱)

عورتوں کا لباس

﴿س﴾

عورتوں کو کیسا لباس پہننا چاہیے اور کیسا نہ پہننا چاہیے۔

﴿ج﴾

عورتوں کو ایسا لباس نہ چاہیے جس میں ان کا ایسا جسم ظاہر ہو جو کہ کھلنا نہ چاہیے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں باعتبار نماز اور ہے اور باعتبار خارج نماز، اجنبیوں، ذی رحم محرم، دیگر رشتہ داروں سے اور ہے۔ ایسا لباس نہ ہونا چاہیے جس میں مردوں کی مشابہت ہوتی ہو(۲) ایسا بھی نہ ہونا چاہیے جس میں کفار عورتوں کی مشابہت ہوتی ہو(۳) ایسا بھی باریک نہ ہونا چاہیے جس میں نیچے کا بدن نظر آتا ہو، ایسا چست اور کسا ہوا نہ ہونا چاہیے جس میں اندرونی بدن کی کیفیت نظر آتی ہو(۴) چوڑی دار پائجامہ اگر ایسا کسا ہوا نہ ہو جس سے بدن کی کیفیت نظر آئے

---

۱) عن ابن ابی ملیکة قال: قیل لعائشة رضی اللّٰہ تعالی عنها: ان المرأة تلبس النعل الذی یلبسه الرجال، فقالت: لعن رسول اللّٰہ ﷺ الرجلة من النساء: وهی المترجلة، یقال: امرأة رجلة اذا تشبهت بالرجل فی الزی، فاما فی العلم والرأی محمود، منه ان عائشة رضی اللّٰہ عنها کانت رجلة الرأی۔" بذل المجهود: ۵/۵۷
بذل المجهود شرح ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء: ۵/۵۷ معهد الخلیل الاسلامی کراچی)

۲) عن ابن عباس رضی الله عنه عن النبی ﷺ انه لعن المتشبهات من النساء بالرجال والمتشبهین من الرجال بالنساء (بخاری شریف ۲/۸۷۴) قدیمی

۳) من تشبه بقوم فهو منهم بروایة ابن عمر رضی الله عنه (ابو داؤد شریف ۲/۵۵۹) قدیمی

۴) عن ابی هریرة رضی الله عنه انه قال نساء کاسیات عاریات مائلات ممیلات لا یدخلن الجنة ولا یجدن ریحها (او جز المسالك ۶/۲۰۵) صحیح المسلم، کتاب اللباس، باب النساء الکاسیات العاریات ۲/۲۱۷ قدیمی

بلکہ ڈھیلا ڈھالا ہو تو جائز اور مناسب ہے قمیص کا بھی یہی حال ہے۔ (مکتوبات ۴/۸۴۔۸۵)

نظر کی حفاظت

﴿س﴾

دل جمعی اور معاصی سے حفاظت کے لیے نصیحت فرمائیں!

﴿ج﴾

نظر کی حفاظت کیجئے، استغفار اور ذکر کی کثرت کیجئے، نظر شہوت کو روکئے، متشہاۃ سے اجتناب کیجئے، بالخصوص خلوت ہرگز نہ ہونی چاہیے۔ (مکتوبات ۲/۲۷۶)(۱)

اجنبی سے پردہ

﴿س﴾

اجنبیوں سے کتنا پردہ کرنا عورت پر ضروری ہے۔

﴿ج﴾

جن لوگوں سے نکاح جائز ہے...... خواہ رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ داران سے تمام جسم کا چھپانا فرض ہے۔ خواہ چہرہ ہو یا ہاتھ پیر یا سر کے بال وغیرہ بالخصوص جب کہ فتنے کا خوف ہو (۲) البتہ بوقت ضرورت بمقدار ضرورت اجنبی کے سامنے بدن کھول سکتی ہے، جیسے بیمار کو حکیم وطبیب کے سامنے نبض دکھانا، درد کی اور زخم کی جگہ کھولنا وغیرہ یا قاضی اور گواہ کے سامنے چہرہ کھولنا یا ضرورت خرید وفروخت کے لیے جب کہ اس کا کوئی کارکن نہ ہو ہاتھ سے لین دین کرنا وغیرہ۔ (مکتوبات ۴/۸۷)(۳)

---

۱) عن الحسن مرسلاً قال: بلغنی أن رسول اللّٰہ ﷺ قال "لعن اللّٰہ الناظر والمنظور الیہ" رواہ البیھقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ المصابیح ص۲۷۰ باب النظر الی المخطوبہ الفصل الثالث قدیمی)

۲) قال فی الدر المختار: وتمنع المرأۃ الشابۃ من کشف الوجہ بین رجال لا لانہ عورۃ بل لخوف الفتنۃ کمسہ وان امن الشھوۃ (در مختار مع الشامی ۶/۴۰۶)

۳) عالمگیری ۵/۳۲۸ـ واما نظرہ الی ذوات محارم فنقول یباح ان ینظر منھا الی موضع زینتھا الظاھرۃ والباطنۃ وھی الرأس والشعر والفس الخ الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر الیہ ومالا یحل لہ وما یحل لہ مسہ وما لا یحل

محرموں سے پردہ کی حد

﴿س﴾

اپنے محرم رشتہ داروں سے عورت پر کتنا پردہ کرنا ضروری ہے۔

﴿ج﴾

ایسا رشتہ دار جس سے نکاح جائز نہیں ہے جیسے باپ، حقیقی بھائی یا علاتی بھائی یا اخیافی بھائی، چچا، ماموں، بٹا، داماد وغیرہ ان سے پیٹھ، پیٹ، ناف سے گھٹنے تک کا جسم چھپانا فرض ہے۔ سر، بال، گردن، بانہہ وغیرہ ان کے سامنے کھولے جاسکتے ہیں۔(۱) (مکتوبات ۴/۸۷)

میاں بیوی میں پردہ نہیں ہے

﴿س﴾

کیا شوہر اپنی بیوی کے اور بیوی شوہر کے تمام اعضاء دیکھ سکتی ہے۔

﴿ج﴾

عورت کے تمام اعضا خاوند کے لیے دیکھنے جائز ہیں۔ کسی حصہ جسم کو اس سے چھپانا ضروری نہیں ہے اور اسی طرح مرد کا تمام جسم بیوی کو دیکھنا جائز ہے۔(۲) (مکتوبات ۴/۷۶)

---

۱) وینظر الطبیب الی موضع مرضها، اه (کنز الدقائق ص ۴۲۴ کتاب الکراهیة فصل فی النظر واللمس، کتب خانه رشیدیه)

۲) عالمگیری ۳۲۶/۵۔ مگر افضل یہ ہے کہ میاں بیوی بھی ایک دوسرے کی شرمگاہ نہ دیکھیں۔ الاولی ان لا ینظر کل واحد منهما الی عورة صاحبه۔ وعن عائشة رضی اللّٰه تعالی عنها قالت۔ ما رأیت احدًا کان اشبه سمتا وهدیا ودلاً وفی روایة: حدیثا وکلاماً برسول الله ﷺ من فاطمة، کانت اذا دخلت علیه، قام الیها فأخذ بیدها فقبلها وأجلسها فی مجلسه وکان اذا دخل علیها، قامت الیه فاخذت بیده فقبلته واجلسته فی مجلسها" رواه ابوداؤد" (مشکوٰة المصابیح ۴۰۲/۲ کتاب الادب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثانی قدیمی)

عورتوں سے مصافحہ

﴿س﴾

اپنی محرم عورتوں سے مصافحہ اور دست بوسی کی اجازت ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان سے مصافحہ اور دست بوسی کی جاسکتی ہے شہوت نہ ہونی چاہیے۔ (مکتوبات ۸۷/۴)(۱)

محرم عورتوں کے ساتھ رہن سہن

﴿س﴾

کیا اپنی محرم عورتوں مثلاً خالہ، پھوپھی وغیرہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا درست ہے۔ نیز چچا زاد بہن ماموں زاد بہن اور پھوپھی زاد بہنوں کے ساتھ رہن سہن کا بھی کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

ہر ذی رحم محرم عورت جس کے ساتھ نکاح حرام ہے آپ اس کے ساتھ کھا سکتے ہیں، اسی طرح غیر مشتہاۃ لڑکی کے ساتھ کھا سکتے ہیں اگر چہ اس کے ساتھ نکاح جائز ہو۔ چچا زاد بہن، ماموں زاد بہن، پھوپھی زاد بہن، خالہ زاد بہن، اگر وہ رضاعی بہن نہیں ہے اس کے ساتھ نکاح جائز ہے اس لیے اس کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جاسکتا جو ذی رحم محرم (اپنے حقیقی یا رضاعی بہن اور بیٹی) کے ساتھ کیا جاسکتا ہے یہی حال مصافحہ و دست بوسی وغیرہ کا ہے۔ (مکتوبات ۸۵/۴)(۲)

---

۱) عالمگیری ۳۲۸/۵

۲) قال اللّٰہ تعالیٰ واخوانکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت فافرد بنات الأخ وبنات الاخت با لذکر، لان اسم الاخ والاخت لایتنا ولھن کما یتناول اسم البنت بنات الاولاد۔ (احکام القرآن للجصاص : ۱۷۷/۲ قدیمی)

وقال العلامہ الشامی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ " وفروع أبویہ وان نزلن، فتحرم بنات الاخوۃ والاخوات وبنات اولادہ الاخوۃ والاخوات " ردالمحتار ۲۸/۳ فصل فی المحرمات، سعید (وکذافی الفتاویٰ العالمگیریہ ۲۷۳/۱ الباب الثالث فی بیان المحرمات، رشیدیہ)

مردوں کا لباس

﴿س﴾

مردوں کے لیے شریعت مطہرہ نے لباس کے کیا حدود متعین کیے ہیں۔

﴿ج﴾

مردوں کے لیے شرعی لباس کی کوئی وضع قطع معین نہیں ہے بجز اس کے کہ کشف عورۃ یعنی ناف سے لے کر گھٹنے تک کا کھلنا نہ ہو(۱)، اگر یہ حصہ کل یا بعض کسی لباس میں کھلتا ہے تو ناجائز ہوگا، جیسے دھوتی اور ایسا لباس جو کہ کسی غیر مسلم قوم کا مخصوص ہو اور اس کے پہننے سے ان کا تشبہ ہوتا ہو وہ بھی حرام ہے، اسی طرح عورتوں کا لباس مردوں کو پہننا حرام ہے،(۲) اسی طرح ریشمی کپڑا جس میں ریشم بالکلیہ یا غالب ہو حرام ہے اسی طرح ایسا پائجامہ یا لنگی جس سے ٹخنہ ڈھک جائے (۳) اسی طرح ایسا لباس جس کو متکبرانہ طریقہ پر استعمال کیا جائے اور اس سے غرباء کی تذلیل و توہین اور اپنی بڑائی مقصود ہو، اسی طرح وہ لباس جس کی طہارت میں شبہ ہو یا عدم طہارت کا یقین ہو کسی متبع شریعت اور نمازی کو جب تک کہ اس کو پاک نہ کرلیا جائے یا اس کی پاکی کا ظن غالب نہ ہو جائے اس کو استعمال نہ کرنا چاہیے۔ (مکتوبات ۸۴/۲)

محکمۂ پولیس میں ملازمت

﴿س﴾

کیا کوئی بے روزگار شخص جیل یا پولیس کے محکمہ میں نوکری کرسکتا ہے۔

﴿ج﴾

اگر کوئی صورت تجارت یا صنعت یا پرائیوٹ ملازمتوں وغیرہ کی بالفعل میسر نہیں ہوتی ہے تو جیل ہی میں

---

۱) وھی للرجل ما تحت سرته الی ما تحت رکبته (التنویر ۴۰۶/۲)

۲) عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالی عنهما، قال، قال رسول اللّٰہ ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم، (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة ۵۵۸/۲ دار الحدیث)

۳) عن ابی هریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ "ما أسفل من الکعبین من الازار فی النار" رواہ البخاری (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، الفصل الاول ص ۳۷۳ قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ما اسفل من الکعبین ففی النار ۸۶۱/۲ قدیمی)

ملازمت سپاہیوں وغیرہ میں کرلیں یا پولیس وغیرہ میں ملازم ہو جائیں۔الضرورات تبیح المحظورات۔اگر چہ یہ ملازمتیں بھی محظورات سے خالی نہیں ہیں مگر اھون البلیتین کو اختیار کیجئے،ملازم ہو جانے پر نکاح اور گذران کی صورتیں آسان ہو جائیں گی، ملازمت میں حرام اعمال سے بچنے کی پوری کوشش جاری رکھیں اور فرائض کو ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں، میں ان شاء اللہ دعا کرتا رہوں گا،کاش میری دعا کسی قابل ہوتی۔

(مکتوبات ۴/۱۴۔۱۵)

عمل سیکھنا اوراس کی اجرت لینا

﴿س﴾

تسخیر وغیرہ کے اعمال کو سیکھنا اوران کے ذریعہ آمدنی حاصل کرنا کیسا ہے۔نیز رمل وغیرہ کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

عامل نے علوی عمل کر کے اگر میاں بیوی میں محبت پیدا کرا دی اختلاف کو دور کر دیا تو اجرت تو جائز ہو ہی گی ممکن ہے کہ ثواب بھی مل جائے اوراسی طرح اگر دو شخصوں میں (اجنبی مرد اور اجنبی عورت میں) ناجائز تعلق ہو اور تفریق کر دی تو امید ہے کہ علاوہ جواز اجرت کچھ ثواب حاصل ہو جائے۔نیت پر مدار ہے خلاصہ یہ کہ کسی علوی عمل سے جو کچھ بھی کیا جائے گا وہ نہ صرف جائز ہی ہوگا بلکہ اجرت لینی بھی جائز ہوگی بشرطیکہ جو کام کیا جائے وہ شرعی کوئی ممانعت اور قباحت نہ رکھتا ہو۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ان صحابہ کرام کی اجرت میں شرکت بھی فرمائی جنھوں نے سورہ فاتحہ پڑھ کر بچھو کے ڈنک مارے ہوئے کو اچھا کیا تھا،آسیب کو دور کرنا، جنات کی تکالیف سے نجات دلانا،سانپ بچھو کے زہر کو اتارنا،مختلف امراض کو تعویذوں سے دور کرنا سب پر اجرت جائز ہے۔کسی علوی عمل سے تابع کر کے جائز کام لینا جب کہ وہ بخوشی کام کرتا ہوا ایسا ہی ہے کہ آپ کسی انسان سے کام لیں اور وہ بخوشی آپ کی تابعداری کرے۔ہاں وہ تابع جن اگر روپیہ چرا کر لاتا ہے اور عامل کو معلوم ہے کہ یہ ناجائز چوری سے لایا ہے تو یہ ناجائز ہی ہوگا۔اوراگر جائز چوری سے لایا ہے مثلاً حربی کفار جو کہ جبراً لوگوں سے روپیہ لوٹ کر جمع کیے ہوئے ہوں اس میں سے لایا ہوا روپیہ جائز ہوگا۔

ستاروں کی ارواح سے استفادہ علوی اعمال کے ذریعہ سے جائز ہے۔علی ہذا القیاس ان کو تابع کرنا البتہ رمل سیکھنا سکھانا دونوں حرام ہے دفع شر کے لیے اگر چہ بعض حضرات نے اجازت دی ہے مگر فتویٰ عدم جواز پر ہے ان

سب امور میں سفلی اعمال ناجائز ہیں کیونکہ ان میں الفاظ واعمال شرکیہ کئے جاتے ہیں۔(۱) (مکتوبات ۲/۵۷۔۵۸)

والد اور بیوی کی خوشنودی کے لیے لمبے بال رکھنا

﴿س﴾

میرے والد ماجد کا حکم اور اہلیہ کی خواہش یہ ہے کہ میں لمبے بال رکھا کروں لیکن میرے شیخ مجھے حکم کرتے ہیں کہ میں بال منڈ وادوں ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

بال رکھنا یقیناً سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے(۲) والد ماجد کی اطاعت بھی ضروری ہے اہلیہ محترمہ کی خواہش بھی جب تک کہ حدود شرع کے باہر نہ ہو پوری کرنی مستحسن ہے اور مطلوب ہے۔امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔تحب أن أتزين لها كما أحب أن تتزين لي(۳) ۔''میری زوجہ چاہتی ہے کہ میں اس کے لیے زیب وزینت اختیار کروں۔جس طرح میں چاہتا ہوں کہ وہ میرے لیے زیب وزینت کرے۔'' خلاصہ یہ کہ زینت بھی اول حقوق میں سے ہے۔جن کا پورا کرنا زوجین کے لیے ایک دوسرے پر مطلوب ہے قرآن شریف میں ہے ﴿ وَلَهُنَّ مثلُ الذی علیهن﴾ اس میں بہت سے مصالح بھی ہیں الی آخرہ۔

بنابریں آپ خود مولانا محمد احمد سے ہی رجوع فرمائیں اور عرض کریں کہ حضور میں جناب کے حکم سے سرتابی نہیں کرتا مگر بالوں کے رکھنے میں علاوہ سنت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ ہونے کے والد ماجد کے حکم کی اطاعت اور اہلیہ محترمہ کی خواہش بھی ہے۔جس کی وجہ سے بہت سے مصالح دینی اور دنیوی ہونے کی صورتیں ہیں۔اس لیئے اب آپ ان حالات پر غور فرما کر جو حکم مناسب سمجھیں صادر فرمائیں مجھ کو قوی امید ہے کہ مولانا اس حکم کو اٹھالیں گے۔(مکتوبات ۳۶۴۔۳۶۵،ج ۴)

---

۱) وقد جاء في بعض الاحاديث جواز الرقي وفي بعضها النهي عنها فمن الجواز قوله عليه السلام استرقوا لها فان بها النظرة اى اطلبوا لها من يرقيها ومن النهي قوله لا يسترقون ولا يكتوون والاحاديث في القسمين كثيرة وجه الجمع بينهما ان الرقي يكره منهما ماكان بغير اللسان العربي وبغير اسماء الله تعالى وصفاته وكلامه في كتبه المنزلة وان يعتقد ان الرقية نافعة لا محاله فيتكل عليها واياها (عمدة القارى ۲۱/۲۶۳ وانظر ۲۱/۲۷۹)

۲) عن انس رضي الله عنه ان شعر رسول الله ﷺ كان الى انصاف اذنيه (شمائل ترمذى ۳) باب ماجاء في شعر رسول الله ﷺ ج۲ ص۲۳۷ رحمانيه

۳) قال في الهنديه : وروى عن ابى يوسف رحمه الله تعالى انه قال كما يعجبني ان تتزين لي يعجبها ان اتزين لها (۳۵۹/۵) (الباب العشرون في الزينة واتخاذ الخادم للامة كتاب الكراهيه، رشيديه)

دارالحرب اور سود

کیا ہندوستان دارالحرب ہے

﴿س﴾

کیا ہندوستان دارالحرب ہے اور یہاں سودی لین دین درست ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

لا شك ان الهند دار حرب بيد أن حضرة مولانا النانوتوي قدس سره العزيز كان يرى ان من كان من سكان الديار الاسلامية يباح له ان يدخل الهند ويأخذ من الحربيين الاموال بالربوا والقمار، وامثال ذالك فيه التراضي بغير نقض عهد واما القاطنون بالهند، فليس لهم ذلك ويرى ان النص الفقهي معناه كذلك وله رسالة في ذالك (۱) وأمّا حضرت مولانا الگنگوهي قدس الله سره العزيز فكان يرى ان المسلمين القاطنين والهنود ايضا لهم ان يأخذوه من الانكليز والهند وبيد انه كان لا يفشي بهذ الفتوى لمصلحة حفظ العوام۔

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ ہندوستان دارالحرب ہے مگر حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہ (۲) العزیز کا

---

۱) حضرت نانوتویؒ کا یہ رسالہ ایک مکتوب کی شکل میں ہے جو آپ نے حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ کے نام تحریر فرمایا ہے فارسی زبان میں لکھا ہوا یہ مکتوب (ہشتم) حضرتؒ کے دیگر مکتوبات کے ساتھ مطبوع ہے۔ اور کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں موجود ہے، ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے پانچویں فقہی اجتماع (منعقدہ دیوبند۔ ۱۷۔ ۱۹ رجب ۱۴۱۶ھ) نے بھی اپنی تجویز میں حضرت نانوتویؒ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے غیر اسلامی ملک کے مسلم شہریوں کے لیے وہاں رہتے ہوئے سودی لین دین سے ممانعت کا فیصلہ کیا ہے آئندہ حضرتؒ کے فتاوی مطالعہ کرتے وقت اس وضاحت کو ملحوظ رکھیں۔ محمد سلمان

۲) **لومات الرجل وكسبه من بيع البأزق او الظلم او اخذ الرشوة رشورع الورثه ولايا خذون منه شيئاً وهو اولى ويردونها على اربابها ان عرفوهم ولا تصدقوا بها لان سبيل الكسب الخبيث التصدق اذا تعزر الرد على صاحبه (ردالمحتار كتاب الحظر والا باحة فصل في البيع ۳۸۵/۶ سعيد)**

خیال تھا کہ باشندگان بلاد اسلامیہ کے لیے جائز ہے کہ وہ ہندوستان میں داخل ہوکر سود اور جوئے سے حربی کا مال لے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس میں تراضی طرفین ہو اور عہد شکنی نہ ہو لیکن باشندگان ہند کے لیے جائز نہیں ہے ان کا خیال تھا کہ اس معنی میں نص فقہی بھی ہے چنانچہ اس مسئلہ پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے البتہ حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کا خیال تھا ہندوستان کے رہنے والے مسلمان انگریزوں اور ہندوؤں سے سود لے سکتے ہیں لیکن عوام کی مصلحت کا لحاظ کر کے اس فتوے کو شائع نہیں کرتے تھے۔ (مکتوبات ۱/۱۶۔۱۷)(۱)

ہندوستانی بنکوں کے سود کا حکم

﴿س﴾

ہندوستان میں قائم بنکوں سے سودی معاملہ کرنا اور ان سے سود لینا جائز ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

لا شك ان البنوك الواقعة بالهند بعضها للحربيين المحاربين من اهل اور بأهولآء يدفعون النقود الربوية لجماعتهم التبشيرية اعنى الپادريين لاشاعة المسيحية اذالم ياخذوارباب الاموال الربوا عليها وحديث ان عدم الاخذ حينئذ او جب مفسدة عظيمة افتى ارباب الحل والعقد بوجوب اخذ الربوا ثم صرفها على فقراء المسلمين تصدقا او في غير هذا المحل، حتى انها لو توخذ ثم ترمى في البحر فهي خير من ابقائها في البنوك، اما اخذ الربوا من الهنود فالى الساعة اولئك متوقفون لان اشاعة هذه المسئلة تودى الى جريان الربوا بين المسلمين فان عامة سكان الهند من المسلمين هم فقراء يحتاجون الى الاستدانة بالربوا۔ (۲)

واما الهنود فاولئك اصحاب اموال طائلة لا يحتاجون الى الاستدانة غالباً ومن احتاج منهم قليل فاذا حصلت الاشاعة لهذه الفتوى تكون ذريعة للفساق من ارباب الدنيا من المسلمين ان ينهبوا اموال الضعفاء منهم ويرونها حلالا واما الان فنحن نقول للمسلمين ان

---

۱) ولا ابوابين حربى و مسلم وفي ردالمحتار احترز با العربى عن المسلم الاصلبى والذى و كذا عن المسلم العربى اذا هاجرا لينا ثم عادا اليهم فانه ليس للمسلم ان يرابى منه اتفاقاً (الدر المختار باب الربوٰا ۱۸۶/۵ سعید)

۲) قال الله تعالىٰ ولا تعاونوا على الاثم والعدوان سورة المائدة پارہ ٦ آیت نمبر ۲

اخذ الربوا واعطائها و کتابتها وغیر ذالك حرام فامتنعوا عنه وقللوا مصاريفكم حتى لا تحتاجوا الى الاستدانة، ونقول لهم لا تعينوا باموالكم الطائلة اعدائكم الوطنيين الهنود او غير ذلك ههنا مصالح عديدة مع ان الهنود بالديار الهندية اسراء مثلنا، فان فى نظرى وضعية القاطنين بالهند وضعية الاسير بايدى اهل الحرب لان [۱] احوالنا اشبه بالاسير وبناء عليه يحل لنا من هولاء المحاربين كل شي سوى الفروج كما صرح به الفقهاء اذا تاملتم يظهر لكم الامر وهل يحل من الهنود ام لا محل تامل [۲] وما قلتم ان دفع الفلوس الى البنوك لايحل لا عانة الكفار فهو صحيح وذالك امر واقعى اجتراء عليه ارباب الدنيا ومن لا مبالاة فى قلبه للدين بحيلة انه يخاف على نقود من السراق وارباب الفساد وبان المال اذا كان فى صناديقه لا يحصل له منفعة اصلا بخلافه اذا كان فى البنك [۳]

ترجمہ: ہندوستان میں جو بنک قائم ہیں ان میں سے بعض اہل یورپ کے ہیں جو اسلام کے مخالف اور دشمن ہیں، یہ لوگ سود کی رقمیں پادریوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے ان کے تبلیغی مشن کو دیتے ہیں، جبکہ سود کی رقموں کا مطالبہ روپیہ جمع کرنے والے نہیں کرتے، اس لیے سود کی رقم نہ لینا ایک بڑے فتنہ وفساد کا سبب ہے لہٰذا ارباب فتویٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ سود کی رقم ضرور لینا چاہیے اور بطور خیرات کے مساکین کو تقسیم کر دینی چاہیے یا اور کہیں دیدینی چاہیے، بلکہ سمندر میں پھینک دینا بنک میں چھوڑ دینے سے بہتر ہے، البتہ ہندوؤں سے سود لینے کا معاملہ مسلمانوں میں پھیل جائے گا کیونکہ ہندوستان کے عام مسلمان غریب ہیں اور وہ سودی روپیہ قرض لینے پر مجبور ہیں۔

ہندوا کثر سرمایہ دار ہیں، ان کو سود پر روپیہ لینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور جب جوازِ سود کے فتویٰ کی اشاعت ہوگی تو دنیا دار مسلمان غریب مسلمانوں کے مال کو لوٹ لیں گے کیونکہ مسلمان جائز سمجھ کر ان کو سود دیں گے، ہم مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ سود کا لین دین اور معاملہ حرام سمجھیں اور اس سے باز آئیں اور اپنے

---

۱) لومات الرجل و کسبه من بیع البازق او الظلم او اخذ الرشوة یتورع الورثة ولا یاخزون شیئاً وهو اولی ویردونها علی اربابها ان عرفوهم والا تصدقوا بها لان سبیل الخبیث التصدق اذا تعذر الرد علی صاحبه (ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع ۳۸۵/۶ سعید)

۲) حضرت کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ نے جہاں جہاں بھی بینکوں کے سود کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس سے مراد وہ بینک ہیں جن کے مالک انگریز ہیں ہندوؤں کے بینکوں کے بارے میں حضرت کی یہ رائے نہیں ہے۔ اور حضرت کا یہ فتویٰ آزادی ہند سے پہلے کا ہے۔

۳) لاربا بین حربی و مسلم مستا من ولو بعقد فاسد او قمار ثمه لان ماله ثمة مباح فیحل برضاه (الدر المختار ۱۸۶/۵ باب الربوا مطلب فی استقراض الدراهم عددا)

اخراجات کم کریں، تاکہ قرض لینے کی نوبت نہ آئے اور مسلمانوں سے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ تم اپنی رقموں اور سرمایہ سے اپنے ہم وطن ہندو دشمنوں وغیرہ کی مدد نہ کرو اس کے علاوہ سود نہ لینے میں اور بہت سے مصالح ہیں ہندوستان میں ہندو بھی مسلمانوں کی طرح انگریزوں کے غلام ہیں، میرے نزدیک باشندگان ہند کی حیثیت ان قیدیوں کی سی ہے جو دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں اور ہماری حالت محض قیدیوں جیسی ہے اس بنا پر ان دشمنوں کی ہر چیز ہمارے لیے مباح ہے سوائے عورتوں کے جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے غور کرنے پر یہ مسئلہ روشن ہو جائے گا البتہ ہندوؤں کے ساتھ یہ برتاؤ جائز ہے یا نہیں قابل غور ہے آپ کا یہ فرمانا کہ بنک میں رقم جمع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں دشمنوں کی مدد اور تائید ہوتی ہے، تو یہ بھی درست ہے اور واقعہ ہے کہ دنیا پرست لوگ بنک ہی کی طرف رخ کرتے ہیں، اور وہی لوگ بنک میں روپیہ جمع کرتے ہیں جن کو دین و مذہب کی پابندی کا خیال نہیں ہے اور یہ عذر کرتے ہیں کہ چوروں اور بدمعاشوں سے ہم کو خطرہ ہے نیز جو روپیہ صندوق میں بند رہتا ہے اس سے کوئی نفع نہیں حاصل ہوتا بخلاف بنک کے کہ اس میں نفع ہے۔ (مکتوبات ۱/۱۷۔۱۹)

کیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سود کو جائز کہتے ہیں

﴿س﴾

سنا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دار الحرب میں سود جائز ہے اس کی کیا حقیقت ہے۔

﴿ج﴾

لا شك ان ابا حنيفة رحمه الله تعالى لا يقول بحل الربوا اصلافي وقت ولا مكان وانما يقول لا ربوٰبين المسلم والحربي ثمه فانه لم يره ربواً ونفاه عن مصداق الربوٰ لا انه قال بحل الربوٰ۔

اس میں شک نہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کسی جگہ کسی وقت بھی سود لینا جائز نہیں ہے لیکن امام صاحب کہتے ہیں کہ مسلم اور حربی میں سود کا وجود ہی نہیں ہوتا وہ یہ نہیں فرماتے کہ سود جائز ہے، بلکہ سود کی اس معاملہ میں نفی کرتے ہیں۔ والسلام (مکتوبات ۱/۲۰)

ہندوستان دار الحرب ہے

﴿س﴾

کیا ہندوستان دار الحرب ہے۔

﴿ج﴾

ہندوستان دارالحرب ہے وہ اس وقت تک دارالحرب باقی رہے گا جب تک اس میں کفر کو غلبہ حاصل رہے گا دارالحرب کی جس قدر تعریفات کی گئی ہیں اور جو شروط بیان کی گئی ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ حضرت مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرارہم نے اپنے فتاوی میں اس موضوع پر بحثیں فرمائی ہیں ان پر کوئی اضافہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے جامع الرموز عالمگیریہ جلد۲۔ باب استیلاء الکفار ملاحظہ فرمائیں۔ (مکتوبات ۲/۱۲۳)(۱)

دارالحرب میں سود

﴿س﴾

دارالحرب میں مسلمان غیر مسلم باشندہ دارالحرب سے سود لے سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

دارالحرب میں غدر وخیانت کے سوا ہر طریقہ سے اہل حرب سے اموال حاصل کرنا مسلمانوں کے لیے مباح (جائز) ہے اس لیے مسلمانوں اور حربی کے درمیان معاملہ سود پر سود کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ طرفین کا (امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمۃ اللہ علیہما) اصول ہے ان الربا لا یجری بین المسلم والحربی فی دار الحرب امام ابو یوسف کے نزدیک حربی کے ساتھ بھی سودی معاملات جائز نہیں ہیں جو لوگ از راہ تقویٰ دارالحرب میں سود لینے سے اجتناب کرتے ہیں وہ امام ابو یوسف کے اس ہی مسلک پر عمل پیرا ہیں۔ لیکن یہ تمام تفصیلات اس ہی صورت میں ہیں جبکہ سود لینے والا مسلمان اور سود دینے والا حربی ہو مسلمان کا مسلمان سے سود لینا یا غیر مسلم کو سود دینا متفقہ طور سے ناجائز ہے۔(۲) (مکتوبات ۲/۱۲۳)

---

۱) ولا ربٰوا بین حربی و مسلم وفی ردالمحتار احترز بالحربی عن المسلم الاصلبی والذمی و کذا عن المسلم العربی اذ هاجر الینا ثم عاد الیهم فانه یس للمسلم ان یرابی منه اتفاقاً (الدر المختار باب الربا ۵/۱۸۶ سعید)

۲) دیکھئے شامی ۵/۱۸٦ اوقد الزم الاصحاب فی الدرس ان مرادهم من حل الربوا والقمار ما اذا حصلت الزیادة للمسلم نظراً الی العلة اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان جیسے ممالک میں بھی کاروبار وغیرہ کے لیے سودی قرض کی اجازت نہیں کیونکہ اس میں سود دینا پڑتا ہے جو بہر حال ناجائز ہے۔ باب الربوا مطلب فی استقراض الدراهم عدداً سعید

دارالحرب میں جمعہ کا قیام

﴿س﴾

آزاد ہند کے بارے میں دارالحرب ہونے نہ ہونے اور دارالحرب میں جمعہ کے متعلق سوالات۔

﴿ج﴾

آپ دریافت فرماتے ہیں کہ اس وقت ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ اور دارالحرب میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ تو ہندوستان میں جب سے اقتدار اسلام ختم ہوا جب ہی سے دارالحرب ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ ۱۸۰۳ میں دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیتے رہے فتاویٰ عزیزیہ دیکھئے اور ہمارے اکابر اسی وقت سے دارالحرب کا فتویٰ دیتے رہے اور آج بھی وہی حال ہے جمعہ دارالحرب میں یقیناً ہوتا ہے اور فرض ہے جیسا کہ انگریزی زمانہ میں پڑھتے رہے (۱) ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۶/صفر ۱۳۷۰ھ دارالعلوم دیوبند۔

(مکتوبات ۲/۲۵۰-۲۵۱)

کیا سیکولر اسٹیٹ دارالاسلام ہے

﴿س﴾

زید کہتا ہے کہ حضرت والا نے اپنی کتاب نقش حیات میں سیکولر اسٹیٹ کو دارالاسلام قرار دیا ہے کیا زید کا یہ دعویٰ صحیح ہے! اور آنجناب اسی کے قائل ہیں؟

﴿ج﴾

میں نے کسی جگہ کتاب مذکور میں اس سیکولر اسٹیٹ کو دارالاسلام نہیں لکھا ہے نہ جمہور کے قول پر نہ حضرت شاہ صاحب کے قول پر پھر میں نہیں سمجھتا کہ آپ کا اعتراض کس طرح وارد ہوتا ہے۔ جو جو موجودہ حکومت کے شرمناک کارناموں کے آپ ذکر فرما رہے ہیں مجھ کو انکار نہیں ہے پھر میں کس طرح اس کو دارالاسلام قرار دے سکتا ہوں اور کسی جگہ موجودہ سیکولر اسٹیٹ کی تائید کرنے کے الفاظ سے آپ نے اس کو سمجھا ہے تو وہ از قبیل **اھون البلیتین** ہے نہ بحیثیت دارالاسلام ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ درحقیقت ان علماء کو سمجھانے کے

---

۱) ولو فقد وال لغلبة كفار وجب على المسلمين تعيين وال وامام للجمعة (در مختار ۳۶۸/۵) ۳۶۹ كتاب القضاء مطلب ابو صنفة دعى الى القضاء ثلاث مرات فأبى

لیے تھا جو دارالاسلام اور دارالحرب کے متعلق درمختار وغیرہ کتب فقہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے استدلال کرتے ہوئے عہد انگریزی کو دارالاسلام قرار دیتے تھے لا تصیر دارالاسلام دار حرب الا بامور ثلثة باجراء احکام اهل الشرك وباتصال لها بدارالحرب زمان لا یبقی فیها مسلم۔

ودارالحرب یصیر دارالاسلام باجراء احکام اهل الاسلام فیها کجمعة وعید وان بقی کافر اصلی وان لمتنقل بدارالاسلام۔ (در مختار ۲۷۷/۴)

اس زمانہ میں علماء زمانہ ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ملک میں اقامت جمعہ وعیدین جیسے احکام اسلامیہ اعلانیہ جاری ہیں حکومت ان میں رکاوٹ نہیں ڈالتی اس لیے ہندوستان دارالحرب نہیں ہے دارالاسلام ہے لہٰذا یہاں جہاد نہیں ہوسکتا ہے دارالاسلام ہی کے احکام جاری ہوں گے اگرچہ اقتدار اعلیٰ انگریزوں کا ہے اس کی حقیقت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتویٰ میں نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ ذکر کررہے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ میں سیکولر ہند کو دارالاسلام قرار دے رہا ہوں توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ اور خلاف تصریحات ہے دوسرے اور تیسرے اعتراض میں آپ کا یہ اعتراض ہے کہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کا ارادہ کرنے والا اور صرف انگریزوں کا نکالنے والا میں قرار دیتا ہوں بالکل خلاف واقع اور تصریحات سے روگردانی ہے۔ بہرحال یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے اور اگر بالفرض کوئی عبارت ایسی ہے جس کی دلالت مطابقی یہی ہے دوسری توجیہ اس میں نہیں ہوسکتی تو وہ غلط ہے میں اس سے رجوع کرتا ہوں فرقہ وارانہ حکومت اور سیکولر اسٹیٹ میں بھی تو ایسی صورتیں ہوسکتی ہیں جن کو اسلام قبول کرسکتا ہے مغلیہ حکومت کو دیکھیے اور غور فرمایئے۔ (جولائی ۵۷ء مخطوطات ص ۲۲۱)

مشترکہ بنکوں سے سود لینا ممنوع ہے

(س)

کیا اسلامی ریاستوں کے بنکوں سے سود لینا جائز ہے اور کیا وہ مشترکہ بنک جن میں مسلم وغیر مسلم سب شریک ہیں ان سے سود لیا جاسکتا ہے۔

(ج)

جو بنک ریاست اسلامیہ کے ہیں ان سے سود لینا سمجھ میں نہیں آتا اگرچہ بعض نصوص شامی وغیرہ کے بتلا رہے ہیں کہ دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں سے بھی دارالاسلام کے مسلمانوں کو سود لینے کی اجازت ہے۔ جو سیونگ بنک مشترکہ مسلم اور غیر مسلم کے ہیں ان کا حکم حربیوں کے بنک کا نہیں ہوسکتا ان میں یقیناً

مسلمانوں سے سود لینا پڑے گا(۱)۔ (مکتوبات ۱/۱۵۶۔۱۵۷)

سرکاری بنکوں میں روپیہ جمع کرانے کا حکم

﴿س﴾

سرکاری غیر مسلم بنکوں میں روپیہ جمع کرنا اور ان کے منافع لینا درست ہے یا نہیں۔ اور نفع اگر لے لیا ہو تو اسے کہاں لگایا جائے۔

﴿ج﴾

سرکاری بنکوں میں اور ان بنکوں میں، جن کے مالک غیر مسلم ہوں، روپیہ جمع کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس روپیہ سے وہ کاروبار کر کے مالی فائدہ حاصل کرتے ہیں، اور اسی کے منافع کو اسلام اور مسلمانوں کی تخریب پر صرف کیا جاتا ہے۔ لیکن جمع کرنے کے بعد اس کا سود نہ لینا، اور اس کو بنکوں میں چھوڑ دینا بھی جائز نہیں ہے۔ اس روپیہ کو جو بنکوں کے سود کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں صرف کر دینا چاہیے[1] عالمگیری میں ہے **وما اوجف المسلمون علیه من اموال اهل الحرب وبغیر قتال یصرف فی مصالح المسلمین الخ** جلد:۲۔ کتاب السیر، ص:۲۱۸۔ تفصیلات کے لیے درمختار جلد:۳۔ ص: ۳۴۵۔ اور شرح السیر الکبیر جلد:۳، ص: ۱۴، ۱۷۸، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹ عالمگیری جلد: ۲۔ ص: ۲۱۰۔ وغیرہ ملاحظہ فرمایئے۔ (مکتوبات ۱/۱۲۴)

دارالحرب میں سود کے متعلق چند سوال و جواب

﴿س﴾

دارالحرب کا مسلمان شہری وہاں کے غیر مسلم شہریوں سے سود لے سکتا ہے نہیں۔

﴿ج﴾

دارالحرب کا رہنے والا مسلمان حربی محارب سے دارالحرب میں سود لے سکتا ہے۔

---

۱) ہندوستان کے قومی بنکوں سے سود لینے کا عدم جواز اس فتویٰ سے مستفاد ہوتا ہے۔ کیونکہ قومی حیثیت سے یہاں کے مسلمان شہری بھی ان بنکوں کے مالک ہیں۔ محمد سلمان۔ لاربا بین حربی و مسلم مستامن ولو بعقد فاسد او قمار ثمة لان ماله ثمة مباح فیحل برضاه (الدر المختار ۱۸۶/۵ سعید)

﴿س﴾

افغانستان کا رہنے والا کوئی مسلمان یہاں آکر سود لے سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

افغانستان کے لوگ بھی محارب حربی کافر سے یہاں سود لے سکتے ہیں۔

﴿س﴾

ہندوستان کا مسلمان امریکہ یا انگلینڈ میں جا کر اپنا روپیہ سودی قرض پر دے سکتا ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

ہندوستان کا مسلمان امریکہ انگلینڈ میں سود پر روپیہ قرض دے سکتا ہے۔

﴿س﴾

یہاں کا کوئی زمیندار مسلمان کاشتکاروں سے اگر سود لے تو اس کی اجازت ہوگی یا نہیں۔

﴿ج﴾

زمیندار اگر مسلمان کاشتکاروں سے سود لے گا تو گنہگار ہوگا۔ کیونکہ وہ کافر محارب اور حربی نہیں جس کی اجازت تھی۔ والسلام ۶ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ (مکتوبات ۴/۳۶۷)

رد بدعات وعقائد فاسدہ

ایصال ثواب کا طریقہ

﴿س﴾

ارواح بزرگاں کو طریقہ ایصال ثواب کا کیا ہے۔ کیا کھانا وغیرہ یا شیرینی یا کوئی چیز سامنے رکھ کر اور اگر بتی جلا کر عود وغیرہ سلگا کر چند سورہ قرآن پڑھنا مسنون طریقہ ہے اور اس کھانے میں سے خود بطور تبرک استعمال کرنا اور احباب کو کھلانا اور کچھ غرباء و مساکین کو دینا کیا یہ صحیح طریقہ شرعی ہے؟ کیا اس طریقہ کو مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ اور دادا پیر حضرت امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے۔

﴿ج﴾

ایصال ثواب کا جو طریقہ عوام میں رائج ہے غلط ہے۔ عوام سمجھتے ہیں کہ یہی طریقہ متعین ہے اور رفتہ رفتہ اس میں بہت سی غیر مفید اور ناجائز باتیں داخل کر لی گئیں جو کہ ایصال ثواب کے لیے ضروری سمجھی جانے لگی ہیں مثلاً اس کو تبرک سمجھنا، خود کھانا، بچوں کو کھلانا احباب میں تقسیم کرنا، اغنیاء کو کھلانا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ کھانا اس بزرگ کا پس خوردہ ہے جس کے نام پر ایصال ثواب کیا گیا ہے قراءت قرآن اور فاتحہ کو ضروری سمجھنا اور اسی طرح دیگر امور مثلاً جگہ کا لیپنا خوشبو کا سلگانا پڑھنے والے امام یا مؤذن یا مولوی کا حاضر ہونا اور پڑھنا۔ عوام کے اعتقاد میں یہ امور اگر نہ ہوں تو ایصال ثواب ہی نہیں سمجھا جاتا اور عموماً یہ چیزیں محض نام و نمود اور شہرت کی غرض سے ریاء وسمعۃ کی جاتی ہیں، یا لوگوں کے لعن طعن سے بچنے کی غرض ہوتی ہے اخلاص ہوتا ہی نہیں، علی ہذا القیاس بسا اوقات حلال مال ہی نہیں ہوتا، بالخصوص میت کے وصال کے بعد اس کے ترکہ میں سے جو کچھ کیا جاتا ہے عموماً ورثہ سے اجازت نہیں لی جاتی بالخصوص جبکہ وارث بعض یا کل غائب یا نابالغ ہوں مسکینوں یا فقیروں کو یہ مال دیا ہی نہیں جاتا اور اگر یہ دیا جاتا ہے تو بہت کم اور ادنیٰ قسم کا۔ عمدہ کھانا اور اکثر حصہ اغنیاء اور اہل خانہ ہی کھاتے ہیں حالانکہ ان کے کھانے میں کسی ثواب کی امید ہی نہیں ہوتی حضرت قطب عالم مجدد زماں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات میں فرماتے ہیں۔ (۱)

---

۱) من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الأضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء فی التشہد (رقم الحدیث ۹۴۶) ۳/۳۱ رشیدیہ)

وآدابے کہ بحضور طعام فاتحہ دربار بجامی آرند پس ایں ہم اتباع خیالات فاسدہ خود است ۔ چہ فاتحہ بسبب آں طعام بجائے ذا… فاتحہ نشدہ پس چرا آدابے کہ در استحسان آں بہ نسبت صاحب فاتحہ ہم گفتگو بود بعمل بایہ آورد۔ وملک وے مردیدہ چہ اگر ملک اوست پس چرا فاتحہ کنندگان دخل درآں می کنند بموجب خواہش خود می خورند ومی خورانند بلکہ آں را… ثاں صاحب فاتحہ رسانند نیاز حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا سادات دہند و نیاز حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ باولاد امجاد ایشاں حوالہ نمایند وعلی ہذا القیاس واگرایں آداب بگماں حلول روح صاحب فاتحہ درآں طعام یا مس وے است آں طعام رایا بسبب آنکہ تناول کردہ پس خوردہ اوشد ایں ظنون فاسدہ ایشاں اسد کہ ہرگز معلوم ایشاں نیست واگر بالفرض والتقدیر چیزے ازاں معلوم شود پس حدیکہ در آداب طعام ازاں جائز نہ کردہ پس حاصل از آداب آں طعام نیست مگر حصول مشابہت بکفر ہنود کہ احیانا حبوب وغلات واجناس اطعمہ را پرستش می کنند الخ۔ (صراط مستقیم ص ۵۶ تا ۵۸)

ترجمہ: جو طریقہ کہ فاتحہ کے کھانوں پر مجلسوں میں برتا جاتا ہے یہ بھی اپنے خیالات فاسدہ کی پیروی ہے کیونکہ فاتحہ اس کھانے کے سبب سے جس کا فاتحہ کیا جاتا ہے اس کے لیے نہیں ہوتا پس وہ آداب کیوں بجالائے جاتے ہیں جبکہ فاتحہ کے مستحسن ہونے میں کلام ہے اور وہ کھانا اس کی ملکیت نہیں ہے کیونکہ اگر اس کی ملکیت ہے تو پھر فاتحہ کرنے والے اس کے اندر دخل کیوں دیتے ہیں اپنی خواہش کے مطابق خود کھاتے اور کھلاتے ہیں بلکہ صاحب فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نیاز کے کھانے کو سادات کو دیتے ہیں اور اسی طرح نیاز شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی اولادوں کے حوالہ کرتے ہیں اسی پر اور قیاس کرنا چاہئے اور اگر یہ آداب صاحب فاتحہ کی روح کی سرایت کرنے اور اس کے چھونے کے خیال سے ہوتے ہیں کہ یہ کھانا ان کا کھایا ہوا جھوٹا ہے تو یہ خیالات باطل اور لغو ہیں جو ان لوگوں کو قطعاً معلوم نہیں ہیں اگر بالفرض مان لیا جائے کہ کچھ معلوم ہے پس جو تعریف کہ آداب طعام کے لیے ضروری ہے وہ کھانا اس کھانے کے آداب کا ماحصل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہندوؤں کے طریقے سے مشابہت ہوتی ہے جو کبھی کبھی دانا اور غلہ اور کھانے کی چیزوں کو سامنے رکھ کر پرستش کرتے ہیں۔

چونکہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے دادا پیر ہیں اس لیے کہ ان کی تحریر پیش کر رہا ہوں، خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فیصلہ ہفت مسئلہ صفحہ ۷: پر تحریر فرماتے ہیں۔

اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ (فاتحہ) میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں پر انکار نہیں کرتا۔ اور صفحہ ۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں اس میں بھی کسی کی تعیین کو موقوف علیہ

ثواب کا سمجھے یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقیید ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں ہے۔

سلف میں یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کرلی متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے مگر موافقت قلب ولسان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اس طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ قیودات اور تخصیصات لازم نہ تھیں۔ بلکہ کلی تحقق کی شخصیات تھیں۔ جب تک کسی کو کلام نہ تھا مگر جبکہ عوام کے اعمال واقوال سے حکماء امت نے اندازہ کرلیا کہ یہ قیود ضروری سمجھی جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ محظورات کو مشتمل ہوگئی ہیں، ان کو منع فرمانے لگے، کیونکہ تخصیص مطلق اور تقیید ناجائز ہوگئی ہے۔ جس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود فرمارہے ہیں کہ ناجائز ہے۔

آگے صراط مستقیم کی عبارت ذکر کرنے کے بعد حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ (مرتب)

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز گنج مرادآبادی سے اس طریقہ کی پسندیدگی کو نقل کرنا غلطی ہے والد صاحب مرحوم مدت ہائے دراز تک ان کی خدمت میں رہے تھے جو کہ تقریباً سات آٹھ برس یا زائد ہوتی ہے۔ ان سے بارہا میں نے سنا ہے کہ وہاں اس (۱) طریقہ سے فاتحہ خوانی ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مرتبہ کسی نے میرے سامنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے فاتحہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ میاں ہم تو جب کھانا روزانہ ہمارے یہاں تیار ہوجاتا ہے تو اس کو کسی بزرگ کے لیے فاتحہ دے لیتے ہیں (اوکما قال) بہرحال کوئی تقیید وہاں نہ تھا، اور ہوتا کیونکر، حضرت (شاہ فضل الرحمٰن رحمہ اللہ) حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے خاص شاگرد تھے، اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ اربعین میں ان قیود ورسوم پر انکار فرمایا ہے۔ والد صاحب مرحوم اپنے پیرومرشد میں فنا تھے اگر وہاں طریقہ پسندیدہ ہوتا تو ضرور عمل میں لاتے۔ میں نے حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم ناظم ندوہ سابق اور خلیفہ حضرت گنج مرادآبادی کو دیکھا ہے مدینہ منورہ میں بھی اور مونگیر میں بھی بہت آمد ورفت ان کی خدمت میں رہی ہے۔ اور بہت زیادہ خلط ملط ان کے ساتھ رہا۔ موصوف بہت عنایت فرماتے تھے مگر میں نے کبھی ان کے یہاں یہ طریقے فاتحہ وغیرہ کے نہیں دیکھے، ہاں ختم خواجگان وغیرہ اعمال تصوف ہوتے ہیں۔ (مکتوبات ۱/۲۷۷۔۲۷۸)

---

۱) یعنی جو طریقہ آگے بیان کیا جارہا ہے کہ بلا کسی قید اور اہتمام کے ایصال ثواب کی نیت کرلی جاتی۔

گیارہویں شریف کا کھانا

﴿س﴾

گیارہویں شریف کے نذر و نیاز کا کھانا کھانا چاہیے یا نہیں؟ میرے یہاں اکثر میرے اسکول کے شاگرد جن کے یہاں نذر و نیاز ہوتا ہے اور میرے پاس کھانا وغیرہ بھیج دیتے ہیں ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے۔

﴿ج﴾

گیارہویں شریف کے کھانے میں اگر کھانے میں سب میں نیت ایصال ثواب کی گئی تو غیر محتاج کو نہ لینا چاہیے اور اگر یہ نیت ہے کہ اس میں سے ایک حصہ ایصال ثواب کے لیے باقی ماندہ اہل خانہ اور احباب کے لیے ہے تو کھانا غیر فقیر کو بھی جائز ہوگا وہ حصہ جو آپ کو دیا گیا ہے وہ ایصال ثواب ہی کا ہے تو آپ کو لینا اور کھانا درست نہیں اور اگر اہل خانہ واحباب کا ہے تو جائز ہے[1]۔ (۱/۲۷۹)

جماعت اسلامی

﴿س﴾

جماعت مودودی کیسی جماعت ہے۔

---

۱) یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں، ایک ہے گیارہویں شریف منانا، یہ عمل التزام مالا یلزم کی بنا پر بدعت ہے جیسا کہ حضرتؒ نے اس سے پہلے فتویٰ میں ارشاد فرمایا کہ یہ مروجہ ایصال ثواب کا طریقہ غلط ہے۔ لیکن دوسری چیز وہ کھانا ہے جو اس دن پکایا گیا ہے تو اس کھانے میں شریعت کا مقررہ اصول چلے گا کہ جو کھانا ایصال ثواب کی نیت سے صدقہ کے بطور پکایا گیا ہے اس کا مصرف صرف فقراء ہیں اغنیاء کے لیے اس کا استعمال درست نہیں ہے۔ اسی اصول کے پیش نظر حضرتؒ نے یہ جواب تحریر فرمایا ہے۔ اسی طرح کے ایک فتویٰ کے متعلق قطب العالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں "ایصال ثواب بلا قید طعام وایام کے مندوب ہے اور قید و تخصیص یوم اور تخصیص طعام کی بدعت ہے۔ اگر تخصیص کیساتھ ایصال ثواب ہو طعام حرام نہیں ہوتا گو اس تخصیص کی وجہ سے معصیت ہوتی ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ ۱۳۱) فللانسان ان یجعل ثواب عمله لغيره عند اهل السنة والجماعة، صلاةً كان أو صوما او حجاً أو صدقة أو قراءة للقرآن أو الاذكار أو غير ذلك من انواع البر، ويصل ذلك الى الميت، وينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير (مراقي الفلاح كتاب الصلاة، باب احكام الجنائز، فصل في زيارة القبور ص ۶۲۱، ۶۲۳۔ قديمی)

﴿ج﴾

میں مودودی صاحب اور ان کے لٹریچر اور ان کی جماعت کو سخت گمراہ اور ضال اور مضل (گمراہ کن) سمجھتا ہوں مجھ کو جس قدر بھی ان کی تصانیف دیکھنے کی نوبت آئی اس ہی قدر میرا گمان متعلق عقیدہ بڑھتا گیا۔(۱)

(مکتوبات ۲/۲۴۷)

مودودی جماعت گمراہ ہے

﴿س﴾

مودودی جماعت کے بارے میں حضرت کا کیا خیال ہے۔

﴿ج﴾

محترما! مودودی جماعت کے لٹریچر جن کی اشاعت کی جارہی ہے وہ ایسے مضامین سے لبریز ہیں جو کہ

---

۱) "واما الاقتداء بالمخالف في الفروع کالشافعي، فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدی، عليه الاجماع، انما اختلف في الكراهة ...... ذهب عامة مشايخنا الى الجواز اذكان يحتاط في موضع الخلاف والأفلا، والمعنى انه يجوز في المراعي بلا كراهة وفي غيره معها۔" (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الامامة، مطلب في الاقتداء شافعي ونحوه هل يكره أم لا ج۱ صفحه ۵۶۳ سعید)

عن عبدالله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: "ليأتين على امتي كما أتى على بني اسرائيل حذو النعل بالنعل حتى ان كان منهم من اتى أمه علانية لكان في امتي من يصنع ذلك، وان بني اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملةً وتفترق امتي على ثلث وسبعين ملةً كلهم في النار الاملةً واحدةً" قالوا: مَن هي يا رسول الله؟ قال "ما انا عليه واصحابي" (مشكوٰة المصابيح، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة ج۱ صفحه ۳۰ قدیمی)

فكذا هنا المراد: هم المهتدون المتمسكون بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى، فلاشك ولا ريب انهم هم اهل السنة والجماعة، وقيل: التقدير اهلها من كان على ما أنا عليه واصحابي من الاعتقاد والقول والفعل، فان ذلك يعرف بالاجماع فما اجمع عليه علماء الاسلام فهو حق، وما عداه باطل۔ (مرقاة المفاتيح، كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، تحت حديث عبدالله بن عمرو رضي الله عنه، رقم الحديث ۱۷۱ ج۱ ص۴۱۹ رشیدیه)

عن عبدالرحمٰن بن عوف رضي الله عنه ان النبي ﷺ قال: ابوبكر في الجنة وعمر في الجنة، وعثمان في الجنة، وعلي في الجنة، وطلحه في الجنة، والزبير في الجنة، وعبدالرحمٰن بن عوف في الجنة، وسعد بن ابي وقاص في الجنة، وسعيد بن زيد في الجنة، وابو عبيدة بن الجراح في الجنة۔ (جامع الترمذي: ابواب المناقب، مناقب عبدالرحمٰن بن عوف رضي الله عنه ج۲ صفحه ۲۱۵ سعید)

ضلال سے پُر ہیں گمراہی کے پھیلانے والے ہیں ''مشتے نمونہ از خروارے'' چند باتیں پیش کرتا ہوں۔

صفحہ ۳۲۷: ترجمان ۳۵۔ ۳۶ میں بطور قاعدہ کلیہ لکھا گیا ہے۔

''اگر کسی شخص کے احترام کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس پر کسی پہلو سے کوئی تنقید نہ کی جائے تو ہم اس کو احترام نہیں سمجھتے بلکہ بت پرستی سمجھتے ہیں اور اس بت پرستی کو مٹانا منجملہ ان مقاصد کے ایک اہم مقصد ہے جس کو جماعت اسلامی اپنے پیش نظر رکھتی ہے۔

غور فرمائیے اس کے الفاظ میں وہ عموم ہے جو کہ انبیاء، اولیاء صحابہ، تابعین، ائمہ، مذاہب ومحدثین فقہاء عوام وخواص سب کو شامل ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ رسول ﷺ اور نہ حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہم السلام اور نہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم وغیرہ میں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے کسی کو بھی تنقید سے بالاتر کہنا اور سمجھنا بت پرستی اور شرک ہے ادھر دستور جماعت مطبوعہ مکتبہ جماعت اسلامی لاہور صفحہ ۵ میں ہے ''رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے۔ کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہوالخ۔'' (۲)

آپ ان دونوں اعلانوں اور اصولوں پر غور کیجئے کیا ان میں احکام قرآنیہ اور اصول اسلام اور مسلمات اہل سنت والجماعت سے بغاوت نہیں ہے۔ اور تمام ان مسلمانوں کی تکفیر وتضلیل نہیں ہے جو کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں، قرآن اور حدیث صحیحہ صحابہ کو معیار حق بتاتے ہیں ان کی ہر طرح مدح سرائی کرتے ہیں، ان کے اتباع کا حکم کرتے ہیں۔ مگر یہ جماعت ان کے اتباع کو بت پرستی بتلاتی ہے اور اس قدر عموم کے ساتھ نفرت دلاتے ہیں کہ جن سے نہ صرف صحابہ کرام اور اولیاء اللہ سے انقطاع ہوتا ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام اور خود سید المرسلین علیہ السلام کی تابعداری سے بھی انقطاع پیدا ہوتا ہے۔ نہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم قابل اعتماد رہتا ہے نہ اوامر خلفاء راشدین وشیخین رضی اللہ عنہم اجمعین۔ نہ فتاوی دیگر صحابہ وتابعین اور اوامر ومجتہدات واجماع اہل قرون مشہود لہا بالخیر اور ائمہ مذاہب قابل اعتماد رہتے ہیں اور نہ ان کے مقلدین اور اتباع مسلمان رہتے ہیں بلکہ سب کے سب بت پرست اور ضال ہو جاتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضي الله عنهم ورضوا عنه واعدلهم جنت تجري تحتها الانهار خالدين فيها ابداً ذالك الفوز العظيم۔ (۱)﴾

ترجمہ: ''اور سبقت کرنے والے پہلے مہاجرین اور انصار اور جنہوں نے ان کی پیروی کی نیکوکاری میں اللہ

---

۱) پارہ سورۃ التوبۃ رکوع ۱۳، ۲ آیات: ۱۰۰

ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور اللہ نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغ کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔''

دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے:﴿محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحمآء بينهم تراهم ركعاً سجداً يبتغون فضلاً من الله ورضوانا سيما هم في وجوههم من اثر السجود ذالك مثلهم في التوراة ومثلهم في الانجيل۔ (۱)﴾

ترجمہ:''محمد اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں۔تو ان کو دیکھتا ہے رکوع کرنیوالے سجدے کرنیوالے طلب کرتے ہیں اللہ کا فضل اور خوشنودی ان کی نشانی ان کے چہروں پر ہے سجدوں کے اثر سے یہی ان کی صفت ہے توریت میں اور ان کی صفت انجیل میں۔''

تیسری جگہ فرماتا ہے:

﴿ولكن الله حبب اليكم الايمان وزينه في قلوبكم وَكَرَّه اليكم الكفر وَالفسوق والعصيان اولئك هم الراشدون فَضْلاً من الله وَنعمةً (۲)﴾

''لیکن اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دلوں میں ایمان کی اور اس کو عمدہ کر دکھایا تمہارے دلوں میں اور تمہاری نظروں میں برابنا دیا کفر اور فسق اور نافرمانی کو۔یہی لوگ ہیں جو نیک چلن ہیں اللہ کے فضل اور احسان سے۔''

چوتھی جگہ فرماتا ہے:

﴿كُنتُم خَيرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاس تَامرونَ بِالمَعْرُوفِ وَتَنهون عنِ المُنكَر وتومنون بالله۔الخ﴾ (۳)

''تم بہتر ہو ان امتوں میں جو پیدا ہوئیں لوگوں کے لیے تم حکم کرتے ہو نیک کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے،اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔''

پانچویں جگہ فرماتا ہے:

﴿وَكَذلكَ جَعَلْنَا كُمْ اُمَّةً وَسَطا لِتَكُونوا شهداء على الناس وَيَكُون الرَّسُوْلُ عَلَيْكُم شَهِيْداً۔﴾ (۴)

---

۱) پارہ ۲۶ سورۃ فتح رکوع ۴،۱۳ آیات:۲۹
۲) پارہ ۲۶ سورہ حجرات رکوع ۱،۱۳ آیات:۸،۷
۳) پارہ ۴ سورہ ال عمران رکوع ۱۲،۳ آیات:۱۱۰
۴) پارہ ۲ سورہ بقرہ رکوع ۱۷،۱ آیات ۱۴۳

''اوراسی طرح ہم نے تم کو بنایا ہے۔ امت معتدل، تا کہ ہوتم گواہ لوگوں پر اور ہے رسول تم پر گواہ۔''
رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں معیار حقانیت بتلاتے ہوئے۔ ما انا علیه واصحابی مگر یہ جماعت ان کے معیار حق ہونے کو اور ان کو مبرا از تنقید کہنے کو بت پرستی کہتی ہے جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ﴿''علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ۔''﴾(۱)
اور یہ جماعت ان کی ذہنی غلامی اور معیار حق سمجھنے کو ضلالت اور بت پرستی قرار دیتی ہے۔
جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں فاقتدوا بالذين من بعدى ابى بكر وعمر (۲) اور یہ جماعت اس سے منع کرتی ہے اور بت پرستی کہتی ہے۔
جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اَصحابی کالنجوم فبایهم اقتَدَیتم اهتدیتم (۳) اور یہ جماعت اس کو بت پرستی قرار دیتی ہے۔
جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: رَضیت لامتی مارضی بها ابن ام عبد (۴) اور یہ جماعت اس کو ضلالت اور شرک قرار دیتی ہے۔ (۵)
جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: لَو کَانَ مستخلفاً احدًا بغیر مشورة لا ستخلفت ابن ام عبد (۳) اور یہ جماعت ان کو معیار حق بنانے کا انکار کرتی ہے اور شرک اور اتخاذ ارباب من دون اللہ قرار دیتی ہے۔
جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: لَو کَان الدین عند الثریا لنا له رجل من ابناء فارس (۶) اور یہ جماعت اس کے مصداق اول حضرت امام ابوحنیفہ کو غیر حقانی رحمہ اللہ اور ان کے اتباع کو بت پرست قرار دیتی ہے اور جماعت اسلامی کا نصب العین ایسے امور کو بتلاتی ہے۔
محترما! اگر میں تمام ضلالت اس جماعت کی اور ان احادیث کو جو تمام صحابہ کرام اور تابعین کے معیار حق

---

۱) مشکوٰۃ شریف ج۱، صفحہ ۳۰ قدیمی الفصل الثانی باب مناقب ابی بکر و عمر رضی اللہ عنهما
۲) مشکوٰۃ شریف ج۲ صفحہ ۵۶۰ قدیمی (الفصل الثانی باب الاعتصام با الکتاب والسنة)
۳) مشکوٰۃ شریف ۵۵۴/۲
۴) مجمع الزوائد ۲۹۰/۹
۵) ابن ماجه شریف ۱۳
۶) بخاری شریف ۷۲۷/۲ بلفظ: وضع رسول اللہ ﷺ یده علی سلمان رضی الله عنه ثم قال لو کان الایمان عند الثریا لنا له رجال او رجل من هولاء ومسلم شریف ۳۱۲/۲ بلفظ لو کان الدین عند الثریا لذهب به رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناوله۔

ہونے اوران کی ذہنی غلامی کے واجب ہونے کی ہیں ذکر کروں تو ایک طویل وضخیم کتاب ہو جائے، یہ چند باتیں ذکر کر کے امیدوار ہوں کہ غور کیجئے، اگر سمجھ میں آئے تو جلد از جلد ان سے علیحدہ ہو جایئے اوران کی ضلالتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیجئے۔ ورنہ عذاب آخرت کے لیے تیار ہو جایئے۔ یہ استاد کا احترام اسی وقت تک ہے، جب تک وہ صراط مستقیم پر ہے اور جب کہ اس نے صحابہ کرام کا احترام اور اتباع سلف کرام چھوڑ دیا اور تمام مسلمانوں کے اساتذۂ کرام کو چھوڑ دیا، اور باغیوں اور غیر مقلدوں اور اہل ضلال میں شامل ہو گیا تو کوئی احترام اس کا باقی نہیں رہا مودودیوں کی کتابوں کو پڑھنا ضلالت اور گمراہی ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الضالین، ھدانا اللہ وایاکم لما یحبہ ویرضاہ (آمین)۔

(مکتوبات ۳۹۴/۲۔۴۰۱)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو جانشین کیوں بنایا

﴿س﴾

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کیا غیر مستحسن نہیں ہے کہ انہوں نے یزید جیسے فاسق وفاجر کو خلافت کے لیے نامزد فرمایا۔

﴿ج﴾

اپنے سوالات کا جواب بغور پڑھیے۔

(مقدمہ اولیٰ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں جو احادیث صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات واحادیث صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہے۔

(مقدمہ ثانیہ) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں صحاح میں خصوصی متعدد روایات موجود ہیں مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعاء فرمانا اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا (اے اللہ تو معاویہ کو ہدایت یافتہ اور ہادی بنا دے)(۱)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ان کے تفقہ کا اقرار کرنا وغیرہ اس لیے اگر تاریخ کوئی واقعہ ان روایات کے خلاف پیش کرے گی تو تاریخ کی تغلیط ضروری ہوگی۔

(مقدمہ ثالثہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے ان کی

---

۱) ترمذی شریف ج۲، صفحہ ۲۴۷ ابواب المناقب مناقب معاویہ بن ابی سفیان رحمانیہ

روحانی اور قلبی اس قدر اصلاح ہوگئی ہے اور ان کی نسبت باطنیہ اس قدر قوی ہوگئی ہے کہ مابعد کے اولیاء اللہ سالہا سال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اجماع امت ہر ہر صحابہ کی افضلیت کا بعد والوں پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل رحمۃ اللہ علیہ ہیں یا معاویہ رضی اللہ عنہ؟ تو فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس گھوڑے کی نتھنوں کی خاک جس پر سوار ہو کر انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے افضل ہے۔

(مقدمہ رابعہ) معصوموں سے اگرچہ قصداً گناہ نہیں ہوسکتا مگر غلط فہمی سے بسا اوقات ان سے بڑے سے بڑا گناہ ہو جاتا ہے مگر یہ گناہ صورتاً ہی گناہ ہے حقیقتاً نہیں ہے۔ حقیقت میں اس کو گناہ نہ کہا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر پکڑ کر کھینچنا ایک پیغمبر کی اور وہ بھی بڑا بھائی سخت اہانت ہے جو کہ دوسری جگہ میں کفر بلکہ شدید کفر ہے مگر یہاں گناہ بھی نہیں شمار کیا گیا محشر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبطی کے قتل کرنے کی وجہ سے مقام شفاعت عامہ میں اقدام کرنے میں جھجک ہوگی مگر یہ امر اس وقت باعث خوف نہ ہوگا حالانکہ وہ کافر تھا ملک دارالحرب تھا دشمن خدا اور رسول کا ہم قوم اور رشتہ دار تھا، ظالمانہ طریقہ پر اسرائیلی پر غلبہ کرتا ہوا ستا رہا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کا ارادہ بھی نہ کیا تھا اور پھر اس کے بعد معافی مانگ لی اور معافی دے دی گئی، قال رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفرله انه هو الغفور الرحیم، قال رب بما انعمت علی فلن اکون ظهیراً للمجرمین (۱) (سورۂ قصص) مگر اس ذنب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے استغفار بھی منقول نہیں حضرت موسیٰ نے الواح کو پٹک دیا و القی الالواح (سورۂ اعراف) کتاب اللہ کو پھینکنا اور پھر وہ کتاب اللہ جو خود کو دی گئی جس میں شبہ بھی نہیں کس قدر بڑا گناہ ہے۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کوئی مواخذہ نہیں ہوا یقیناً یہ دونوں امور اس غلط فہمی پر مبنی ہیں جو ان کو حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی تھی اور اس جوش نے یہ سب کچھ کرایا تھا۔ جو عشق خداوندی نے شرک کے حالت کے مشاہدے سے پیدا کیا تھا یہ جوش اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا جبکہ طور پر خبر دی گئی تھی۔ فانا قد فتنا قومك من بعدك و اضلهم السامری (۲) اور قبطی کا قتل عصبیت نسبی پر مبنی تھا اس لیے وہ خطرناک ہوا اگر معصوم غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بڑے بڑے امور کا مرتکب ہوسکتا ہے تو غیر معصوم خواہ وہ کتنا ہی بڑی منقبت والا کیوں نہ ہو کیوں نہیں ہوسکتا؟ اگر اس غلط فہمی کی وجہ سے نبی اور کتاب اللہ کی اہانت اور ہاتھا پائی پر مواخذہ نہیں ہوتا تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صاحبزادوں رضی اللہ عنہم سے جنگ و جدال پر کیا مواخذہ متروک نہیں ہوسکتا۔ اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ بھائی پر ان کی رشتہ داری اور قرابت قریبہ کی وجہ سے تیز ہوسکتا ہے۔

---

۱) پارہ ۲۰ سورۃ قصص رکوع ۲، ۵ آیات نمبر ۱۶۔ ۱۷

۲) پارہ ۱۶ سورۃ طٰہٰ رکوع ۴، ۱۳ آیات نمبر ۸۵

تو بنی ہاشم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صاحبزادوں رضی اللہ عنہم پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا غصہ تیز کیوں نہیں ہوسکتا؟ ہر دو ابناء عم ہی تو ہیں۔

(مقدمہ خامسہ) ہم فرط عقیدت اہل بیت میں آکر ہر دو کے مقامات اور اس زمانے کے احوال سے بالکل غافل ہوجاتے ہیں مؤرخین بھی اس مقام میں اپنے فرائض میں کوتاہی کر بیٹھتے ہیں مندرجہ ذیل احوال پر نظر ڈالیں۔

عبد مناف کے چار بیٹے ہیں۔ عبد شمس، نوفل، مطلب، ہاشم، عبد شمس نے قریشی ہی کی لڑکی سے کثرت اولاد حاصل کی بنی امیہ پھلے اور پھولے اور خاندان میں کثرت ہوئی ہاشم کے کوئی اولاد کسی مکی عورت سے نہیں ہوئی ایک لڑکا نجاریہ عورت سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوا اس کی صغرسنی میں ہاشم کا انتقال ہوا لڑکا ننہیال میں پرورش پاتا ہے جب بڑا ہوتا ہے تو چچا یعنی مطلب اس کو مکہ میں لاتا ہے۔ وہ اونٹنی پر ردیف ہے لوگ اس کو مطلب کا غلام سمجھ کر عبدالمطلب کہہ کر پکارنے لگتے ہیں اس کا نام شیبۃ الحمد ہے مگر اس نام کو کوئی نہیں جانتا۔ اس لڑکے کی پرورش وغیرہ کا تکفل چچا یعنی مطلب ہی کرتا ہے (یعنی وہ اس زمانہ میں ہر طرح دست نگر چچا ہی کا ہے) لڑکا اگرچہ ہونہار ہے، اور وہ شرافت طبعی اور اخلاقی ایسی رکھتا ہے کہ چچا اور اس کی اولاد نہایت محبت اور شفقت کرنے لگتے ہیں اور اس کی اخلاقی عظمت اجنبیوں کو بھی گرویدہ بناتی ہے (اور کیوں نہ ہو؟ نور محمدی علیہ السلام اس کی پشت میں جلوہ ریز ہے) مگر یہ زمانہ فخر بالانساب فخر بالاحساب، اور فخر بالمال اور فخر بالعز کا ہے، یہ لڑکا ہاشم کی نسل سے ہے مگر ماں باہر کی، اس کے کوئی بھائی حقیقی جو کہ قوت بازو ہوتا موجود نہیں، مال جس کی وجہ سے عزت اور ناموری پیدا کرتا موجود نہیں۔ اس لیے اس کے لیے عزت کا سامان نہیں ہے اس کے اخلاق جمیلہ لوگوں کو کھینچتے ہیں، عوام میں اس کی عزت اور توقیر ہوتی ہے، اس صورت میں ابناء عم کو رشک پیدا ہونا طبعی امر ہے، اور ان کو یہ حسد لوگوں کے سامنے بھی اور اپنے قلب میں بھی حسب رواج زمانہ و ملک مجبور کرتا ہے کہ اس کو حقارت کی نظر سے دیکھیں اور نسب کو ظاہر کریں۔

عبدالمطلب بڑے ہوتے ہیں تجارت کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں خواب میں زمزم کو دیکھتے ہیں جس کو جرہم نے بند کر کے اس طرح معدوم النشان کردیا تھا کہ پتہ بھی نہیں چلتا تھا، حالانکہ یہ کنواں بنی اسماعیل علیہ السلام کا مایۂ فخر تھا۔ عبدالمطلب خواب کے اشارے کے موافق کنواں کھودنا چاہتے ہیں۔ ابناء عم مانع ہوتے ہیں جس قدر بھی دلائل عقلیہ پیش کیے جاتے ہیں۔ سب اس رشک اور ظاہری قوت کے سامنے بیکار ہوجاتے ہیں قلت عدد اور ضعف بالرجال آخر کار ناکامی کا منہ دکھاتی ہے (آخر تو اس دنیا میں ہمیشہ قوت ہی سے لوہا منوایا گیا ہے۔ تہذیب اور تمدن عقل اور انسانیت کا مدعی یورپ آج کیا کر رہا ہے؟) اس زمانہ میں تو اس قوت

کابت جس قدر بھی رنگ لاتا کوئی تعجب خیز نہیں۔ عبدالمطلب مجبور ہو کر خداوند کریم سے نذر کرتے ہیں کہ اگر میرے اس قدر اولاد ہو جائے جو کہ رقباء وحساد کا مقابلہ کرے تو میں ایک بیٹے کو تیرے واسطے ذبح کروں گا۔ اپنی اس قوت کے لیے ہر بڑے خاندان میں متعدد شادیاں کرتے ہیں خداوند کریم اپنے فضل سے ان متعدد ازواج سے بہت اولاد ذکور واناث دیتا ہے۔ بیٹے جوان ہو جاتے ہیں، متعدد داماد ہو جاتے ہیں، خاندانوں میں مصاہرت کی وجہ سے قوی رشتہ داری قائم ہو جاتی ہے۔ اب بارہ نوجوانوں قوی ہیکل بیٹوں کو لے کر زمزم کھودنا چاہتے ہیں، پھر وہی ابناءعم مانع آتے ہیں، مگر اب عبدالمطلب تن تنہا نہیں ہیں، ان کے ساتھ جانثار و دیو قوت قوی ہیکل جوان بیٹے ہیں جو شخص سامنے آئے اس کو موت کا پیالہ پلانے کے لیے تیار ہیں ایک ایک نفر سو سو کا مقابلہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا۔ ہمدرد بہت سے پیدا ہو چکے ہیں عبدالمطلب کی عظمت کا سکہ بیٹھ چکا ہے بالآخر عبدالمطلب بیٹوں وغیرہ کی امداد سے کنواں کھود ڈالتے ہیں۔ اور ابنائے عم کو سخت ناکامی اور عاجزی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ کنویں کے ظاہر ہو جانے اور پرانی نشانیوں کے ہویدا ہونے سے عبدالمطلب کی عزت اور ناموری کو چار چاند لگ جاتے ہیں، سقایۃ الحاج ان ہی کا حصہ ہو جاتا ہے، جس سے تمام عرب اور حجاج وعمار میں ان کا بے مثل وقار قائم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ وقار اخلاقی ہے دور بین انصاف پسند عقلمند لوگ اس کی ضرور قدر کرتے ہیں مگر ظاہر بیں اشخاص جن کی ہر زمانہ اور بالخصوص اُس زمانہ اور اس شہر اور ملک کی اکثریت ہے وہ مادی ہی برتری کے پجاری ہیں جو کہ ابنائے عم یعنی بنی امیہ میں ہی ہے۔

پھر جناب رسول اللہ ﷺ کا ظہور بنی ہاشم میں ہوتا ہے اور بنی عبدالمطلب میں ہوتا ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ بالآخر خیف بنی کنانہ میں ہر قبیلوں کو تین سال تک قید اور نان کو آپریشن کی مصائب جھیلنی پڑتی ہے۔ ابناءعم کی مادی طاقت میں اس قدر اضافہ ہو گیا ہے کہ قبائل عرب اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے، مگر آسمانی طاقت بنی ہاشم کے ساتھ ہے۔ بالآخر صلح اور نان کو آپریشن کو فیل کرنے کی نوبت آتی ہے، تاہم نہ ان کی قلبی آتش رشک میں کمی آتی ہے اور نہ ان کی مادی طاقت میں۔ جناب رسول اللہ ﷺ حسن تدبیر عمل میں لاتے ہیں، ان صاحبزادیوں کو جن کو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے طلاق دلوادی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یکے بعد دیگرے اور تیسری کی ابوالعاص ابن ربیع سے شادی کر دیتے ہیں، جس سے بنی امیہ کی طاقت میں نیز ان کی رشک کی آگ میں کمی کی قوی امید ہے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بیوہ ہو جانے پر حبشہ میں نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس خط بھیج کر شادی کرتے ہیں، اس شادی کی خبر ابوسفیان کو جب پہنچتی ہے تو ان کی حمیت اور غضب کی آگ ایک درجہ تک ضرور ٹھنڈی پڑتی ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ وہ یعنی جناب رسول اللہ ﷺ اس کے اہل ہیں جناب رسول اللہ ﷺ کے تعدد ازواج کا سلسلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے جس میں سے

ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے جس کو سیاسی مصلحت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آپ کی ازواج میں کوئی ہاشمیہ، مطلبیہ، یا انصاریہ عورت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ یہ قبائل تو آپ پر جانثار پہلے ہی سے تھے ان سے علائقِ مودت، نصرت قائم کرنے اور ان کی آتش حسد کو بجھانے کی ضرورت ہی نہیں، آسمانی نصرت نے بالآخر تمام بنی اعمام کو آپ ﷺ کے سامنے سر جھکانے اور بنی ہاشم کا لوہا ماننے پر مجبور کیا مگر تاہم ان کی مادی طاقت کم نہیں ہوئی۔ حدیبیہ کے میدان میں صلح کا پیغام دینے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی بنا پر عمل میں لایا گیا جس کی تصریح خود جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمائی اور یہی ہوا بھی کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قریش کے مجمع میں پہنچتے ہیں تو عبد شمس اور بنی امیہ ان کے دائیں اور بائیں آکر ان کو ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور انتہائی عزت کرتے ہیں مخالفین اسلام جو مسلمانوں کے قتل اور توہین کے انتہائی پیاسے تھے ان کو گزند نہیں پہنچا سکتے۔ فتح مکہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مبارک سعی، جناب رسول اللہ ﷺ کی حسن تدبیر رنگ لاتی ہے اور ابوسفیان مسلمان ہو کر وہ عزت ظاہری بھی حاصل کر لیتے ہیں جس سے ان کا اور ان کے خاندان بنی امیہ کا سر تمام قریش میں اونچا ہو جاتا ہے آپ اعلان میں یہ کلمات فرما دیتے ہیں مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِی سُفْیَانَ فَهُوَ آمِنٌ (جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا امن پا گیا) ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ بنی امیہ اگرچہ سر جھکانے پر مجبور ہو گئے مگر ان کا وقار برباد نہیں کیا گیا، بلکہ زندہ ہی رکھا گیا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا آنا جانا اور جناب رسول اللہ ﷺ اور بعد کے خلفاء کا احترام قائم دائم ہے اس رشتہ کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماموں اور صاحبزادوں حضرت حسین حسن رضی اللہ عنہما کے نانا مانے جاتے ہیں الغرض یہ خاندان نہ تو اس قدر اجنبی ہے جتنا ہم سمجھتے ہیں اور نہ اس قدر گرا ہوا ہے جتنا اہل تاریخ ابناء زمان ظاہر کرتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان کی پالیسی صلہ رحمی کی اس قدر زور پکڑتی ہے کہ بنی امیہ تقریباً کامل عروج مادی حاصل کر لیتے ہیں اور بنی امیہ کا جذبۂ اعتلاء اور قوت اس قدر زور پکڑ لیتا ہے کہ وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ مسلمان کا اقتدار اور تحفظ اب صرف بنی امیہ ہی کر سکتے ہیں، اسی درمیان میں واقعہ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیش آگیا۔ اہل فتنہ کے سردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ربیب ہیں محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ جن کی وجہ سے یہ فتنہ پیش آیا، ان کی پرورش حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمائی تھی، اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نکاح میں تھیں، باوجودیکہ حضرت علی اور ان کے صاحبزادے اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم اس فتنہ سے بالکل علیحدہ تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سراسر حامی تھے، مگر مصالح وتقیہ وغیرہ کی وجہ سے اہل فتنہ کو دفع نہ کر سکے۔ نہ اس کے بعد اپنے اقتدار اور بیعت کے بعد اہل فتنہ سے قصاص لے سکے، اس پر یہ عقیدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قوی ہو جانا مستبعد نہیں ہے کہ نظام خلافت جو کہ مادی قوت کا بہت زیادہ محتاج

ہے۔ بنی ہاشم سے نہیں ہوسکتا۔ وہ اگرچہ تقویٰ اور صلاحیت کی حیثیت سے بہت بلند ہیں مگر مادی اور حسن تدبیری میں اعلیٰ قابلیت نہیں رکھتے، اس کے لیے غزوۂ جمل اور غزوۂ نہروان وغیرہ ان کے نزدیک بہت بڑے شہود عدل ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے ہی لوگوں کو بھی سنبھال نہیں سکے خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ ہے کہ خلافت اور نظام اسلامی برقرار رکھنے اور ترقی دینے کے لیے مادی طاقت اولین شرط ہے اور اس میں آج صرف بنی امیہ تمام قریش میں واحد مرکز ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بنی ہاشم اور دیگر مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ اس کے یعنی خلافت اسلامیہ کے لیے اولین شرط تقویٰ اور خدا ترسی ہے اور اس کے واحد مرکز بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، یہ دونوں اجتہادی نظریے اپنا پھل پھول لاتے ہیں، یقیناً ہمارے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ صحیح ہے، اور جمہور اہل اسلام بھی یہی رائے رکھتے تھے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ کو بالکل غلط بھی نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال صفین کا ناگوار واقعہ پیش آیا اور آخر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور شرائط کی نوبت آئی جس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونگے۔

اب اس کے بعد بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا گیا جس میں اندرونی سازش حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی مگر اس کے لیے کوئی مستند ثبوت نہیں (۱) ہے اور نہ یہ امر ان نصوص کے موافق ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق قرآن اور احادیث صحیحہ میں وارد ہیں۔ یا خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وارد ہیں اس لیے اگر زہر کا واقعہ ثابت بھی ہوجائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سازش یقیناً غلط اور بے بنیاد ہے۔

دوسرا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یزید کی خلافت کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوشش فرمائی اور اس کو نامزد کیا اور لوگوں سے بیعت کا سامان کیا اور اسی امر کو آپ پوچھ رہے ہیں تو اس میں مندرجہ ذیل امور قابل لحاظ ہیں۔

---

۱) تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی طبعی موت سے اپنے بستر پر وفات پائی۔ یہ کہنا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دلوادیا تھا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں۔

فلم یزل مقیماً بالمدینة الی أن هلك سنة تسع وأربعین علی فراشه، وما قیل ان معاویة رضی الله عنه دس الیه السم مع زوجته فهو من أحادیث الشیعه (ابن خلدون ج۲/ص ۱۸۲) حضرت حسن رضی اللہ عنہ برابر مدینہ میں مقیم رہے یہاں تک کہ ۴۹ھ میں اپنے بستر پر وفات پائی۔ اور یہ جو مشہور کیا گیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی سے سازش کر کے انہیں زہر دلوایا ہے یہ شیعوں کی من گھڑت حدیثوں میں سے ہے۔ (مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی)

(الف) اس کے متعلق آیا ایسی مستند تاریخی روایات موجود ہیں جن کو ان روایات صحیحہ اور نصوص قرآنیہ کے مقابل لایا جا سکے جو کہ علوشانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر دلالت کرتی ہیں یقیناً ایسی روایات نہیں ہیں اس لیے کیوں نہ کہا جائے کہ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ خود یزید اور اس کے اعوان نے اس کے لیے کوشش کی (یہ لوگ متقی نہ تھے اور ملوکیت پسند تھے) عام مسلمان اور بالخصوص اہل حجاز اس کے خلاف تھے۔

(ب) اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یا سعی اس کے لیے ہوئی تھی تو جب کہ حسب شروط صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ان کی وفات ہو چکی تھی تو پھر اب ان عہود و مواثیق کی رعایت باقی ہی نہیں رہی تھی جو کہ بحیثیت صلح ضروری تھیں اب اپنے اجتہاد اور رائے پر عمل کرنا رہ گیا تھا ان کی وہ رائے کہ مستحق خلافت وہ شخص قریشی ہو سکتا ہے جس میں مادی قوت اور حسن تدبیر ہو اور یہ امر بنی امیہ میں عموماً اور یزید میں خصوصاً موجود ہے یزید کو متعدد معارکِ جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحر ابیض اور بلاد ہائے ایشیائے کوچک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا تاریخ شاہد ہے کہ معارکِ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے اس کے فسق و فجور کا علانیہ ظہور ان کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی ایک وہ شخص جو کہ فقیہ فی الاسلام ہے اور حسب دعوات مستجابہ ہادی اور مہدی ہے۔ والذین معه اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعاً سجدا یبتغون فضلا من الله ورضوانا کا مصداق اور ولکن الله حبب الیکم الایمان وزینه فی قلوبکم وکره الیکم الکفر والفسوق والعصیان کا مظہر کنتم خیر امة اخرجت للناس اور "اصحابی کالنجوام" اور "الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم غرضا من بعدی۔" (مشکوٰۃ شریف ۵۵۴/۲) وغیرہ احادیث و آیات کا مورد ہے کیا وہ کسی مجاہر بالفسق والعصیان کو عالم اسلامی کی رقاب اور اموال وغیرہ کا ذمہ دار کر سکتا ہے۔ بخاری شریف کی بعض روایات سے کچھ نامزدگی کے اشارات معلوم ہوتے ہیں مگر ان میں تصریح نہیں ہے صرف رغبت اور پروپیگنڈا مفہوم ہوتا ہے پھر یہ بھی تصریح نہیں ہے کہ یہ پروپیگنڈا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے امر اور اطلاع سے ہو رہا ہے۔

(ج) اگر بالفرض یہ امور تسلیم بھی کر لیے جائیں تو غایت مافی الباب ایک خطا کا ارتکاب معلوم ہوتا ہے جو کہ انسانی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری ہے۔ جس سے کوئی مقرب یا ولی خالی نہیں ہو سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے معصوم ہیں۔ اس کمزوری کا مرکز نہ صرف محبت اولاد ہے بلکہ یہ تجربہ اور ظن قوی بھی ہے کہ امت مسلمہ کے اس وسیع احاطے کو بجز ایسی قاہر ہستی اور ایسے منتظم اور مادی قوت والے شخص کے موجودہ قریش میں سے کوئی سنبھال نہیں سکتا تھا۔ بنی ہاشم اور دیگر اشخاص میں اگرچہ ایسی بے مثال ہستیاں موجود ہیں جو کہ تقویٰ اور خشیت الٰہی کے

آفتاب ہیں مگر یہ امر اتنے بڑے مہم امر کے لیے کافی نہیں ہے ورنہ سفک دماء اور اضاعت اموال اور فساد فی الارض پیدا ہوگا اس لیے اہون البلیتین کو اختیار کرنا لازم ہے۔ ادھر تنافس خانگی بھی رنگ لاتا ہے۔ بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق حسن ظن جس کے لیے نصوص متعددہ وارد ہیں کسی حال میں چھوڑا نہیں جاسکتا۔ خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات مبالغہ اور آپس کے تخالف سے خالی نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بالسرائر

(مکتوبات ۱/۲۴۲۔۲۵۱)

میلاد میں قیام

﴿س﴾

کیا مجلس میلاد میں ولادت شریفہ کے وقت قیام کا التزام درست ہے۔

﴿ج﴾

مجالس مولد قیام برائے صلوۃ وسلام ہونا خلاف واقع ہے (کما سنذکر) اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس وقت یعنی ذکر ولادت شریفہ کی تخصیص کرنی یہ تخصیص مطلق ہوئی جو کہ بالاتفاق فقہاء درست نہیں۔

(مکتوبات ۱/۲۳۲)

میلاد میں قیام کی حقیقت

﴿س﴾

میلاد میں قیام کرنے کی کیا حقیقت ہے۔

﴿ج﴾

واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام ذکر ولادت کے لیے کیا جاتا ہے جس میں عموماً پڑھنے والے اور سننے والے جناب رسول اللہ ﷺ کا استقبال اور تعظیم بالقیام سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر اس کے تارک کو تارکِ تعظیم جناب رسول سرور کائنات علیہ السلام سمجھتے اور کہتے ہیں، درود شریف کے پڑھنے کے لیے قیام کوئی نہیں سمجھتا۔

اردو موالد میں پڑھا جاتا ہے، ع ''اٹھو بہر تعظیم آتے ہیں حضرت'' اور بعضوں میں اس کے ہم معنی اشعار اور کلمات ہوتے ہیں، بنابریں بہت سے عامی تو یہ سمجھتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام خود مجلس مولود میں اس وقت تشریف لاتے ہیں اگرچہ ہم نہیں دیکھتے۔ اس لیے تعظیماً کھڑا ہونا چاہیے اور بہت سے وہ لوگ جو کہ اپنے

آپ کو سمجھدار اور واقف سمجھتے ہیں، کہتے ہیں کہ جناب سرور کائنات علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا استحضار بالذکر ہوا ہے تو جبکہ آپ جناب والدہ ماجدہ کے بطن مبارک سے اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے ہیں اس کا خیال آنے پر ہم کو آپ کی تعظیم بجالانی چاہیے یعنی وہ معاملہ کرنا چاہیے جو کہ آنے والے کے ساتھ کیا جاتا ہے، بہر حال یہ کہنا کہ آپ مجلس مولود میں تشریف لاتے ہیں یا یہ کہنا کہ صورۃ ولادت کا استحضار کرتے ہوئے کھڑے ہونا چاہیے ہر دو میں تعظیم قادم ان لوگوں کے ذہن میں ہوتی ہے، اور قیام نہ کرنے والے کو جناب رسول اللہ ﷺ کی تعظیم نہ کرنے کا مرتکب خیال کیا جاتا ہے، یہ کہیں نہیں سمجھا جاتا کہ یہ قیام درود شریف پڑھنے کے لیے ہے، یہ توجیہ القول بمالا یرضی قائلہ ہے، ان دونوں امور کی سخافت ظاہر ہے۔ یعنی ہر مجلس میلاد میں جناب رسول اللہ ﷺ کا تشریف ارزانی فرمانا کسی نص ضعیف یا قوی سے ثابت نہیں جس پر عقیدہ جمایا جائے اور معاملہ مناسبہ عمل میں لایا جائے، یہ امر اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے کہ استحضار صورت ولادت کیا جائے اور مولود کی تعظیم بجالائی جائے اس کی کوئی شریعت میں نظیر نہیں۔

پھر اگر جملہ عوارض سے قطع نظر کی جائے تو غایۃ مافی الباب اباحت یا استحسان کہا جاسکتا ہے، مگر ایسے امور پر نفس مداومت بھی شرعاً مکروہ ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء تصریح فرما رہے ہیں کہ ان سورتوں پر عملاً مداومت کرنا جن کو کبھی کبھی جناب رسول اللہ ﷺ سے کسی نماز میں پڑھنا ثابت ہوتا ہے مکروہ ہے، چہ جائے کہ اس پر اس قدر تشدد کیا جائے کہ تارک قیام کی بے عزتی، گالی گلوچ، مار پیٹ وغیرہ کی نوبت آجائے، ان امور کے ہوتے ہوئے تو وہ اباحت واستحسان بھی مبدل بالکراہت بلکہ بالحرمت ہو جائے گا۔

(مکتوبات ۱/۲۳۲۔۲۳۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنا



حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوگ مشکل کشا کہتے ہیں، مگر یہ لفظ مجھ پر گراں گزرتا ہے کیونکہ مشکل کشائی تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کیوں کہا جاتا ہے۔



حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق مشکل کشا کا لفظ نہ معلوم کس وجہ سے طبیعت کو گراں ہوتا ہے، زمانہ سابق میں یہ لفظ بمنزلہ لقب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے مستعمل ہوتا تھا، اسی زمانہ میں شجرہ تصنیف کیا گیا ہم نے زمانہ طفولیت میں سن رسیدہ لوگوں کی زبان پر اس کو بہت زیادہ جاری پایا مگر یہ لفظ عربی کے حلال المعاقد کا

ترجمہ ہے حسب معنی لغوی خصوصیت ذات خداوندی کے ساتھ نہیں رکھتا معانی شرعیہ کے اعتبار سے مشکل قسم مجمل ومتشابہ ہوتا ہے جس کا مصداق ہر فقیہ صاحب الرائے ہوسکتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق بوقت ارسال یمن جبکہ انہوں نے شکایت فرمائی کہ میں حدیث السن ہوں اور آپ مجھ کو قاضی اور حاکم بنا کر بھیجتے ہیں! تو جناب رسول اللہ ﷺ نے سینہ مرتضویہ پر دست مبارک مارا(۱) جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "**فما شککت فی قضیة بعد**" پھر ان کے وہاں کے مشکل سے مشکل فیصلے جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کئے گئے ہیں جن پر آپ ﷺ نے اظہار خوشنودی فرمایا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **لولا علی لهلك عمر** وہ ایسے مشکل مقام میں تھا جو کہ مشہور ہے۔ مشکلات کے حل کرنے میں زمانہ صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مشہور ہوگئے تھے تا آنکہ سخت فیصلہ میں یہ مثل صحابہ کرام کی مشہور ہے **قضية ولا ابا حسن لها** بہر حال سمجھ میں نہیں آیا کیا وجہ اس لفظ کے اباء کی اگر کوئی خصوصی الوہیت (۲) یا نبوۃ ہوتی تو محل کلام تھا۔ (مکتوبات ۱/۴۰۶)(۳)

---

۱) یہ واقعہ جمع الفوائد میں ترمذی اور ابوداود کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے لیکن اس میں سینہ پر دست مبارک مارنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ آپ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ فریقین کے بیانات غور سے سنے جائیں۔ پھر فیصلہ کیا جائے۔ جس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "فمازلت قاضیا او ماشککت فی قضاء بعد" (جمع الفوائد ۱/۲۵۹۔۲۶۰) (مرتب)

۲) شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل ہیں اور انہیں "علی مشکل کشا" کہتے ہیں، اپنے اس عقیدہ کو رائج کرنے کے لیے خوب پروپیگنڈہ کیا یہاں تک کہ سنی لوگوں کی زبان پر بھی یا علی مشکل کشا چڑھ گیا۔ شیعوں نے اس کے لیے دو شعر بھی کہے ہیں۔

ناد علیاً مظہر العجائب　　تجدہ عوناً لک فی النوائب
کل ھم وغم سینجلی　　بنبوتک یا محمد وبولایتک یا علی

ترجمہ: علی کو پکارو جو عجائبات ظاہر کرنے والے ہیں۔ تم مصائب میں ان کو اپنا مددگار پاؤ گے۔ سارے رنج وغم دور ہو جائیں گے۔ اے محمد ﷺ آپ کی نبوت اور اے علی آپ کی ولایت کی بدولت۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیعوں کا ایجاد کردہ ہے۔ ہم اہل سنت کو یہ لفظ نہ بولنا چاہیے۔ (مفتی حبیب الرحمن خیرآبادی)

۳) کما قال القاری رحمة الله تعالى تحت قوله ﷺ لعلي رضي الله تعالى عنه (أنت مني بمنزلة هارون و موسى) الحديث " وفي شرح مسلم : قال القاضي عياض : هذا مما تعلقت به الروافض وسائر فرق الشيعة أن الخلافة كانت حقا لعلي رضي الله تعالى عنه انه وصى له بها فكفرت الروافض سائر الصحابة بتقديمهم غيره، وزاد بعضهم : فكفر علياً : لانه لم يقم في طلب حقه ...... ولا شك في تكفير هؤلاء، لان من كفر الامة كلها والصدر الاول خصوصاً ، فقد ابطل الشريعة وهدم الاسلام، ولا حجة في الحديث لاحد منهم ...... وليس فيه دلالة على استخلافه بعده لان النبي ﷺ انما قال هذا حين استخلفه على المدينة في غزوة تبوك، ويؤيد هذا ان هارون المشبه به لم يكن خليفة بعد موسى، لانه توفي قبل وفاة موسى بنحو اربعين سنةً، وانما استخلفه حين ذهب لميقات ربه للمناجات۔ (المرقاة شرح المشكوة، كتاب المناقب، باب مناقب علي ابن ابي طالب رضي الله تعالى عنه، الفصل الاول ۱۰/۴۵۵ مكتبه حقانيه پشاور)

کیا شیعہ کافر ہیں

﴿س﴾

شیعی مذہب رکھنے والا مسلمان ہے یا کافر۔

﴿ج﴾

شیعی مسلمان ہے یا کافر یہ مسئلہ قابل غور اور مختلف فیہ ہے۔ خود شیعہ بھی سنیوں کو کافر کہتے ہیں اور مسلمان نہیں مانتے، چنانچہ ان کے مجتہد نے کلکتہ میں حیبیہ فنڈ کے متعلق ہائی کورٹ میں بحث کرتے ہوئے اس کا اعلان کیا تھا اس کی صورت میرے پاس موجود ہے۔ مولانا عبدالشکور صاحب اور بہت سے علماء ان کے کافر ہونے کے قائل ہیں بعض متوقف ہیں۔ بعضوں کا قول فیصل ہے کہ ان کے علماء کافر ہیں اور جہلاء فاسق ہیں۔ یقیناً قرآن میں تحریف کے ماننے والے، اللہ تعالیٰ کے علم یا جزئیات کا انکار کرنے والے، بدا کے قائل ہونے والے کافر ہیں، علی ہذا القیاس حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھنے والے (۱) وغیرہ وغیرہ۔

(مکتوبات ۱/۲۸۰۔۲۸۱)

سنی کی جانماز پر شیعہ کے نماز پڑھنے کا حکم

﴿س﴾

کسی سنی کی جانماز پر کسی شیعہ نے نماز پڑھ لی تو کوئی حرج تو نہ ہوگا۔

﴿ج﴾

اگر وہ سنی کی جانماز پر نماز پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ فقط (مکتوبات ۱/۲۷۸)

---

۱) الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ باللہ فهو کافر۔ ولو قذف عائشة بالزنا کفر باللہ ویجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح وبانتقال روح الا له الی الائمة وبقولهم فی خروج امام باطن وبتعطیلهم الامر والنهی الی ان یخرج الامام الباطن وبقولهم ان جبرئیل غلط فی الوحی الی محمد ﷺ دون علی ابن ابی طالب وهولاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین کذافی الظهیریه (عالمگیری ۲/۲۶۳)

شیعوں کے یہاں کھانا پینا کیسا ہے

﴿س﴾

شیعوں کے یہاں کھانا صحیح ہے یا نہیں۔

﴿ج﴾

نہایت شہرت کو پہنچ چکا ہے کہ شیعہ اگر کسی سنی کو کھانا پانی دیتے ہیں تو اس میں نجاست ضرور ملا دیتے ہیں۔ اگر کوئی موقع نہیں ملتا تو تھوک ضرور دیتے ہیں۔ اس لیے حتی الوسع اس سے احتراز کرنا چاہیے۔
(مکتوبات ۱/۲۷۹)

عیدین کے بعد مصافحہ کا حکم

﴿س﴾

عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ کا کیا حکم ہے۔

﴿ج﴾

عید کی نماز کے بعد ملنا اور معانقہ یا مصافحہ کرنا کوئی امر مسنون نہیں ہے۔ لوگوں کی اختراعات اور بدعات میں سے ہے۔ احادیث میں جہاں تک معلوم ہے اس کا پتہ نہیں چلتا، غیبوبت کے بعد مصافحہ اور طویل غیبوبیت پر معانقہ ثابت ہے۔ مگر عید کی نماز کے بعد ان کا ثبوت نہیں ہے۔ یہاں یہ حالت ہے کہ وہ رفقاء جو نماز میں شریک بلکہ برابر کھڑے تھے۔ سلام اور خطبہ کے بعد معانق ہوتے ہیں اور اس کو دینی امر سمجھتے ہیں اس لیے یہ غلط چیز ہے(1)۔ (مکتوات ۱/۲۸۴)

مرزا قادیانی اور عنایت اللہ مشرقی بے دین ہیں

﴿س﴾

مرزا غلام احمد قادیانی اور عنایت اللہ خاں مشرقی مسلمان ہیں یا کافر مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر پر علماء ہند

---

۱) وموضع المصافحة فی الشرع انما هو عند لقاء المسلم لاخيه لافی ادبار الصلوة، فحيث يضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك ويزجر فاعلها لما اتى به من خلاف السنة۔ شامی ۳۸۱/۶ ونقل قبلها انها من سنن الروافض۔

نے فتویٰ دیا ہے یا نہیں؟ جو مرزا کو مسلمان کہے کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے یا نہیں، ایسے شخص کو جو کافر نہ کہے اس کا کیا حکم ہے؟ علیٰ ہذا القیاس عنایت اللہ خاں مشرقی کے عقائد کفریہ بھی امرت سر کے رسالہ خاکساری فتنہ وغیرہ سے ظاہر ہیں اس کا حکم بھی بیان فرمانا چاہیے۔

﴿ج﴾

مرزا غلام احمد قادیانی اور عنایت اللہ خاں مشرقی بے دین اور ملحد ہیں دونوں برطانیہ پرست واقع ہوئے ہیں۔ ہر دو کے متعلق علماء دین اسلام کے کفر کے فتویٰ شائع ہو چکے ہیں۔ ہر دو کے کفر میں تامل کرنے والا یا تو ناواقف ہے جس کو ان کے عقائد کفریہ پر اطلاع نہیں یا اگر مطلع ہو کر تامل کرتا ہے تو گمراہ وضال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (رجسٹر فتاویٰ مدرسہ شاہی مراد آباد) (۱)

کیا حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ختم نبوت کے منکر تھے

﴿س﴾

بعض اہل بدع یہ الزام لگاتے ہیں کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ نے ختم نبوت کا انکار فرمایا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے۔

﴿ج﴾

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ العزیز کی طرف جو مضمون انکار ختم نبوت زمانی کا نسبت کیا گیا ہے بالکل جھوٹ اور افتراء ہے۔ حضرت مولانا مرحوم تو جناب رسول اللہ ﷺ کے متعلق تین قسم کی خاتمیت ثابت کرتے ہیں۔ خاتمیت ذاتی (مرتبی) خاتمیت مکانی اور خاتمیت زمانی کو قطعی ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو اس کا منکر ہے وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا زمانۂ نبوت تمام انبیاء سے آخر میں واقع ہوا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ جو شخص اس کو نہ مانے اور انکار کرے وہ مسلمان نہیں ہے، حضرت مولانا مرحوم صفحہ: ۸ سے خاتمیت زمانی کے عقلی دلائل شروع فرما کر صفحہ ۱۰ میں بطور نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں۔

---

۱) وقد اخبر اللہ تبارك وتعالىٰ فی كتابه ورسوله ﷺ فی السنة المتواترة عنه انه لا نبی بعده، ليعلموا أن كل من ادعى هذا المقام بعده، فهو كذاب وأفاك دجال ضال مضل تفسير ابن كثير (الاحزاب: ۴۰: ۶۵۲/۳ مكتبه دارالفيحاء بيروت او دعوى النبوة بعد نبينا ﷺ كفر بالاجماع (شرح الفقه الاكبر لملا على القارى: ۱۶۴، قديمى)

تحذیر الناس صفحہ ۱۰ میں مندرجہ ذیل عبارت ہے۔
سو اگر استغراق اور عموم ہے (یعنی لفظ خاتم النبیین مذکورہ آیت میں) تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے۔ ادھر تصریحات نبوی" أنت مني بمنزلة هارون من موسٰى إلا أنه لا نبي بعدي[1]" (ترمذی شریف ۲/۲۱۴) جو بظاہر بطرز مذکور اسی خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی رہا۔ کیونکہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا گو الفاظ مذکورہ بسند متواتر منقول نہ ہوں اور یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں۔ جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس کا بھی منکر کافر ہوگا۔ (تحذیر الناس صفحہ ۱۰۔ مطبوعہ قاسمی پریس) صفحہ ۲۱ میں فرماتے ہیں:
"ہر حادث زمانی کے لیے ایک عمر کہ جس کی وجہ سے محققان صوفیاء کرام ہر حادث میں قائل تجدد امثال ہوئے ہیں۔ کیونکہ زمانہ ایک حرکت ہے۔ چنانچہ اس کا متجدد غیر قار الذات ہونا بھی اس کا مؤید ہے اس صورت میں مسافات متعددہ اور حرکات متعددہ منجملہ حرکات سلسلۂ نبوت بھی تھی سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی ﷺ مبدل، بسکون ہوئی اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانہ آخر میں آپ ﷺ کے ظہور کی ایک یہ بھی وجہ ہے۔ (تحذیر الناس ص ۲۱ مطبوعہ قاسمی پریس)

مندرجہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جبکہ حرکت سلسلۂ نبوت ختم ہو کر مبدل بہ سکون ہو گئی، تو پھر کوئی نبی کیونکر آ سکتا ہے، حضرت مولانا کی تحریرات میں متعدد مقامات پر آپ ﷺ کی خاتمیت زمانی کا زور و شور سے اقرار کیا گیا، اور آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کے امکان کا سختی سے انکار موجود ہے، دیکھو! مناظرۂ عجیبہ اور ہدیۃ الشیعہ وغیرہ رسالہ تحذیر الناس میں عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ تمام انبیاء سے اونچا اور آخری ہے، آپ ﷺ سے اوپر کسی نبی کا مرتبہ نہیں ہے اور آپ ﷺ کا زمانہ سب سے آخر ہے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور اسی طرح آپ کا مکان اور وہ زمین جس میں آپ مبعوث ہوئے (وہ بھی آخری ہے)۔ (مکتوبات ص ۳۴۸۔ ۳۵۰، ج ۲)

مسئلہ علم غیب



حفظ الایمان میں حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر عالم الغیب کے اطلاق کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔ حالانکہ یہ مسلم ہے کہ حضور ﷺ کو تمام مخلوق سے زیادہ علوم غیب عطا کئے گئے

---

۱) ترمذی شریف ابواب المناقب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ج ۲ صفحہ ۲۹۳ مکتبہ رحمانیہ

ہیں اس اعتبار سے تو آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح معلوم ہوتا ہے۔اس کی توجیہ کیا ہے۔



کسی چیز کا نفس الامر میں متحقق ہونا دوسری بات ہے اوراس پر کسی لفظ کا اطلاق کیا جانا دوسری چیز ہے۔بسا اوقات کوئی چیز متحقق ہوتی ہے مگراس کے اسم کا بولنا ممنوع ہوتا ہے دیکھئے جملہ اشیاء کا پیدا کرنے والا خداوند کریم ہے لیکن اس کو خالق القردۃ والخنازیر یعنی پیدا کرنے والا سؤر اور بندروں کا کہنا ممنوع ہوا ہے۔بوجہ شبہ اہانت کے علیٰ ہذا القیاس خود باری تعالیٰ فرماتا ہے أأنتم تزرعونہ ام نحن الزارعون (۱) مگر لفظ زارع کہنا ممنوع ہوا کہ موہم اہانت ہے اس قسم کے بہت سے الفاظ ہیں کہ باعتبار معنی کے صحیح ہوتے ہیں مگر ان الفاظ کا بولنا ذات خداوندی یا ذات رسالت مآب علیہ السلام کے واسطے ممنوع ہوتا ہے۔بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے الفاظ کے بولنے میں کوئی شرط درکار ہوتی ہے مثلاً عالم کا لفظ ہر اس شخص پر بولنا عرفاً جائز نہیں ہے جو کہ ایک مسئلہ کا جاننے والا ہو بلکہ اگر کسی نے دس پندرہ مسئلہ بھی یاد کر لیے تو اس کو بھی عالم نہیں کہا جا سکتا ہے اگر چہ باعتبار لغت کے وہ عالم ہو گیا ہے علیٰ ہذا القیاس ہر مالدار کو سیٹھ نہیں کہہ سکتے ہیں دیکھئے لغت میں تنخواہ دینے اور کھانا کھلانے کو رزق کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔مشہور کتب لغت میں ہے رزق الامیر الجند یعنی امیر نے لشکر کو رزق دیا مگر لفظ رزاق کا بولنا اس پر درست نہیں اس کی بہت سی مثالیں شرع و لغت و عرف میں موجود ہیں پس جناب مولانا تھانوی مدظلہ اس بحث میں فقط اس امر سے بحث فرما رہے ہیں کہ حضرت علیہ السلام پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرنا اور یہ کلمہ بولنا آیا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں کلام نہیں کر رہے کہ مغیبات میں سے کسی چیز کا علم آپ کو آیا حاصل ہے یا نہیں؟ کیونکہ بداہۃً معلوم ہے اور خود مولانا بھی بعد کو تصریح کر رہے ہیں کہ جتنے مغیبات لازمہ برائے نبوت ہیں وہ سب آپ علیہ السلام کو معلوم کرا دیئے گئے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں غیر لازمہ بھی آپ کو گئیں جن کے ذکر سے احادیث بھری ہوئی ہیں پس خلاصہ مولانا کی بحث کا یہ ہے کہ لفظ عالم الغیب کہنا آپ کی ذات مقدسہ کے واسطے جائز نہیں اور اس کے لیے دو دلیلیں ذکر فرمائیں۔اوّل یہ کہ حسب قول سائل حضور علیہ السلام کا علم غیب ذاتی نہیں ہے بلکہ بتعلیم اللہ تعالیٰ ہے اور چونکہ عالم الغیب اس کو کہتے ہیں (۲) جس کا علم ذاتی اور بغیر تعلیم کے ہو اور اس وجہ

---

۱) پارہ ۲۷ سورۃ الواقعہ رکوع ۲، ۵، ۲: آیات نمبر: ۶۴

۲) قال اللہ تعالیٰ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً، الا من ارتضی من رسول فانہ یسلك من بین یدیہ ومن خلفہ رصداً (سورۃ الجن ۲۶، ۲۷ پارہ ۲۹) وقال اللہ تعالیٰ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشآء (سورۃ آل عمران ۱۷۹ پارہ ۴) قال اللہ تعالیٰ قل لا أقول لکم عندی خزائن اللہ ولآ اعلم الغیب (سورۃ الانعام ۵۰ پارہ ۷)

قال اللہ تعالیٰ وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھو (سورۃ انعام ۵۹ پارہ ۷)

قال اللہ تعالیٰ لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء (سورۃ الاعراف ۱۸۸ پارہ ۹)

سے خداوند کریم اپنے آپ کو عالم الغیب فرماتا ہے اس لیے حضور علیہ السلام کے لیے یہ لفظ کہنا ممنوع ہوگا جیسے کہ لفظ خالق ورزاق خدا و معبود وغیرہ کہنا ممنوع ہوا اگرچہ یہ الفاظ دوسرے معانی کے اعتبار سے صحیح ہوں مگر ایہام کے سبب ناجائز ہوئے دوسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ عالم الغیب جس کا اطلاق ذات مقدسہ نبوی پر ہوا ہے کس معنی کے اعتبار سے کرتے ہو؟ یعنی اگر عالم کے یہ معنی ہیں کہ تمام مغیبات کا جاننے والا ہو تو یہ معنی آپ میں موجود نہیں، جملہ مغیبات کا علم سوائے خداوند کریم کسی کو نہیں اور اگر اس لفظ کے معنی ہیں کہ بعض مغیبات کا جاننے والا ہو تو بعض کا علم تو سب کو ہے کیونکہ کروڑ ہا کروڑ بھی بعض ہے اور ایک بھی بعض ہے غرض کہ لفظ عالم الغیب کے معنی میں دو شقیں فرمائی ہیں۔ اور ایک شق کو سب میں موجود مانتے ہیں۔ یہ نہیں کہہ رہے ہے کہ جو علم غیب رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھا وہ سب میں موجود ہے۔ بلکہ اس معنی کو سب میں موجود مانتے ہیں۔

(الشہاب الثاقب ص ۱۰۴ تا ۱۰۶)

اعتراف کمال

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

''حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب فیض آبادی ثم المدنی آسمان علم و ہدایت کے آفتاب اور زہد و ورع میں یگانۂ زمانہ اور جہاد تخلیص وطن کے ایک ممتاز شہسوار ہیں، ہندوستان کے مسلمان ان کی ذات گرامی پر جس قدر بھی فخر کریں بجا ہے۔ وہ علم ہدایت اور مستحق منصب قیادت ہیں۔ ان کی مذہبی و وطنی خدمات سے تمام مسلمانان ہند واقف ہیں۔ اور ان کے اخلاص و دیانت کے مخالف بھی معترف ہیں۔ اور ان کی بے غرضانہ محبت کا لطف وہی حاصل کرسکتا ہے جو ان کی صحبت و معیت سے بہرہ ور رہا ہو۔''

(بیس بڑے مسلمان ۵۱۱)



ISBN: 978-969-9753-03-9



